بسم اللہ الرحمن الرحیم
ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر
اکرم التفاسیر
قال الملا
مولانا
محمد اکرم اعوان
9

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ
اکرم التفاسیر
قَالَ الْمَلَاُ
مولانا
محمد اکرم اعوان
9

اکرم التفاسیر

مولانا محمد اکرم اعوان

پارہ .... نہم

باراوّل .... اگست 2012ء

تعداد .... دو ہزار

قیمت .... -/470روپے

ناشر عبدالقدیر اعوان

ناظم نشرو اشاعت ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ لاہور

از دل خیزد بر دل ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس بارے میں عرض کر دوں کہ نہ تو خود ثنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی، نہ اب ہے اور نہ انشاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسر قرآن کہے، نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں، یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقت نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب، جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو رہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور انشاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لئے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں، آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے۔ اس لئے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Valley اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں

حصہ تک آ گئی ہے۔ اس لئے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی' ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی۔ لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقام ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہل بصیرت نے دیکھا کہ فہم قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپرد قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالات حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہل علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لئے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجات اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکر قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرین کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار ﷺ کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدنی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدنی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی ﷺ کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکات نبوی ﷺ قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

دراصل برکاتِ نبوت ﷺ ہی قلب کو سلیم بناتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں خلوصِ نیت اور خلوص فی العمل نصیب ہوتا جاتا ہے۔ بندہ ظاہر و باطن میں پاکیزہ اور کھرا ہوتا ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کی سنتِ مبارکہ یہی تھی جو حالتِ ایمان میں سامنے آیا برکاتِ نبوت ﷺ نے اس کے ظاہر و باطن کو متوجہ الی اللہ کر دیا۔ برکات کی اس اثر آفرینی کی اہمیت واضح کرتے ہوئے الاعراف 206 کے ضمن میں امیر المکرم فرماتے ہیں

''اس کے بعد خشوع و خضوع اور متوجہ الی اللہ ہونا ہے اس کے لئے دل کی ایک خاص حالت چاہیے۔ قلب کی ایک خاص کیفیت چاہیے ورنہ آپ خاموش بیٹھے رہیں گے تو دل کہیں اور بھٹکتا رہے گا اور پتہ نہیں کیا جمع تفریق کرتا رہے گا اور کیا باتیں سوچ رہا ہوگا۔ بدن کہیں ہوگا دل کہیں ہوگا اس کا

سلیقہ بتایا کہ اس دل کو ذاکر کرو۔ جب دل خود ذاکر ہوگا خود اللہ کے نام سے آشنا ہوگا جب اس میں
انوارات وتجلیات باری منعکس ہوں گے جب اس میں نبی کریم ﷺ کے انوارات وبرکات آئیں
گے تو یہ خود کلام الٰہی کی طرف کھچا رہے گا اس طرف متوجہ رہے گا۔ اس کا طریقہ کیا ہے؟ قرآن کریم
ارشاد فرماتا ہے **واذکر ربك فی نفسك** اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں یاد کر، اللہ اللہ اللہ، دل
ہی دل میں اللہ کا ذکر کرو **تضرعا** نہایت عاجزی سے یہ احساس رہے کہ میں جس کا نام لے رہا ہوں
وہ رب العالمین ہے اور میں اس کی مخلوق میں سے ایک ادنیٰ سا فرد ہوں۔ جس کی مخلوق میں شمار نہیں
کرسکتا وہ جانے اور اس کی مخلوق جانے۔ ان لشکروں کا جو اس نے پیدا فرمائے ہیں میں ایک ادنیٰ
فرد ہوں۔ **تضرعا وخیفة** اس خوف سے ہیبت الٰہی طاری ہو ہیبت الٰہی کا احساس ہوا سے مذاق
نہ سمجھا جائے اسے عام نہ لیا جائے بلکہ اللہ اللہ کے ساتھ ایک تو عاجزی ہو اپنی محتاجی کا احساس ہو
دوسرے عظمت الٰہی کا ادراک ہو۔ دل پر اس کی ہیبت طاری ہو کہ وہ بہت بڑی ہستی ہے اور میں
ایک ذرۂ بے قیمت ہوں میں اس کا نام لے رہا ہوں۔ **ودون الجهر من القول** اس میں آواز
ہیں آنی چاہئے اور اونچی آواز کے بغیر یعنی جہر نہیں ہونا چاہیے خفی ہونا چاہیے **بالغدو والاصال**
رات دن مسلسل کیا جائے۔ ہر وقت ہر لمحے کیا جائے **بالغدو والاصال** سے بھی یہی مراد ہے ہمہ
وقت صبح، شام، رات دن ہر لمحے **ولا تكن من الغفلين** ۞ کتنا کیا جائے۔ کوئی اس کی تعداد
ہے؟ کہ ایک لاکھ بار دس لاکھ بار پچاس لاکھ بار کیا جائے فرمایا **ولا تكن من الغفلين** غافلوں
میں سے مت ہونا۔ کوئی لمحہ ایسا نہ آئے کہ جس میں تو اللہ کا ذکر نہ کر رہا ہو۔ کبھی غافل نہ ہونا۔ زبان
سے جو ذکر کیا جاتا ہے وہ بھی ذکر الٰہی ہے لیکن زبان ہمہ وقت ذکر نہیں کرسکتی اسے اور بھی بہت سے
کام ہیں بہت سی باتیں کرنا ہوتی ہیں عملاً جو کام شریعت کے مطابق کیا جاتا ہے وہ عملی ذکر ہے لیکن
شاید پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم سارے کام شریعت کے مطابق نہیں کرتے ہم سے بہت سی نافرمانیاں
ہوجاتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا فرشتہ صفت انسان ہو جو ہر قدم شریعت کے مطابق

اٹھائے ہر بات شریعت کے مطابق کرے ہر کام شریعت کے مطابق کرے تو جب وہ سو جائے گا تو کام تو ختم ہو جائیں گے پھر تو ذکر چھوٹ گیا، غفلت آ گئی، زبان خاموش ہو جائے گی، سو جائے گا تو غفلت آ گئی لیکن جب دل ذاکر ہو جاتا ہے تو بندہ سو جائے وہ دھڑک رہا ہے، بندہ کام کر رہا ہے وہ دھڑک رہا ہے، بندہ بے ہوش ہو گیا وہ دھڑک رہا ہے۔ اگر اس نے دھڑکنا بند کر دیا تو زندگی کی شمع بند ہو جائے گی۔ جب تک سانس کی ڈوری چل رہی ہے وہ دھڑک رہا ہے۔ اب اگر اس کو اللہ اللہ پہ لگا دیا جائے اور وہ اللہ اللہ پہ لگ جائے تو پھر اس سے بڑی بات کیا ہے۔"

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکر قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنان اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے لئے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں، لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت و دوزخ یا ثواب و عذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرانی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکر قرآنی کو اجاگر کیا ہے، جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لئے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لئے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت و رسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فرد جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہل حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصر حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالم اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکر قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لئے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لئے یہ آیہ کریمہ قیامت تک کے لئے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور انشاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار انداز بیان میں فکر قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکر قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت

پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لئے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ امت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خون مسلم کو گرم اور امت مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسر قرآن سے آگے مفکر قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسر قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکر قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکر قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

حسب سابق احباب سلسلہ عالیہ جناب ذکاء اللہ جان، سید انور علی شاہ اور عاصم نذیر نے تدوین و تالیف میں معاونت کی، اللہ تعالیٰ سب کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوْا

پارہ 9 قَالَ الْمَلَاُ

سورۃ الاعراف رکوع 11 آیات 88 تا 93

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۟ؕ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۟ۚۖ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۟ؒ﴿۹۳﴾

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا اے شعیب (علیہ السلام) ہم آپ کو اور جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو ضرور اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم ہمارے

مذہب میں واپس آجاؤ انہوں نے فرمایا خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزار ہوں تو بھی؟ ﴿۸۸﴾ تو بے شک ہم نے اللہ پر جھوٹی تہمت لگائی اگر ہم تمہارے مذہب پر واپس آجائیں (خصوصاً) جبکہ اللہ نے ہم کو اس سے نجات دی ہے۔ اور ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم اس (تمہارے مذہب) میں لوٹ آئیں سوائے اس کے کہ اگر ہمارا پروردگار اللہ ہی چاہے (ہمارے نصیب میں ہو) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز سے وسیع تر ہے۔ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے اور آپ بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں ﴿۸۹﴾ اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا اگر تم شعیب (علیہ السلام) کی پیروی کرو گے تو یقیناً تم خسارے میں پڑ جاؤ گے ﴿۹۰﴾ پس ان کو زلزلے نے آپکڑا پھر صبح کو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ ﴿۹۱﴾ جنھوں نے شعیب (علیہ السلام) کو جھٹلایا گویا وہ کبھی یہاں بسے ہی نہ تھے جنھوں نے شعیب (علیہ السلام) کو جھٹلایا وہی نقصان اٹھانے والے تھے۔ ﴿۹۲﴾ پس وہ ان سے منہ موڑ کے چلے اور فرمایا اے میری قوم! یقیناً میں نے تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی سو اب انکار کرنے والی قوم پر کیا افسوس کروں ﴿۹۳﴾

تفسیر ومعارف

شعیبؑ کی قوم کے وہ لوگ جو امیر ہو گئے تھے ان میں تکبر آ گیا تھا۔ اپنی بڑائی کے احساس میں گرفتار ہو گئے تھے وہ کہنے لگے اے شعیبؑ ہم آپ کو اور جو آپ کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں ان کو اپنے ملک اور اپنے شہروں سے نکال دیں گے یا آپ لوگ ہمارے دین، ہماری ملت، ہمارے طریقے پر واپس آجائیں۔

اصولی جواب:

شعیبؑ نے اصول کی بات کی کہ دین اختیاری چیز ہے۔ تم نے نہیں ماننا تو تم اپنا کام کئے جاؤ اور جو

ایمان لے آئے ہیں انہیں جادۂ حق سے مت روکو کہ اللہ کریم خود فیصلہ فرما دیں گے۔

یہ اصول کافروں کی سمجھ میں نہ آیا کہ کفر خود بے اصولی ہے اور دین کی بنیاد اصولوں پر ہوتی ہے اور وہ اصول اللہ کریم کی طرف سے مقرر کئے جاتے ہیں جبکہ کفر کی بنیاد انسانی جھوٹ پر ہوتی ہے اور انسان کے دماغ کی اختراع پر ہوتی ہے کہ کسی کے ذہن میں کوئی بات سما گئی اور کسی نے کچھ اور سوچ لیا۔

آپؑ نے جواباً فرمایا اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ﴿۸۸﴾ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم تمہارے دین کو قبول کر لیں جبکہ ہم تمہارے دین کو سخت ناپسند کرتے ہوں۔ ہم تو تمہارے کفر سے، بت پرستی سے سخت نفرت کرتے ہیں اس سے بیزار ہیں اور تم کہتے ہو کہ اس مذہب کو اپنا لو۔ یہ ممکن نہیں۔

آپؑ نے فرمایا کہ میں اللہ کا نبیؑ ہوں، اس کا رسولؑ ہوں۔ میں نے اعلان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد لاشریک ہے۔ اس نے احکام عطا فرمائے ہیں کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ اللہ نے اس کام کے کرنے کا یہ طریقہ ارشاد فرمایا ہے لہٰذا اسی طریقے سے کرو اور وہ کام نہ کرو جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے تو آج بفرض محال میں اور میرے مسلمان ساتھی تمہاری بات مان لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس سے پہلے اللہ کریم پر جھوٹ بولتے رہے۔ اور یہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں یہ بھی تمہارے ساتھ ہی رہتے تھے۔ ان کے طریقے بھی وہی تھے جو تمہارے تھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہوا کہ اس نے ہدایت کا رستہ دکھا دیا اور انہوں نے اللہ کی طرف سے آئی ہدایت کو تھام لیا اور کفر کی مصیبت سے نجات پا گئے تو اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے بعد کہ اس نے کفر سے نجات دی تم ان سے یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ پھر اس گمراہی کی راہ کو اپنا لیں یعنی تمہارا طریقہ اپنا لیں۔ یہ ممکن ہی نہیں۔ مَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ ہمیں یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ اسلام کو چھوڑ کر تمہاری رسومات کو اپنا لیں اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ط ہاں کسی گناہ پر، کسی گستاخی پر وہ ہمیں اپنی بارگاہ سے نکال دے، کفر میں پھینک دے تو وہ قادر ہے۔

تکبر سے محفوظ ہونے کا نسخہ:

کتنی لطیف بات ارشاد فرمائی! انسانی نفسیات کا ایک بڑا اصول ارشاد فرمایا کہ انسان کتنا ہی نیک اور پارسا ہو جائے دولت مند اور صاحب منصب ہو جائے، ولایت کے اعلیٰ مقامات کو پالے تو بھی اس بات کا خیال رکھے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ مجھے اس کا احسان ماننا ہے۔ مجھے اس کی اطاعت کرنا ہے اور

اگر اس خیال میں کوئی فتور آ گیا اور بندہ اسے اپنا ذاتی کمال سمجھ کر اس پر فخر کرنے لگا تو وہ سب کچھ چھین لے گا لہٰذا بندے کو یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے اور جتنا اس پر اللہ کا احسان ہوا اتنا شکر ادا کرے۔

شعیبؑ نے یہی بات ارشاد فرمائی کہ ہمیں یہ زیب ہی نہیں دیتا، ہم سے یہ ہونا ممکن ہی نہیں کہ ہم تمہارے مذہب پر واپس آ جائیں لیکن اگر ہماری کسی غلطی، کوتاہی اور گناہ سے رب العالمین خفا ہو جائیں اور ہمیں اپنی بارگاہ سے نکال دیں تو پھر ہم بھی تم جیسے ہو جائیں گے اللہ اس سے پناہ دے ورنہ ہمارا تمہارے ساتھ متفق ہونا ممکن نہیں۔

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ ہمارے پروردگار کا علم بہت وسیع ہے۔ جو باتیں کوئی نہیں جانتا وہ اس کے علم میں ہیں۔ ہم جو کچھ آج سوچتے ہیں انہیں وہ جانتا ہے اور جو ہم آئندہ سوچیں گے جن کی ہمیں کوئی خبر نہیں وہ ان سے بھی واقف ہے تو اگر ہماری سوچ وفکر میں، ہمارے کردار وعمل میں کوئی خرابی آ جائے اور وہ خفا ہو کر اپنی بارگاہ سے نکال دے تو پھر ہم بھی تمہارے جیسے ہو جائیں گے۔ ہمارا تمہارے ساتھ شامل ہونا ممکن نہیں اور اللہ سے تو کوئی بات چھپی نہیں۔ ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز کو محیط ہے، لیکن یہ بات یاد رکھو عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ ہمارا بھروسہ اسی لاشریک پر ہے، ہمارا بھروسہ اپنی پارسائی پہ نہیں، اپنے علم پہ نہیں، مال پہ نہیں، اولاد پہ نہیں کہ میرے دست وبازو ہیں مجھے بچالیں گے یا میری دولت مجھے بچالے گی یا میرا علم مجھے بچالے گا۔ نہیں۔ ہمارا سارا بھروسہ اس وحدہٗ لاشریک پہ ہے۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کا عطا کیا ہوا ہے، جب چاہے، جو چاہے جس سے چاہے لے لے اس کا اپنا مال ہے۔ ہم اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دے۔ ہم نہ یہ کہتے ہیں کہ انہیں تباہ کر دے نہ یہ کہتے ہیں کہ انہیں بادشاہ بنا دے بلکہ عرض کرتے ہیں کہ جو تیرا انصاف ہے، عدل ہے، حق ہے وہ فیصلہ فرما دے۔ ہم تیرے اطاعت گزار بندے ہیں۔ تیرا حکم مانتے ہیں۔ تیری عظمت پہ یقین رکھتے ہیں۔ اپنی پوری کوشش سے پورے خلوص سے تیرا حکم بجالاتے ہیں۔ پھر بھی انسان ہیں کمی کوتاہی رہ جاتی ہے اور تو غفورٌ رحیم ہے اور اے ہمارے رب یہ لوگ تیرے دین کی مخالفت کر رہے ہیں، ہم پوری ہمت سے تبلیغ کرتے ہیں کہ تیرا دین ہی دین حق ہے اور یہ پوری قوت سے ثابت کرنے میں کوشاں ہیں کہ نہیں یہ دین غلط ہے اور اب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ یہ دین پر عمل کرنے والوں کو اس سے روکنے کے لئے رکاوٹیں کھڑی کر دیتے ہیں، گلیوں میں بیٹھتے ہیں، دین کا مذاق اڑاتے ہیں،

مسلمان عورتوں کے پردے کا تمسخر اڑاتے ہیں، اسلامی احکام و اقدار پر بے ہودہ اعتراض کرتے ہیں تو مہربانی فرما کر ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دے۔ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿٨٩﴾ اور آپ بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ ان کی قوم کے کافر امراء اور سردار کہنے لگے کہ لوگو اگر تم شعیب کے پیچھے چلو گے تو بڑے گھاٹے میں رہو گے۔ ہم تو امیر لوگ ہیں تمہیں مزدوری پر رکھ لیتے ہیں تمہارا روزگار چلتا رہتا ہے۔ یہ تو درویش آدمی ہیں ان کے پاس کوئی مال و دولت نہیں تم انؑ کے پیچھے چل کر کیا پا لوگے؟ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾ ان کے اتباع میں آ کر خسارہ پاؤ گے۔ پھر ہم نے تمہیں کسی کام پر نہیں لگانا، تمہاری کوئی مدد نہیں کرنی، لیکن وہ لوگ یہ بھول گئے کہ شعیبؑ اللہ تعالیٰ کے رسولؑ ہیں۔

بڑی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جب انسان کو فراخی عطا فرماتا ہے، مال و دولت، جاہ و منصب، اختیارات، وسائل اور اولاد عطا فرماتا ہے تو وہ یہ بھول جاتا ہے کہ وہ پہلے کیا تھا، اس کی حقیقت کیا ہے؟ اسے غور کرنا چاہیے کہ اللہ نے مجھے نطفے سے پیدا کیا، میں ایک بے بس بچہ تھا تو مجھے طاقتور جوان بنا دیا پھر اپنی بے پناہ نعمتیں عطا فرمائیں تو مجھے اس کا پہلے سے زیادہ شکر گزار ہونا چاہیے۔ اصولاً تو ایسا ہی ہونا چاہیے لیکن ہوتا یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی جگہ سمجھنے لگ جاتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور باقی مخلوق تو اس کے سامنے کیڑے مکوڑے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جب دعوت الی اللہ پہنچتی ہے تو بڑی کڑوی لگتی ہے اور یہ حوصلہ بھی انبیاءؑ کا ہی ہوتا ہے کہ آپؑ انہیں مسلسل تبلیغ کرتے رہتے ہیں جیسے نوحؑ اپنی قوم کی ملامت کے باوجود ان کی اصلاح کے تدابیر میں مشغول رہے پھر ساڑھے نو صدیاں محنت کرنے کے بعد عرض کی کہ بار الٰہ یہ ماننے والے نہیں، انہیں نیست و نابود کر دے کہ یہ اتنے سخت دل ہو چکے ہیں کہ یہ نسل انسانی کی تباہی کا سبب ہیں لہٰذا ان میں سے کسی ایک کافر کو بھی روئے زمین پہ زندہ نہ چھوڑنا۔

یہی رویہ سرداران قریش کا بھی تھا، پوری قوم بت پرستی میں مبتلا تھی جب حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے۔ قوم کے سرداروں نے آپ ﷺ کے بارے یہی کہا کہ آپؐ تو ہماری سرداری چھیننا چاہتے ہیں، ہمیں اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں یہ ہم سے ہماری سرداری لے لیں گے اور دین کو حاکم بنا لیں گے تو آپ ﷺ سے پہلے شعیبؑ کو بھی یہی بات سننا پڑی تھی۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جب میری غیرت جوش میں آئی فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ میں نے ان پر زلزلہ بھیج دیا فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿٩١﴾ صبح کو سب مرے پڑے رہ گئے۔ کفار میں سے کوئی ایک فرد بھی نہ بچا، کوئی چھت کے نیچے دبا ہوا تھا، کوئی دیوار کے نیچے، کوئی اس زمین میں دب گیا جو شق ہو چکی تھی، کچھ درختوں کے پٹخنے سے مر گئے غرض سب ہی اوندھے منہ پڑے تھے اور ان کی میتیں بھی سیدھی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚ جنہوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی اور ان کا مقابلہ کیا اور انہیں جھوٹا کہا وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی یہاں تھے ہی نہیں! ان کا نہ کوئی بچہ بچا نہ کوئی بزرگ ایسے لگتا تھا جیسے یہاں کوئی زندہ انسان کبھی بستا ہی نہیں تھا۔ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿٩٢﴾ وہ کہتے تو دوسروں کو تھے کہ جو شعیبؑ کی بات مانے گا وہ خسارے میں رہے گا لیکن اصل گھاٹا تو انہیں ہوا جنہوں نے اپنے نبیؑ کا انکار کیا۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ شعیبؑ نے ان سے رخ انور پھیر لیا فرمایا وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ میری قوم! میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام من وعن، پوری امانت و دیانت کے ساتھ تم تک پہنچایا اور تمہیں نصیحت بھی کی، تمہاری خیر خواہی کے لئے تمہیں نصیحت کی تا کہ تم کامیابی پاؤ لیکن تم نے میری دعوت قبول نہیں کی فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿٩٣﴾ تو انکار کرنے والی قوم پر میں کیا افسوس کروں، جس قوم نے اللہ کریم سے، اپنے رب رحیم سے ہی ناطہ توڑ لیا ہو اس پر میں کیا افسوس کروں، کس بات کا دکھ کروں؟ اس قوم نے تو اپنے لئے تباہی کا راستہ خود چن لیا۔

سورۃ الاعراف رکوع 12 آیات 94 تا 99

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے بسنے والوں کو (ان کے انکار پر) محتاجی اور بیماری میں پکڑا تا کہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں ﴿۹۴﴾ پھر ہم نے بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیا یہاں تک کہ انہوں نے خوب ترقی کی اور کہنے لگے کہ یقیناً اس طرح کا رنج و راحت ہمارے بڑوں کو بھی پہنچتا رہا ہے پس ہم نے ان کو دفعتہً پکڑ لیا اور ان کو خبر (بھی) نہ تھی ﴿۹۵﴾ اور اگر ان بستیوں کے مکین ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے ولیکن انہوں نے تکذیب کی (جھٹلایا) پس ہم نے ان کے اعمال (بد) کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا ﴿۹۶﴾ کیا پھر یہ بستی والے اس بات سے بے

خطر ہو گئے ہیں کہ ان پر رات کو ہمارا عذاب آجائے اور وہ پڑے سوتے ہوں؟ ﴿۹۷﴾ یا بستی والے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ دن کو ان پر ہمارا عذاب آجائے اور وہ کھیل رہے ہوں؟ ﴿۹۸﴾ کیا پھر یہ اللہ کی تدبیروں سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ پس اللہ کی تدبیروں سے صرف نقصان اٹھانے والے ہی بے خوف ہوتے ہیں ﴿۹۹﴾

قانونِ فطرت:

اس آیہ مبارکہ میں ایک قانونِ فطرت بیان ہو رہا ہے جو بڑا قابل توجہ ہے۔ فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ۝ ہم کسی قوم، شہر یا بستی میں جب اپنا نبیؑ بھیجتے ہیں تو وہاں کے رہنے والوں پر طرح طرح کی مصیبتیں بھی بھیج دیتے ہیں۔ بھوک وافلاس آجاتا ہے، قحط سالی آجاتی ہے، فصلوں کا نقصان ہو جاتا ہے، مال کا نقصان، لوٹ مار، چوری ڈاکہ ہوتا ہے اور بے اطمینانی اور پریشانی ہوتی ہے۔

فرمایا: میں یہ سب کچھ ان کی بہتری کے لئے کرتا ہوں۔ میں یہ سب مصیبتیں اس لئے بھیجتا ہوں تاکہ وہ ان مصائب سے ڈر کر میرے نبیؑ کے پاس آئیں۔ میرے نبیؑ کی بات مانیں اور میری بارگاہ میں باریاب ہو جائیں۔ یعنی انسان پر جب بھی تکلیف آتی ہے، دکھ، بیماری، تنگی اور افلاس آجاتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت ہوتی ہے کہ اسے اپنی حیثیت کا احساس ہو جاتا ہے کہ اس کے بس میں تو کچھ نہیں۔ پھر وہ اللہ کو پانے کے لئے اللہ کے نبیؑ کے پاس جاتا ہے۔ اللہ کے نبیؑ اسے اللہ کریم سے ملا دیتے ہیں اور اس کی ساری مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ یہ تو ہمارا کرم ہے کہ ہم مہربانی کرتے ہیں کہ جس بستی میں بھی نبیؑ بھیجتے ہیں وہاں کچھ مصائب بھی بھیجتے ہیں تاکہ ان کے دل نرم ہوں، ان میں کچھ خوف الٰہی پیدا ہو۔ یہ میری طرف رجوع کریں۔ مجھے پانے کے لئے میرے نبیؑ کی بارگاہ میں آئیں لیکن جب لوگ ان مصیبتوں کو بھی جھیل جاتے ہیں اور میرے نبیؑ کی بارگاہ میں نہیں آتے تو پھر ہماری بارگاہ کا طریقہ اور انداز یہ ہے، انداز فطرت اور قانون قدرت یہ ہے کہ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ ہم ان کی تکالیف رفع کر دیتے ہیں۔ انہیں دولت دے کر، حکومت واقتدار دے کر اور اولاد دے کر مالا مال کر دیتے ہیں یاد رہے کہ وہ

مال و دولت جو اللہ کریم ناراض ہو کر دیتے ہیں وہ بہت بڑی سزا ہے کہ چند روز اس کے پاس مال رہا، اقتدار رہا، اولاد رہی لیکن بالآخر مرنا ہے، سب کچھ چھوڑ کر قبر میں جانا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں جواب بھی دینا ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں انسانی نفسیات زیر بحث ہیں کہ بندہ جب دکھ میں بھی اللہ کو یاد نہیں کرتا حَتّٰی عَفَوْا اور اللہ کریم جب آسانیاں بھیج دیں تو بپھر جاتا ہے اور کہتا ہے وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ ہمارے باپ دادا پر تکلیفیں آئی تھیں۔ یہ تو زمانے کی روش ہے کہ تکلیف آتی ہے اور چلی بھی جاتی ہے۔ ایسا ہوتا رہتا ہے اس میں توبہ وغیرہ کی کوئی بات نہیں ہے۔ کون وضو کرے کون نمازیں پڑھے ان مصیبتوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ یعنی انسان جب اللہ سے دور ہوتا ہے تو قدرت باری سے بالکل ہی بے فکر ہو جاتا ہے۔ اس کا رویہ یہ ہو جاتا ہے کہ جہاں سے پیسہ ملتا ہے لے لو، حلال حرام کے چکر میں نہ پڑو۔ یہ خوامخواہ کی پابندیاں ہیں۔ دولت، دولت ہے، اقتدار، اقتدار ہے، جس طرح سے ملتا ہے لے لو۔ اس میں اخلاقیات وغیرہ سارے فضول ڈھکوسلے ہیں لہٰذا جو چیز جہاں سے بھی ملتی ہے لے لو اور عیش کرو۔ رہ گئے دکھ سکھ تو یہ پہلوں پہ بھی آتے تھے۔ آج ہم پر آ گئے تو کیا فکر؟ اس کا توبہ وغیرہ سے کیا تعلق؟

اس طرح جب وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بالکل بے فکر ہو گئے۔ فرمایا، فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝۹۵ تو ان پر اچانک اللہ تعالیٰ کی گرفت آ گئی اور انہیں پتہ بھی نہ چلا کہ وہ کدھر سے پکڑے گئے اور یوں تباہ و برباد ہو گئے۔

ایک سوال:

مفسرین کرام نے یہاں ایک سوال اٹھایا ہے کہ اللہ کریم چونکہ اپنی نعمتیں نیکوں کو بھی دیتا ہے اور بدکاروں کو بھی تو بندے یہ کیسے پتہ چلے گا کہ اس پر جو تکلیف یا راحت آئی ہے یہ اللہ کا عذاب ہے یا اس کی عنایت ہے؟ اس کا سادہ سا جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر بندے پر آسانی آئے اور وہ جذبہ شکر ساتھ لائے۔ بندے کو اللہ کریم کے اور قریب کرے تو یہ انعام الٰہی ہے۔ یعنی اگر بندے کو دولت ملے، اس کے پاس اقتدار ہو، آبرو ہو اور بندہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہو، دنیاوی نعمتیں اللہ کی عنایت ہے اور اگر وہ مال و دولت پا کر ناشکرا ہو جاتا ہے۔ عیاشی میں پڑ کر اخلاق سے عاری ہو جاتا ہے۔ برائی میں زور پکڑ جاتا ہے تو یہ اللہ کا عذاب ہے۔ اگر کسی پر افلاس اور تنگی آ جاتی ہے اور اسے اللہ کے قریب کر دیتی ہے۔ وہ نامساعد

حالات میں اللہ کریم سے بدگمان نہیں ہوتا۔ صرف اسی کے دروازے پر سر جھکاتا ہے۔ صرف اسی سے امید رکھتا ہے۔ اس کی رحمت سے مایوس ہو کر بیٹھ نہیں رہتا بلکہ اتباع سنت میں کوشاں ہو جاتا ہے۔ اپنے حصے کا کام تندہی سے کرتا ہے اور اللہ کی رحمت کا طلب گار ہوتا ہے تو وہ مفلسی بھی اللہ کی رحمت ہے۔ اور اگر تکلیف اور مصیبت میں کفر بکنے لگتا ہے۔ اپنی اصلاح کرنے کے بجائے مایوسی کی باتیں کرتا ہے۔ عضو معطل بن کر بیٹھ رہتا ہے اور اللہ سے دور ہوتا ہے تو یہ عذاب ہے۔

فرمایا: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا اگر اس بستی کے رہنے والے جو میرے نبیؑ کے مخاطب تھے، ایمان لے آتے اور نیکی کا رستہ اپناتے اور تقویٰ اختیار کرتے، لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ہم ان پر آسمان سے بھی اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتے اور زمین سے بھی۔ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا لیکن انہوں نے انکار کیا۔ نبیؑ کی بات نہیں مانی فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴿۹۶﴾ اپنے اعمال بد کے باعث وہ اللہ کی گرفت میں آ گئے۔

زمین وآسمان کی برکات کے دروازے کن پر کھلتے ہیں؟

یہ آیہ مبارکہ بتا رہی ہے کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ اپنی برکتوں کے دہانے کھول دیتے ہیں جو اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس بات پر جم جاتے ہیں کہ ہمارا تو اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے جو آنا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہی ہے۔ دکھ آئے یا سکھ ہم اس کا شکر ادا کریں گے۔ برکات ان لوگوں کو ملتی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ یوں تو سب ہی کہتے ہیں کہ اللہ کو مانتے ہیں لیکن اللہ کو ویسا ماننا جیسا وہ ہے اور جیسا نبی کریم ﷺ منوانا چاہتے ہیں۔ ایسا ماننا تھوڑے لوگوں کا کام ہے۔ کسی کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو اللہ کریم نے جائز علاج سے نہیں روکا۔ لیکن ہم شریعت کی حدود پھلانگ جاتے ہیں اور ہم کسی پتھر سے بھی امید لگا لیتے ہیں ہم نے کبھی اللہ پر ایسا اعتماد نہیں کیا جتنا کسی دنیاوی آسرے پر کیا ہے۔ جتنا وقت غیر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے پر صرف کیا جاتا ہے اتنا وقت اللہ کریم کی طرف متوجہ ہونے پر لگایا جائے، اللہ سے آرزو کی جائے کہ اللہ پاک میں کمزور ہوں یہ مصائب شاید تیری رحمت کا کوئی انداز ہیں یا اللہ مجھ سے یہ مشکل برداشت نہیں ہو رہی اسے آسانی میں تبدیل کر دے اور پھر اس پر جم جائے، قائم ہو جائے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کا اسلام قبول کرے لیکن زندگی کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ انسان اللہ کریم پر

اعتبار مشکل سے کرتا ہے۔ اور تب ہی کرتا ہے جب اس کے دل میں وہ برکات آئیں جو نبی کریم ﷺ سے تقسیم ہوتی ہیں۔ اور یہ نصیب نہ ہوں تو بندہ چپے چپے پر غیر اللہ کے آگے سجدہ ریز ہوتا رہتا ہے، ناجائز وسائل کی طرف بھاگتا چلا جاتا ہے۔ بت پرستی یہی نہیں کہ بت کو سجدہ کیا جائے بلکہ خلاف شریعت کسی سے نفع کی امید رکھنا اور غیر شرعی طریقے سے کسی عہدیدار، بااثر شخص کی منت کرنا بھی بت پرستی ہی ہے۔ اسی لئے اللہ کریم نے ایمان کے ساتھ تقویٰ کا ذکر فرمایا ہے۔

تقویٰ ایک بہت وسیع المعانی لفظ ہے۔ جس کا اردو میں ترجمہ پرہیزگاری یا ڈر کیا جاتا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی قلبی کیفیت ہے جس میں یہ ساری باتیں شامل ہیں۔ اس لئے یہ سارے معنی صحیح ہیں۔ بندہ جب ایمان لاتا ہے اور اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن سے وابستہ ہوتا ہے تو اسے نبیؑ صرف احکامات ہی نہیں دیتے بلکہ ایسی کیفیات ایمان بھی عطا کر دیتے ہیں کہ بندہ خلوص دل سے عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ انبیاءؑ دنیاوی اساتذہ کی طرف کے استاد نہیں ہوتے کہ الفاظ سکھا دیئے اور کسی طرح کا فن سکھا دیا اور شاگرد نے وہ فن سیکھ لیا بلکہ نبیؑ جو بات ارشاد فرماتے ہیں اس میں انوارات ہوتے ہیں، تجلیات باری ہوتی ہیں اور کیفیات قلبی ہوتی ہیں۔ ان کی اہمیت یہ ہے کہ اگر کوئی ارشادات نبوت کو زبانی مان لے اور اس کے دل میں وہ کیفیت نہ آئے تو خطرہ نفاق ہے۔ قرآن حکیم میں کافروں کو منافق نہیں کہا گیا۔ جتنے منافقوں کا ذکر آیا ہے وہ بظاہر کلمہ پڑھتے تھے لیکن ان کے دل میں کیفیات نہیں آئیں۔ کیفیاتِ ایمان ویقین کے بغیر اللہ کریم سے اور اللہ کے نبی کریم ﷺ سے تعلق نہ بن سکا تو اطاعت الٰہی اور اتباع رسالت کو بوجھ ہی سمجھتے تھے۔ زبانی کلمہ پڑھتے تھے اور احکامات الٰہی کو مصیبت سمجھتے تھے۔

کیفیات کیا ہیں؟ کیفیات کو سمجھنے سمجھانے کے لئے واضع نے کوئی لفظ وضع نہیں کیا۔ کیفیات لکھنے پڑھنے کے زمرے میں نہیں آتیں۔ دنیاوی خواہشات کی کیفیات کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ کسی کو بھوکا پیاسا ہونے کی کیفیت سمجھانا ممکن نہیں جو کبھی ان سے دوچار نہ ہوا ہو۔ بھوک اور پیاس کی شدت اور غذا اور پانی سے محرومی کی کیفیت سمجھانے کے لئے خواہ کتابیں لکھ ڈالیں یا زبانی سمجھائیں۔ اس کی کیفیت کو پانا ممکن نہ ہوگا لیکن اگر کسی کو بھوکا پیاسا رکھا جائے تو اس پر اس کی کیفیت وارد ہونا شروع ہو جائے گی۔ اسے بھوک اور پیاس جیسے الفاظ کے معنی سمجھ میں آ جائیں گے۔ اسی لئے کیفیت الفاظ میں بیان نہیں ہوتی بندے پہ وارد

ہوتی ہے اور کیفیت کا اثر کردار سے جھلکتا ہے۔ پیاسے کو تسکین ملے تو نظر آتی ہے۔ اسی طرح نور ایمان مضبوط ہو، اس میں خلوص ہو اور قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے انوارات بندۂ مومن کے دل میں آئیں تو اس میں اللہ کی عظمت اور نبی کریم ﷺ کی عظمت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ یہ احساس اجاگر ہوتا ہے کہ میرا اللہ ہر وقت میرے ساتھ ہے۔ اب میں اس کے سامنے اس کی نافرمانی کیسے کروں؟ یوں ان کیفیات سے اس کی زندگی بدل جاتی ہے۔ حضور حق کی یہ کیفیت اور عشق پیغمبر ﷺ کی یہ کیفیت تقویٰ ہے۔ اسے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ہمارے وہ پیارے جو بیرون ملک رہتے ہیں اکثر اوقات فیصلہ کرتے ہوئے ان کی رضامندی کو ہم مقدم رکھتے ہیں۔ ہم لوگوں کو ناراض کرنا گوارا کر لیتے ہیں اپنے چچا، ماموں، بھائی یا بیٹے کو ناراض نہیں کر سکتے۔ جو احساس ہمیں ان پیارے رشتوں کے قائم رکھنے پر مجبور کرتا ہے یہی احساس اگر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہو جائے کہ جب کوئی کام سامنے آئے تو یہ سوچیں کہ اگر اللہ کریم اور اللہ کے رسول ﷺ راضی ہوں گے تو میں یہ کام ضرور کروں گا اور اگر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ خفا ہوں گے تو میں یہ نہیں کروں گا خواہ دوسرے کچھ بھی کہیں تو اس کیفیت کو تقویٰ کہتے ہیں۔ اسے آپ خشیت کہہ لیں، ڈر کہہ لیں یا پرہیزگاری کہہ لیں۔ تقویٰ کا اصل مفہوم وہ کیفیت ہے جو قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے بٹتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی ذات عالی کو اللہ کریم نے سراجاً منیراً فرمایا ہے۔ ایک ایسا روشن چراغ جو روشنی بانٹتا ہے۔ اس سے ہمہ وقت روشنی پھیل رہی ہے، انوارات تقسیم ہو رہے ہیں، برکات بٹ رہی ہیں، جس نے اپنا برتن الٹ دیا۔ الٹا برتن رکھ کر برستی بارش کی رحمت سے محروم ہو رہا ہے اور جنہوں نے رحمتوں کو سمیٹنے کے لئے اپنے دامن پھیلا رکھے ہیں وہ مستفید ہو رہے ہیں۔ اللہ کی رحمت اور اللہ کے نبی کریم ﷺ کی رحمۃ العالمینی کی وسعتیں لامحدود ہیں۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پہ قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

یہ وہ بارگاہ ہے جہاں دامن بھی بڑھا دیتے ہیں اور اپنی شان کے مطابق عطا فرماتے ہیں جب ہمہ وقت ابر رحمت برس رہا ہے تو ہمیں اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ کیا ہمارا کاسۂ دل سیدھا ہے؟ اور ہمارے دل میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کتنا خلوص ہے؟ اگر خلوص ہو تو فرمایا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ

بَرَکٰتٍ میں آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے ان پر کھول دیتا ہوں۔

برکت سے کیا مراد ہے؟

خلوصِ دل سے اللہ کریم کی رضا کے لئے حضور اکرم ﷺ کے اتباع میں کام کرنے سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ برکت کے کئی انداز ہیں۔ اللہ کریم مال میں زیادتی عطا کر دیتے ہیں۔ عمر میں زیادتی کر دیتے ہیں۔ صحت بہتر کر دیتے ہیں، اولاد دے دیتے ہیں، عزت و مقام عطا کر دیتے ہیں۔ ایک انداز یہ بھی ہے کہ تھوڑی آمدنی تمام ضروریات کے لئے کفایت کر دیتی ہے۔ اس میں بہت سی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں۔ کم وقت میں بہت سے نیک اور ضروری کام ہو جاتے ہیں۔ کھانے میں برکت یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو کافی ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک پیالے میں تھوڑا سا پانی تھا۔ نبی کریم ﷺ نے انگشت مبارک اس میں رکھیں تو پیالہ بھر پانی میں اتنی برکت ہوئی کہ سارا قافلہ سیراب ہو گیا اور تمام جانوروں کو پلایا گیا، تمام مشکیزے بھر لئے گئے اور پیالے سے پانی ختم نہ ہوا۔ یہ برکت نبی کریم ﷺ کا معجزہ تھا۔ آپ ﷺ کے پُرخلوص اتباع سے برکت نصیب ہوتی ہے۔ یہی فرمایا کہ اگر وہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو میں ان کی زندگی کے ہر شعبے میں برکات کے در کھول دیتا۔ محنت تھوڑی کرتے اور اجر زیادہ پاتے۔

ایمان وتقویٰ کا ثمر:

ایمان وتقویٰ کا ثمر اللہ پر بھروسہ ہے۔ انبیاءؑ کی تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے جابر کفار کے سامنے کلمہ حق کہا۔ حضرت نوحؑ نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی اور اکثریت نے آپؑ پر طعن وطنز کے تیر ہی برسائے۔ اتنا طویل عرصہ دعوت حق دیتے رہے اور شدید تکالیف اٹھا کر بھی اپنے منصب جلیلہ پر قائم رہے۔ موسیٰؑ نے وقت کے متکبر ترین شخص کو اللہ سے آشنائی کی دعوت دی۔ اسے توبہ کرنے اور اصلاح احوال کی طرف بلایا۔ ذہن میں نقشہ بنایا جائے کہ ایک طرف فرعون کی طاقت، بے پناہ فوج، متکبر ایسا کہ خود کو سجدے کرواتا اور دوسری طرف اللہ کا ایک بندہ تن تنہا بغیر کسی ظاہری طاقت اور شان وشوکت کے، صرف ایک بھائی ہارونؑ ساتھ تھے۔ آپؑ نے فرعون سے فرمایا اللہ سے معافی مانگو، توبہ کرو۔

حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ دیکھیں، دنیا کا سب سے بڑا کفر کا گڑھ تھا جہاں آپ ﷺ مبعوث

ہوئے۔ عرب چونکہ تاجر پیشہ تھے لہٰذا دنیا کے ہر گوشے میں ان کا آنا جانا رہتا تھا۔ مال تجارت کے ساتھ وہ دنیا بھر سے باطل مذاہب بھی ساتھ لے آئے تھے۔ اسی لئے مکہ میں کوئی عزیرؑ کو پوج رہا تھا تو کوئی عیسیٰؑ کی پرستش کر رہا تھا۔ جادوگروں، عاملوں، نجومیوں کی پرستش ہوتی تھی اور چاند، سورج، ستاروں کو پوجنے والے بھی وہاں موجود تھے۔ بت پرستی کی ہر شکل موجود تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے مبعوث ہو کر وہی دعوت دہرائی۔ اللہ کی توحید اور نبیؐ کی رسالت، آخرت پر یقین کا پیغام اور ساری مشکلات کے باوجود اس پر قائم رہے۔

جو آپ ﷺ پر ایمان لے آئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ویسا مانا جیسا نبی کریم ﷺ نے منوایا۔ انہیں ایمان وتقویٰ کا وہ ثمر ملا کہ اللہ کریم پر غیر متزلزل بھروسہ نصیب ہو گیا۔

آج اللہ پر ایمان لانے کے باوجود اس پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ ہم نے کبھی اللہ پر ایسا اعتماد نہیں کیا جیسا ہمیں دوسروں پر ہے۔

پنجاب کے کچھ علاقوں میں ماہیا گایا جاتا ہے اور چناب کی وادی میں چند مصرعوں کا ایک بند پڑھا جاتا ہے جسے ڈھولہ کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ گندم کی فصل کی کٹائی کا وقت تھا کہ بادل آیا اور اولے برسے ساری فصل تباہ ہو گئی۔ گندم کی کٹائی کرنے والوں میں سے ایک نے ڈھولہ گانا شروع کر دیا تو زمیندار نے اسے ڈانٹا کہ ہم سب تباہ ہو گئے ہیں اور تم ڈھولے گا رہے ہو۔ جو خوشی کے موقع کی چیز ہے۔ اس نے کہا مجھے بھی پتہ ہے کہ اولے پڑے ہیں لیکن مجھے کیا فکر؟ میں جن کا ملازم ہوں ان کے توے پر اولے نہیں پڑے۔ ان کے پاس تو پچھلے سال کی گندم بھی موجود ہے۔ پورا علاقہ تباہ ہو گیا ہے لیکن میرے مالک کا گودام تو بھرا ہوا ہے۔ مجھے گھبرانے کی ضرورت نہیں اس لئے میں تو ڈھولا گاؤں گا۔

سوچنا چاہیے کہ بندے میں ایمان ہو اور اسے اللہ پر اتنا بھی بھروسہ نہ ہو جتنا اس مثال میں بتایا گیا ہے تو کیا بات ہوئی!

فرمایا: اگر یہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو زمین و آسمان کی برکتیں میں ان پر نازل کر دیتا۔ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا لیکن یہ ایسے بدبخت نکلے کہ انہوں نے میرے نبیؐ کا انکار ہی کر دیا۔ پھر قدرت کا قانون حرکت میں آ گیا۔ قانون قدرت ہے کہ جو عمل کیا جاتا ہے وہ کرنے والے کے سامنے آ جاتا ہے۔ فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝۹۶ ہم نے انہیں ان کے اعمالِ بد کے نتیجے میں پکڑ لیا۔ اللہ کی پکڑ میں آ کر تباہ ہو گئے۔ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ۝۹۷ کیا یہ لوگ اس بات سے بے خوف ہو

گئے ہیں کہ یہ رات کو سوئے پڑے ہوں اور ان پر عذاب الٰہی آجائے۔

لمحہ فکریہ:

یہ آیہ کریمہ ہمیں متنبہ کررہی ہے کہ قانونِ قضاوقدر اٹل ہے۔ دنیا کا ہر لمحہ سرمایۂ آخرت ہے۔ موت کسی لمحے آسکتی ہے لہٰذا اس سے بے خوف نہ ہوا جائے۔ اگر ملک میں دہشت گردی کا دور دورہ ہے، مہنگائی کا عذاب ہے، آبرو محفوظ نہیں ہے تو ایک ہی علاج ہے۔ اللہ کی نافرمانی چھوڑ دو، اپنی اپنی حد میں آجاؤ، ہر ایک کو اس کا حق دے دو۔ امیر غریب سے عدل کرو، فحاشی بند کرو۔ اللہ سے معافی مانگ لو۔ توبہ کرنے سے آج بھی حالات بدل سکتے ہیں۔ لیکن شرط ایک ہی ہے۔ خود کو تبدیل کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ الرعد: 11 یقیناً اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک قوم اپنے آپ کو نہیں بدلتی۔ اس بندے کا حال تبدیل نہیں ہوتا جو اپنے آپ کو تبدیل نہیں کرتا۔ جو شخص دھوپ میں کھڑا رہتا ہے اپنی جگہ سے نہیں ہلتا اور شکوہ کرتا ہے کہ اللہ مجھ پر سایہ کیوں نہیں کرتا؟ تو اس کا شکوہ بے جا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو سایہ بنا دیا وہ خود ہی سائے میں نہیں آتا تو اس کی حالت تبدیل نہیں ہوگی۔ اپنے آپ کو بدلنا پڑتا ہے تب حالات بدلتے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان پر عمل ہی علاج ہے۔

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ فرمایا، کیا یہ تب مانیں گے کہ دنیا کے لہو ولعب میں مصروف ومشغول ہوں اور ان پر عذاب آجائے۔ کیا یہ ان باتوں کے انتظار میں ہیں کہ زلزلہ آئے اور انہیں تباہ کر دے یا آسمان سے کوئی مصیبت اُترے یا زمین شق ہو جائے اور یہ اس میں سما جائیں یا یہ کھیل کود میں لگے ہوں، دنیاوی مشاغل میں غرق ہوں اور تباہی آجائے اور کوئی باقی نہ بچے۔ فرمایا: اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ کیا یہ اللہ کے طریقے، اللہ کی سنت، اللہ کے انداز، اللہ کے تجویز کردہ قانون سب کو فراموش کر بیٹھے ہیں؟ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ پانی پیتے ہیں تو پیاس بجھتی ہے۔ کھانا کھاتے ہیں تو بھوک مٹتی ہے، تو یہ قانون کیوں بھول جاتے ہیں کہ برائی کا نتیجہ عذاب ہی ہے۔ کیا کسی نے ان سے کہا ہے کہ جو چاہو کرتے رہو۔ تمہارا کچھ نہیں بگڑ سکتا، کیا انہیں کسی نے یہ سند دی ہے؟ یاد رکھو! اللہ کی تدبیروں سے وہی لوگ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں۔ اللہ کے قانون اٹل ہیں۔ ان قوانین کے خلاف چلنے والے ہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اللہ کی تدبیروں سے بے خوف ہونے والے ہی خسارے میں ہیں۔

سورۃ الاعراف رکوع 13 آیات 100 تا 108

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾

کیاان لوگوں کی جواہل زمین کے بعد زمین کے وارث ہوئے (ان واقعات نے) راہنمائی نہیں کی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیں اور ان کے دلوں پر مہر کر دیں سو وہ سن ہی نہ سکیں ﴿۱۰۰﴾ یہ بستیاں ہیں جن کے کچھ کچھ حالات ہم آپ پر بیان فرماتے ہیں اور یقیناً ان کے پاس ان کے پیغمبر دلائل لے کر آئے مگر وہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے تھے پھر اس کو ماننے پر تیار نہ ہوئے۔ اسی

طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں ﴿۱۰۱﴾ اور ان میں سے اکثر کو ہم نے وعدہ پورا کرنے والا نہ پایا اور ہم نے ان میں سے اکثر کو بدکار ہی پایا ﴿۱۰۲﴾ پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں (معجزات) کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا سو انہوں نے ان کے ساتھ ظلم (کفر) کیا پس دیکھ لیجئے فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا ﴿۱۰۳﴾ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا اے فرعون بے شک میں پروردگار عالم کی طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر ہوں ﴿۱۰۴﴾ اس بات پر قائم ہوں کہ میں اللہ پر سچ کے سوا کچھ نہ کہوں یقیناً میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل کے ساتھ آیا ہوں سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے ﴿۱۰۵﴾ اس (فرعون) نے کہا کہ اگر تم نشانی لائے ہو تو اسے پیش کرو اگر تم سچے ہو ﴿۱۰۶﴾ تب انہوں نے اپنا عصا ڈال دیا سو ناگہاں وہ بہت بڑا اژدھا بن گیا ﴿۱۰۷﴾ اور اپنا ہاتھ نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی روشن ہو گیا ﴿۱۰۸﴾

تفسیر و معارف

فرمایا جارہا ہے، اے زمین کے رہنے والو! دنیا میں تم پہلے آباد کار نہیں ہو۔ تم سے پہلے یہاں بہت بڑے بڑے لوگ گزر چکے ہیں۔ بڑی بڑی طاقتور قومیں، بڑے وسیع ممالک کے شہنشاہ جو بڑی بڑی فوجوں اور بے پناہ خزانوں کے مالک رہے۔ ان کے کردار کا نتیجہ کیا ہوا؟ ہر قوم نے اپنے عمل کا نتیجہ پالیا۔ جنہوں نے نیکی کی، اللہ کی اطاعت کی وہ سربلند رہے جنہوں نے نافرمانی کی انہیں دنیا میں بھی رسوائی ہوئی۔ ان کی موت عبرتناک ہوئی اور آخرت میں بھی وہ رسوا ہوں گے۔

فرمایا، اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ یہ لوگ جو اپنے سے پہلے بسنے والوں کے بعد آکر ان کے وارث ہو گئے۔ اُن کے علاقوں، ملکوں، زمینوں اور خزانوں کے مالک ہو گئے تو انہوں نے نہیں دیکھا کہ پہلے بسنے والوں کا ان کی نافرمانیوں پر کیا حشر ہوا؟ کیا وہ سب کچھ عبرت کے لئے کافی نہیں؟

اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ پہلوں کے جرائم جب ایک حد سے بڑھے تو ان پر اللہ کریم کی گرفت آ گئی تو آج کے باسی اگر برائی کرتے چلے جائیں گے تو آخر کب تک ! اگر ہم چاہیں تو ابھی اسی وقت ان کو ان کے گناہوں کے بدلے پکڑ لیں۔ مصیبتیں، بیماریاں اور تباہی بھیج دیں لیکن اللہ تعالیٰ بڑے کریم ہیں۔ کسی قوم کو من حیث القوم فوراً تباہ نہیں کرتے۔ دفعتاً کسی قوم پر آگ نہیں برساتے۔ ایک دم سے کسی قوم کو زمین میں دھنسا نہیں دیتے بلکہ اس پر چھوٹی چھوٹی آزمائشیں، عذاب کی کچھ جھلکیاں، گرفت کے کچھ نمونے بھیجتے رہتے ہیں۔ اگر لوگوں میں ایمان و یقین کا کوئی ذرہ باقی ہو تو انہیں توبہ نصیب ہو جاتی ہے۔ مکمل تباہی سے پہلے جو عذاب آتے ہیں وہ اللہ کی ناراضگی کا مظہر ہوتے ہیں۔ ہر گروہ سمجھتا ہے کہ دوسرے کو مارنا ہی علاج تھا۔ گویا انہیں اپنی غلطی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

عذاب الٰہی کا علاج صرف توبہ ہے:

آج ہم پر یہ عذاب پوری طرح مسلط ہو چکا ہے۔ تمام حکومتی ذرائع و وسائل، فوج، پولیس، نیم فوجی ادارے سب چاہتے ہیں کہ دہشت گردی ختم ہو لیکن کیا صرف دھواں نہیں اٹھنا چاہیے یا آگ ختم ہونی چاہیے؟ اگر کوئی چاہتا ہے کہ دھواں نہیں اٹھنا چاہیے تو آگ بجھا دیں۔ جب آگ سرد ہو جائے گی تو دھواں از خود ختم ہو جائے گا۔ دہشت گردی وہ عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے باعث ہم پر مسلط ہے۔ حل یہ ہے کہ اگر دہشت گردی ختم کرنی ہے تو گناہ اور برائی چھوڑ دو۔ اللہ کے حضور توبہ کرو، محمد ﷺ کا اتباع کرو۔ دہشت گردی تو محض دھواں ہے۔ آگ تو ہم نے خود لگا رکھی ہے۔ ہم یہ آگ بجھانا نہیں چاہتے۔ لوٹ مار نہیں چھوڑنا چاہتے، سود کھانا بند نہیں کرنا چاہتے۔ دھوکہ دہی، اغوا، ڈکیتیاں بند نہیں کرنا چاہتے اور دہشت گردی کے خلاف تجاویز کرتے رہتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہو رہا ہے کہ عذاب الٰہی کا علاج صرف توبہ ہے۔ اگر عذاب الٰہی دولت خرچ کرنے سے ٹلتا ہے تو نوحؑ کی قوم سے، عاد و ثمود کی قوم سے ٹل جاتا جو بڑے طاقتور اور خوشحال لوگ تھے۔ عذاب الٰہی کا علاج صرف توبہ ہے اور ہم توبہ کی طرف نہیں جاتے۔ اسی لئے آج مسجد کے خطیب سے دکاندار تک اور وزیر سے وزیر اعظم، صدر تک کسی بندے کی بات پر اعتبار نہیں رہا۔ تاجر ہوں یا دکاندار، ہر سال تین تین عمرے بھی کرتے ہیں اور دھوکہ دے کر مال بیچتے ہیں۔ مالی بددیانتی بھی کرتے ہیں اور حج پر بھی

جاتے ہیں، سرکاری اور نیم سرکاری افسران رشوت لیتے ہیں اور نمازی بھی ہیں۔ تبلیغ بھی کرتے ہیں، عبادت گزار بھی ہیں اور ذخیرہ اندوزی بھی کر کے غریبوں سے لقمے بھی چھینتے ہیں۔ اس کردار کے نتیجے میں عذاب کا جو انداز مسلط ہوتا ہے وہ ہے زندگی کا اجیرن ہو جانا۔ اللہ کی نعمتوں سے بازار بھرے ہوئے ہوں اور لوگوں کی قوت خرید نہ رہے۔ قوت خرید بھی ہو لیکن وسائل کی ناجائز تقسیم کے باعث استعمال نہ کر سکے۔ وطن عزیز اسی قسم کے مختلف مسائل کا شکار ہے جو اللہ کے عذاب کی مختلف صورتیں ہیں اور اس کے لئے ہر کوئی اداروں اور محکموں کو کوستا ہے لیکن اس عذاب کا سبب ختم نہیں کرتا۔ کوئی نہیں سوچتا کہ یہ ہمارے جرائم کی سزا ہے۔ ہم اپنے جرائم سے توبہ کر لیں۔

چھوٹے چھوٹے عذاب اسی لئے آتے ہیں کہ توبہ کی جائے، اپنے اعمال کی اصلاح کی جائے۔ جب اتباع رسالت ہوگا تو انعامات الٰہی کا ظہور ہوگا جب اطاعت رسول اللہ ﷺ سے منہ موڑا جائے گا عذاب الٰہی مختلف انداز میں آتا رہے گا اس لئے کہ اللہ کریم چاہتے ہیں کہ لوگ توبہ کر لیں۔

اس آیہ کریمہ میں دعوت فکر دی جا رہی ہے کہ گزشتہ اقوام کے حالات سے عبرت پکڑو اور سنبھل جاؤ۔ ورنہ دو میں سے ایک بات ہو کر رہے گی اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ان کے گناہوں کے سبب انہیں تباہ کر دیا جائے یا وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں پر مہر کر دیں فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ۝۱۰۰ پس پھر وہ سن ہی نہ سکیں۔ قرآن حکیم کا کیسا عجیب انداز ہے کہ دلوں پر مہر ہو جائے تو سنائی نہیں دیتا۔ کافر سے بات کریں تو وہ سنتا ہے تو پھر سنائی نہ دینے سے کیا مراد ہے؟ سنائی نہ دینے سے مراد یہ ہے کہ اصل انسان روح ہے۔ روح کو غذا بھی چاہیے دوا بھی چاہیے۔ اگر غذا اور دوا نہ ملے تو روح مر جاتی ہے۔ جس کی روح مر جائے وہ ایمان پر نہیں رہتا، گمراہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اللہ کا پیغام نہیں سنتا باقی ساری آوازیں سنتا ہے۔ وہ اس طرح سنتا ہے جیسے کوا چیل، دیگر جانور سنتے ہیں اگر انسان نے بھی ایسی ہی آواز سنی جیسے شور سنا تو کیا سنا! سننے کا مطلب ہے کہ اس سے انسانیت کو فائدہ ہو اس کی روح اس سے زندہ ہو، صحت مند ہو اور قوت حاصل کرے۔ فرمایا، عذاب کا ایک انداز یہ ہے کہ ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں اور جب دل پر مہر ہو جائے تو پھر اللہ اور اللہ کے نبیؐ کے پیغام کی طرف سے بندہ بہرہ ہو جاتا ہے اور باقی سب کچھ سنتا رہتا ہے۔ گانا سنتا ہے، سیاست، واردا تیں اور دھوکہ دہی کی باتیں سنتا ہے لیکن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات سننا اس کے بس میں نہیں رہتا۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ فرمایا، اے میرے حبیب ﷺ ان بستیوں کی باتیں ہم نے آپ کو سنائیں۔ یہ کیسے خوش حال تھے۔ طاقتور، مالدار اور کثیر الاولاد بھی تھے۔ ڈیم بنا کر

علاقے سیراب کرتے، باغات کی فراوانی تھی تو وہ کتنے مزے کی زندگی گزارتے تھے۔ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ پھران کے پاس ہمارے پیغمبرؑ واضح دلائل معجزات، کتابیں، صحیفے اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے کہ جس اللہ نے تم پر اتنی رحمتیں نازل کی ہیں اتنے انعامات دیئے ہیں۔ تمہیں جان ومال، اولاد، سرسبز کھیتیاں اور باغات عطا فرمائے ہیں۔ آسائشیں اور سہولتیں دی ہیں اس کی عظمت کا اقرار کرو اس کا شکر ادا کرو اور اس کے بنائے ہوئے قاعدے کے مطابق گزارو فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ لیکن انہیں ماننے کی توفیق نہیں ہوئی کیونکہ انہوں نے اپنے باپ دادا کی بات ماننا ضروری سمجھا اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی بات نہ مانی۔ كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۱﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں۔

قلب پر مہر کا سبب:

قرآن حکیم میں اللہ کریم بیماری کی تشخیص کرتے ہیں تو اس کا سبب اللہ کی نافرمانی کو بتاتے ہیں۔ یعنی آدمی گناہ کرتے کرتے اتنا بڑھ جائے کہ کفر میں چلا جائے تو اس کے دل پر مہر کر دی جاتی ہے۔ اللہ کے نبیؑ عظیم ہستی ہوتے ہیں انؑ پر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے۔ نبیؑ کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ جب بات اللہ کی ہو، نبیؑ ارشاد فرمائیں اور لوگ نہ مانیں۔ لوگ انکار کر دیں تو پھر اللہ کریم ناراض ہو کر ان کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں۔ پھر انہیں حق بات سمجھ نہیں آتی۔

قرآن حکیم قیامت تک کے لئے ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اس کے مخاطب ہوں۔ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ میں اور آپ جو اس آیت سے مستفید ہو رہے ہیں دیکھیں کہ کہیں میں تو گناہ نہیں کر رہا جب مجھے اللہ کا پیغام دیا جاتا ہے مجھے سنایا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے، یہ حکم دیا ہے تو کیا میں قبول کرتا ہوں؟ میرا دل خوش ہوتا ہے یا میں گھبراتا ہوں کہ چھوڑو یہ باتیں۔ چھوڑو یہ مولویوں جیسی باتیں میں نے بہت نمازیوں کو اور داڑھی رکھنے والوں کو دیکھ لیا ہے۔ سب ہی ایک جیسے ہیں جس طرح ایک ڈاکٹر مریض کی علامات دیکھ کر تشخیص کرتا ہے اسی طرح قرآن حکیم تشخیص کرتا ہے کہ ہر گناہ مفضی الی الکفر ہے۔ برائی کرتے رہنا اور توبہ کی طرف نہ آنا۔ نافرمانی کی روش اختیار کئے رکھنا مرض ہے۔ اس کی ہلکی سزا یہ ہوتی ہے کہ اسے برائی پر شرم نہیں آتی۔ وہ اللہ کی گرفت سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ فریب، دھوکہ دہی کو عقلمندی کا ثبوت سمجھتا ہے۔ قتل وغارت گری پر فخر کرتا ہے۔ پہلا عذاب یہ ہے کہ اس کی شرم اٹھ جاتی ہے۔ یہ رویہ بڑھتا

جائے تو پھر دلوں پر مہر کر دی جاتی ہے۔ پھر اسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات سنائی ہی نہیں دیتی۔ بندہ احکام شریعت کا مذاق اڑاتا ہے۔ اللہ کے نیک بندوں پر طعن کرتا ہے۔ یہ بہت بڑی سزا ہے جو کافروں کے لئے ہے۔

سوچنے کا مقام ہے کہ قرآن حکیم میں جب دوزخ کے عذابوں کی بات کرتے ہیں تو فرماتے ہیں، اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ یہ تو کافروں کے لئے بنی ہے۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہئے کہ یہ کافروں جیسے کام کر کے ادھر کیوں بھاگے جا رہے ہیں؟ یہاں بھی یہی بات ارشاد فرما رہے ہیں کہ خدانخواستہ تمہیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات پسند نہیں آتی تو کیا تم کہیں کفار کے زمرے میں تو داخل نہیں ہو گئے ہو؟ نام عبداللہ اور غلام رسول رکھے ہوں لیکن عقیدہ ایمان وعمل اگر بگڑ گیا تو نام سے کیا ہوگا! اس انجام سے مطلع کیا جا رہا ہے کہ پچھلی اقوام میں بھی جس نے انبیاءؑ کا انکار کیا ان کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی۔ انہوں نے بے شمار معجزات دیکھے لیکن ایمان نہیں لائے۔

نبوت اللہ کا انعام ہے اور اس کا انکار عذاب عظیم ہے:

اللہ کریم نے کائنات میں جس قدر نعمتیں لٹائی ہیں ان میں سب سے بڑی نعمت نبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنے پیغمبر بھیجے جو اللہ کے بندوں کو اللہ سے آشنا کرواتے۔ اللہ کی پسند اور ناپسند سے لوگوں کو آگاہ فرماتے لیکن جن لوگوں نے فیصلہ کر لیا کہ انبیاءؑ کی بات نہیں ماننی وہ بڑے بڑے معجزے دیکھ کر بھی ایمان کی دولت سے محروم رہے اور اپنے لئے عذاب عظیم کو چن لیا۔ جیسے ابوجہل، ایک مرتبہ اس نے کچھ کنکریاں اپنی مٹھی میں چھپا رکھی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگا اگر آپ بتا دیں کہ میری مٹھی میں کیا ہے تو میں آپ کو پیغمبر مان لوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بتا دینا تو عام بات ہے۔ جو کچھ تیری مٹھی میں ہے اگر وہ بتا دے کہ میں کون ہوں تو؟ تو کنکریوں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس آواز سے پڑھا کہ کافروں نے بھی سنا۔ مولوی رومی فرماتے ہیں۔

لا الہ گفت الا اللہ گفت،
جو ہر آمدِ رسول اللہ سفت،

یعنی کنکریوں نے لا الہ بھی کہا الا اللہ بھی کہا اور محمد رسول اللہ بھی کہا۔

علماء تفسیر لکھتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کا فرمانا ہے کہ کنکریوں کا کلمہ پڑھنا حضور ﷺ کا معجزہ تھا۔

لیکن درحقیقت یہ معجزہ اس سے عظیم تر بات کا مظہر تھا۔ یوں تو ہر پتھر، کنکر اللہ کی تسبیح کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ بنی اسرائیل: 44 ہر ایک شئے اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کا اصل معجزہ یہ ہے کہ کنکریوں کی آواز کافروں کو بھی سنائی دی۔ یعنی کافروں کی سماعت تو حق کے لئے بند ہوتی ہے۔ وہ تو نیک بات سننے سے بہرے ہوتے ہیں لیکن آقائے نامدار ﷺ نے کافروں کی سماعت کو بھی چند لمحوں کے لئے اتنا روشن کر دیا کہ انہوں نے پتھروں کی تسبیحات سن لیں۔ لیکن سن کر نتیجہ کیا ہوا؟ کہنے لگا یہ بہت بڑا جادو ہے جو پتھروں پر بھی چل گیا ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پہ مہر کر دیتا ہے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ ہم نے ان میں کی اکثریت کو وعدہ وفا کرتے نہیں دیکھا۔ یعنی دلوں پر مہر لگنے کی ایک بڑی وجہ عہد شکنی ہے۔ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کی اکثریت گناہ میں مبتلا رہتی ہے۔ فرمایا یہ بلا وجہ ہی کافر نہیں ہو گئے۔ بلا سبب ان کے دلوں پہ مہر نہیں کر دی گئی۔ ان کے کرتوت ہی ایسے ہیں جو وعدے کئے ان میں جھوٹ بولا، قیمت زیادہ بتائی جھوٹ بولا، گھٹیا چیز مہنگے داموں فروخت کی اور اس کی جھوٹی تعریف کی۔ اللہ سے عہد باندھ کر توڑا۔ اللہ کے رسولؐ سے عہد وفا توڑا۔ زندگی کو اللہ کی عطا نہیں اپنی ذاتی چیز سمجھا۔ ہر شئے کو اپنا ذاتی سمجھ کر اپنی پسند سے استعمال کیا فرمایا، حالانکہ کائنات کی ہر شئے میری ہے۔ میں نے اپنی ہر نعمت بخشی اور انہیں استعمال کرنے کی اجازت دی لیکن صرف اسی شرط کے ساتھ میرے نبیؐ جو طریقہ ارشاد فرمائیں اس کے مطابق ان نعمتوں کو استعمال کرو۔ اگر وہ طریقہ اور سلیقہ چھوڑ دو گے تو یہ فسق ہو جائے گا۔ اگر یہ کام مسلسل کرتے رہو گے کبھی توبہ نہیں کرو گے تو دل کی حالت اتنی بگاڑ لو گے کہ پھر تمہارے دلوں پہ مہر کر دوں گا۔ پھر کوئی دوا کارگر نہ ہو گی۔ پھر مولوی اور پیر تو کیا تمہیں نبیؐ اور رسولؐ بھی سمجھاتے رہیں تو تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تمہیں اچھی بات سنائی ہی نہ دے گی۔

حاصل بحث:

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ قرآن حکیم زندہ کتاب ہے۔ جب تک دنیا قائم ہے اسی کتاب پر عمل ہو گا۔ عقیدہ اسی کے مطابق اور کردار بھی اسی کے مطابق رکھنا ہو گا۔ ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ ہم جھوٹ بول کر اشیاء فروخت نہیں کر رہے۔ غلط تنخواہ نہیں لے رہے، رشوت تو نہیں لے رہے، کہیں سود تو نہیں کھا رہے، جھوٹ

بول کر لوگوں سے ووٹ لے لئے اور اب ان کے حقوق غصب نہیں کر رہے؟ اگر یہی باتیں ہیں تو خطرہ ہے کہ دلوں پر مہر نہ لگ جائے۔

اللہ کریم ہمیں قرآن حکیم کے آئینے میں خود کو دیکھنے کی توفیق دے۔ ہم توبہ کریں۔ ایک ایک فرد اپنی ذات کی اصلاح کر لے تو پورے ملک کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اللہ کریم کی رحمت بہت وسیع ہے۔ کوئی ایسا گناہ نہیں جو اس کی رحمت کو عاجز کر سکے۔ سب کا علاج توبہ ہے۔ ہاں توبہ خلوص سے ہو۔ عقیدہ درست کرو۔ اللہ کو ایسے مانو جیسے اللہ کے رسول ﷺ منواتے ہیں۔ اس کام کو صحیح کہو جس کو اللہ کے رسول ﷺ صحیح فرماتے ہیں۔ ان کاموں سے بچنے کی کوشش کرو جسے اللہ کے رسول ﷺ نے غلط بتایا ہے۔ اللہ تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق ارزاں کرے۔

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فرمایا، اس کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا۔

اللہ کریم رب العالمین ہیں۔ ربوبیت کا تقاضا ہے کہ اپنی ساری مخلوق کی ساری حاجات ہر جگہ پوری فرمائے۔ فرعون اگرچہ بدترین کافر تھا جو اپنے معبود ہونے کا دعویدار تھا۔ اللہ کے بجائے لوگوں کو اپنے سامنے سجدے کرواتا تھا۔ اس کے باوجود اللہ کریم نے اپنی شان ربوبیت کے مطابق اس کی روحانی حیات کے لئے، روح کی تربیت کے لئے اولوالعزم رسولؑ کو مبعوث فرمایا۔ انہیں معجزات عطا فرمائے، کتاب عطا فرمائی اور دعوت حق کے لئے بھیجا۔ یہ اس کا انتہائی کرم ہے۔ کتنا بے پناہ کرم ہے کہ فرعون جیسے بندے کے پاس اپنا اولوالعزم رسولؑ بھیجا۔ فرمایا وَمَلَا۟ئِهٖ اور اس کے سرداروں کی طرف۔ فرمایا ہم نے موسیٰ کو اپنے معجزات عطا فرما کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا یعنی پوری قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ فَظَلَمُوۡا بِهَا لیکن انہوں نے ہمارے پیغام کے ساتھ ظلم کیا۔ اس کی اہمیت نہ سمجھی، اس کی قدر نہ پہچانی، اس کا حق ادا نہ کیا، حق تو یہ تھا کہ وہ اپنی حیثیت دیکھتے، اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کرتے اور یہ سوچتے کہ ہم تو کافر و گنہگار ہیں۔ وہ کتنا کریم ہے کہ ہمیں پھر دعوت حق دے رہا ہے۔ اپنے قریب آنے کا موقعہ دے رہا ہے۔ لیکن انہوں نے زیادتی کی۔ فرعون اپنی الوہیت کا دعوی کرتا رہا، اپنے معبود ہونے کا دعویٰ کرتا رہا۔ اللہ نے درگزر فرمایا، اس سے حکومت نہیں چھینی، صحت و آسائشیں نہیں چھینی اس کا رعب و دبدبہ بھی قائم رہا لیکن جب اس کے پاس دعوت الٰہی پہنچی، اللہ کا رسولؑ تشریف لایا، اللہ کے نبیؑ نے اللہ کا کلام پیش کیا۔ اللہ کی طرف دعوت دی اور اس نے ٹھکرا دیا تو فرمایا: فَانۡظُرۡ تو اے مخاطب! دیکھ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِیۡنَ﴿۱۰۳﴾ پھر ان فسادیوں کا کیا

حشر ہوا! وہ جو صدیوں سے حکمران تھے پل بھر میں غرق دریا ہو گئے۔ لاؤلشکر اسلحہ گھوڑوں سمیت نیست و نابود ہو گئے۔ کوئی نام لینے والا نہ رہا۔ اس آیہ مبارکہ میں ارشاد ہوا کہ دیکھو فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ فساد کیا ہے؟ ہر وہ کام فساد ہے جو دین کے خلاف ہو۔ جس سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے روکا ہے، اس کام کا کرنا فساد ہے۔ فساد ایسا گناہ ہے جو متعدی ہوتا ہے۔ یعنی جو بے شمار مخلوق کو متاثر کرتا ہے۔ ہر گناہ کا ایک اثر فرد کی اپنی ذات پر ہوتا ہے اس کی روح اور اس کے قلب پہ تاریکی چھا جاتی ہے دوسرا اثر مادی ماحول پہ ہوتا ہے۔ اردگرد کے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ اگر کسی کی چوری کرتا ہے، رشوت لیتا ہے، سود لیتا ہے، حرام کھاتا ہے تو اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کا بھی نقصان کرتا ہے۔ اس کا تیسرا اثر روئے زمین پر اور فضائے بسیط تک پھیل جاتا ہے۔ لوگوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں، سمندروں میں طغیانیاں آ جاتی ہیں، ہر طرف تباہی پھیل جاتی ہے۔ جو لوگ اللہ کی نافرمانیاں کرتے ہیں وہ اس فساد کا سبب ہوتے ہیں۔ فرمایا: دیکھ لو فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ یہاں سے آگے موسیٰؑ کا فرعون سے مکالمہ اور اس کی تفصیلات کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ ایک طرف فرعون جیسا ظالم و جابر دنیاوی جاہ وحشم اور طاقت وقوت سے لیس۔ دوسری طرف موسیٰؑ کی شان استغنا یہ ہے کہ بکریوں کے بالوں کا کمبل بنا کر اس کا لمبا کرتہ پہنا ہوا تھا، ہاتھ میں عصا تھا، پاؤں میں کچے چمڑے کی چپل تھی۔ کہاں وہ شان وشوکت کہ درودیوار سے بھی زروجواہر لٹک رہے ہیں، ایک عالی شان تخت پہ بادشاہ جلوہ افروز ہے، اس کے غلام تک سونے کی زنجیریں اور کڑے پہنے ہوئے اور شمشیر برہنہ لئے محافظ ایستادہ ہیں، دربار میں سونے اور چاندی کی کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔

کہاں اللہ کا نبیؑ اور رسولؑ ہے جن کے پاس دنیا نام کی کوئی شئے نہیں ہے۔ لباس شاندار ہے نہ جوتا عالی شان، نہ مال وزر ہے نہ افرادی قوت ہے۔ اور دعوت کیا دے رہے ہیں؟ فرماتے ہیں مجھے اس ہستی نے تیرے پاس بھیجا ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ پیدا کرنے والا ہے اور پالنے والا ہے۔ وہی سارے عالمین کا رب ہے جو سب کی ضرورتیں پوری کر رہا ہے۔

یاد رہے نبیؑ اور رسولؑ ذات باری سے براہ راست علم حاصل کرتے ہیں۔ اللہ کی ذات وصفات، اللہ کی پسند و ناپسند، کائنات میں زندگی بسر کرنے کے ضابطے، حلال وحرام جائز وناجائز یہ تمام علوم براہ راست اللہ کریم سے لیتے ہیں۔ انبیاءؑ کو اللہ کریم الف بے جیم سے پڑھانا شروع نہیں کرتے بلکہ من جانب علوم انؑ کے قلوب میں القاء کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کو علوم کا خزانہ بنا دیتے ہیں۔ تمام علوم ان کے قلوب

میں آجاتے ہیں۔ خواہ وحی کے ذریعے آئیں۔ القاء کے ذریعے یا الہام کے ذریعے۔

علمِ لدُّنی:

اسی طرح جو لوگ خلوص دل سے انبیاءؑ کے ساتھ ہوتے ہیں انؑ کا اتباع کرتے ہیں اور جن کے دل نبیؐ کے قلب اطہر کے سامنے آجاتے ہیں انؑ کو علومِ نبوت بارگاہِ نبوت سے اسی طرح عطا ہو جاتے ہیں۔ علوم نبوت قلب پر وجدان کو صورت اترتے ہیں اسے علم لدّنی کہتے ہیں۔ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کے طفیل بارگاہ نبوت کے علوم اللہ کریم اپنے پاس سے دے دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ انبیاءؑ کا علم وہبی ہوتا ہے جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ خادمانِ نبی کو علم لدنی اللہ کریم کی طرف سے ہی ملتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ نبیؐ کو علم براہ راست اللہ کریم سے عطا ہوتا ہے اور ولی کو اپنے نبیؐ کے اتباع میں نصیب ہوتا ہے۔

الہام:

الہام القائے ربانی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰى القصص:7 اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے موسیٰؑ کی والدہ سے بات کی۔ یہاں وحی سے مراد الہام ہے۔ القائے ربانی ہے۔ وحی شرعی صرف نبیؐ پر ہوتی ہے اور کوئی خاتون نبی نہیں ہوتی۔ موسیٰؑ کی والدہ بھی نبیہ نہیں تھیں۔ ان کے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوا کہ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ طٰہٰ:39 بیٹے کو تابوت میں ڈال کر دریا کی موجوں کے سپرد کر دو۔ ایک ماں اپنے نوزائیدہ بچے کو دریا کی موجوں کے سپرد بھلا کیسے کر سکتی ہے؟ لیکن القائے ربانی اس قدر مضبوط، اتنا قوی اور اتنا صحیح تھا کہ اُمِ موسیٰؑ اس پر صرف آمادہ ہی نہیں ہوئیں بلکہ عملاً صندوق میں ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا۔ عجیب بات ہے کہ جب یہ کام کر چکیں تو دل پریشان ہو گیا۔ آخر ماں تھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا القصص:10 جب وہ گھبرائیں، کمزور پڑیں تو ہم نے ان کے دل سے رابطہ کر کے مضبوط کر دیا۔ فرمایا، اگر ہم ان کے دل سے رابطہ نہ کرتے تو شاید وہ گھبرا کر بول پڑتیں لیکن ہم نے ان کے دل سے رابطہ استوار کر لیا۔ پھر موسیٰؑ کو فرعون نے صندوق سے نکالا اور شاہی ناز و نعم میں ان کی پرورش ہوئی۔ پھر آپؑ کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا تو وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ شعیبؑ کے ہاں پہنچے۔ انؑ کی بیٹی سے شادی ہوئی۔ اولاد ہوئی۔ واپس آرہے تھے کہ وادی طویٰ میں خطاب الٰہی سے سرفراز ہوئے۔ اعلان نبوت کا حکم ہوا اور حکم ہوا کہ فرعون کے پاس جاؤ۔ آپؑ نے اپنے بھائی

ہارونؑ کو ساتھ لے جانے کی درخواست کی کہ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا القصص :34 کہ وہ بات کو واضح کر کے کر سکتے ہیں۔ اللہ ایسے کریم ہیں کہ ہارونؑ کو بھی نبوت عطا فرمادی۔ اب موسیٰؑ کے سامنے پہنچ کر اسے اِلٰہ واحد کی طرف دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ایک بات یاد رکھ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ یہ یقینی بات ہے کہ میں اللہ پر جو کچھ کہوں گا وہ حق ہے۔ میں اس بات پر پکا ہوں کہ اللہ کی ذات کے بارے سوائے حق بات کے کچھ نہ کہوں۔ میں وہی بات کہوں گا جو میرے اللہ نے مجھے کہنے کا حکم دیا ہے۔

کسی عمل کو باعث ثواب بتانا صرف نبیؑ کا کام ہے:

یاد رکھیں دنیا میں صرف نبیؑ اور رسولؑ ہی وہ ہستی ہیں جو گناہ اور ثواب بتا سکتے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک بڑے سے بڑا عالم اور چھوٹے سے چھوٹا بندہ نبیؑ کی بات آگے پہنچا سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے کس کام کو باعث ثواب قرار دیا ہے کس کام کو گناہ قرار دیا ہے۔ کوئی شخص بھی اپنی طرف سے اسے مقرر نہیں کر سکتا۔ کہ اسے مکالمہ الٰہی حاصل نہیں۔ اللہ سے کلام کرنے کا شرف صرف نبیؑ اور رسولؑ کو ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی پسند و ناپسند سے صرف نبیؑ اور رسولؑ ہی کو آگاہ فرماتے ہیں اس لئے یہ کام صرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہی ہے۔

رسومات کو باعث ثواب قرار دینا بدعت ہے:

ہمارے لوگوں کا ایک عجیب مزاج ہے۔ ہم اپنی طرف سے ایک چیز ایجاد کر کے کہتے ہیں کہ اس کے کرنے میں کیا حرج ہے؟ آخر نیکی کا ہی تو کام ہے حالانکہ وہ کام خلاف سنت ہوتا ہے۔ ایک شخص نے اس کے لئے جواز پیش کیا کہ اگر کوئی رزق حلال کما کر کھاتا پیتا ہے اور اگر اس نے ایک کپ چائے کے بجائے زیادہ کپ پی لئے تو کیا حرج ہے۔ اسی طرح کسی نے اذان سے پہلے درود وسلام پڑھ لیا تو کیا حرج ہے؟ درود وسلام نیکی ہی تو ہے زائد کر لی تو کیا حرج ہے؟ میں نے بتایا کہ کھانے پینے میں صرف حلال اور پاکیزہ کی شرط ہے باقی قدغن نہیں ہے کہ ایک کپ پیئے یا زائد۔ ہر ایک اپنی بھوک کے مطابق غذا لے سکتا ہے لیکن عبادات معین ہیں۔ کوئی شخص کتنا ہی فارغ ہو وہ فجر کے دو فرض ہی پڑھے گا تو فجر ادا ہوگی زائد پڑھے گا تو ادا نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ احکام شرعی کی حدود متعین ہیں ان میں نہ کوئی اضافہ کر سکتا ہے اور نہ ان میں کمی کر سکتا

ہے۔ ہمارے ہاں اسی طرح کا اضافہ جنازہ پڑھنے کے بعد دعا کر کے کیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ دعا تو عبادت ہے حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے طریقۂ شرعی یہ سکھایا ہے کہ جنازہ پڑھ کر میّت کو جلدی اٹھایا جائے، دفن کر کے مٹی ڈال کر دعا کی جائے۔ اگر میّت موجود نہ ہو تو اس کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھا جائے اور اس صورت میں جنازہ پڑھنے کے بعد دعا بھی مانگی جائے۔ یعنی حضور ﷺ نے جنازے کے بعد تب دعا مانگی جب میّت سامنے موجود نہ تھی۔ جیسے غزوہ موتی میں کئی اکابر شہداء کا غائبانہ جنازہ پڑھا اور جیسے شاہ نجاشی فوت ہوئے تو حضور اکرم ﷺ نے ان کی بھی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد دعا فرمائی۔ اور کتنے ہی خوش نصیب صحابہؓ اور صحابیاتؓ تھے جو آپ ﷺ کے سامنے فوت ہوئے اور انہیں یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کا جنازہ حضور اکرم ﷺ نے پڑھایا۔ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر قبر تک گئے، دفن کیا، مٹی ڈالی اور پھر دعا کی۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ جنازہ پڑھ کر دعا کر لی تو خیر ہے دعا تو عبادت ہے۔ یاد رہے عبادت وہی درست ہے جو حضور اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق ہے ورنہ گناہ ہے۔ جو کام حضور اکرم ﷺ نے نہیں کیا اسے ثواب کہنا اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے۔

جو لوگ لاؤڈ سپیکر پر یا رسول اللہ پکارتے ہیں کیا انہیں یہ احساس ہے کہ وہ گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں؟ اللہ کا فرمان تو یہ ہے کہ بارگاہ رسالت میں بیٹھے کسی صحابیؓ کی آواز بلند ہو جائے تو ان کی ساری نیکیاں ضبط ہو جائیں گی تو پھر یہ بلند آہنگ سے یا رسول اللہ پکارتے ہیں۔ ان کے ساتھ کیا ہو گا؟ پھر یہ بھی عجیب انداز ہے ایسا کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ گویا اپنی دانست میں یہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے پڑھ رہے ہیں۔ کیا واقعی حضور اکرم ﷺ کے سامنے کوئی اس بلند آہنگ میں پڑھ سکتا ہے؟

درست عقیدہ یہ ہے:

درست عقیدہ یہ ہے کہ کائنات بھر کی ساری خبریں جب چاہیں، جیسا چاہیں اللہ کریم حضور اکرم ﷺ تک پہنچا سکتے ہیں۔ یہ اللہ کا کام ہے۔ اور یہ کہ حضور اکرم ﷺ کے علوم کائنات بھر میں سب سے زیادہ ہیں اور اللہ کے عطا کردہ ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی وسعت نگاہ ایسی ہے کہ جس طرف توجہ فرمائیں جو چیز اللہ دکھانا

چاہے دکھا دے۔ اللہ کی حضور علیہ پر عطا بے مثل و بے مثال ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہونا یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ اللہ کے بعد ساری عظمتیں محمد رسول اللہ علیہ کے لئے ہیں۔لیکن اللہ کے بعد۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی شراکت داری سے پاک ہے۔اس جیسا کوئی دوسرا نہیں۔نہ ذات میں نہ صفات میں۔

اور یہی تعلیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہے۔

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فرمایا میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے دلائل لے کر آیا ہوں۔میرے پاس اللہ کا کلام ہے۔اس کے احکام ہیں اور میں معجزات سے نوازا گیا ہوں۔اگر پھر بھی تم مسلمان نہیں ہونا چاہتے تو اس میں بھی جبر نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے زبردستی نہیں کی ہے لیکن جو ظلم تم نبیؑ پر کر تے رہے ہو ان پر مظالم ڈھا رہے ہو تو کم از کم بنی اسرائیل کو اجازت دے دو میں انہیں لے کر یہاں سے نکل جاتا ہوں فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿١٠٥﴾۔بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَأْتِ بِهَآ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فرعون کہنے لگا وہ بات تو بعد میں دیکھیں گے۔آپ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس دلائل، معجزات ہیں تو اگر آپ سچے ہیں تو وہ معجزات ہمیں بھی دکھائیں۔ فَأَلْقٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ آپؑ نے اپنی دوشاخہ لاٹھی زمین پر پھینک دی تو وہ بہت بڑا اژدھا بن گیا۔ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَإِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ اور آپؑ نے اپنا ہاتھ بغل میں دے کر نکالا تو وہ منور ہو گیا۔اس نے سارے ماحول کو روشن کر دیا۔

یہ سنت الٰہی ہے کہ جس زمانے اور جس عہد میں نبیؑ و رسولؑ مبعوث ہوتا ہے اسے وہ معجزات عطا کئے جاتے ہیں جو اس عہد کے کمال کو لاجواب کر دیتے ہیں۔اس عہد کے لوگوں کے پاس جو کمال ہوتا ہے اس سے زیادہ کمالات کے معجزات عطا کئے جاتے ہیں جیسا کہ فرعون کے زمانے میں جادو عروج پر تھا موسیٰؑ کو ایسے معجزات عطا کئے گئے کہ جادوگر ویسا نہیں کر سکتے تھے۔یا عیسیٰؑ جب مبعوث ہوئے تو طب اپنے عروج پر تھا۔ آپؑ کو اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھوں کو بینا کرنے،کوڑھیوں کو شفا بخشنے اور مردوں کو زندہ کرنے کے معجزات عطا کئے تھے۔ان آیات میں بھی موسیٰؑ کے ان معجزات کا ذکر ہوا ہے۔

سورۃ الاعراف رکوع 14 آیات 109 تا 126

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا یقیناً یہ بہت بڑا صاحب علم جادوگر ہے ﴿۱۰۹﴾

یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہاری زمین (ملک) سے نکال دے تو تمہارا مشورہ کیا ہے؟ ﴿۱۱۰﴾ انہوں نے کہا اس کو اور اس کے بھائی کو لوٹا دو اور شہروں میں ہرکارے روانہ کردو ﴿۱۱۱﴾ کہ وہ تمہارے پاس سب جاننے والے جادوگروں کو لا جمع کریں ﴿۱۱۲﴾ اور جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے (اور) کہنے لگے اگر ہم جیت گئے تو ہمیں صلہ (انعام) عطا کیا جائے گا؟ ﴿۱۱۳﴾ اس نے کہا ہاں اور بے شک تم مقرب لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے ﴿۱۱۴﴾ تو انہوں نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام)! یا تم ڈال دو اور یا ہم ڈالیں؟ ﴿۱۱۵﴾ انہوں (موسیٰ) نے فرمایا تم ہی ڈال دو چنانچہ جب انہوں نے (چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (نظر بندی کردی) اور انہیں ہیبت زدہ کر دیا (ڈرا دیا) اور بہت بڑا جادو دکھایا ﴿۱۱۶﴾ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) پر وحی کی کہ اپنا عصا ڈال دیجئے پس جبھی وہ (اژدھا بن کر) ان کے بنائے ہوئے (سانپوں) کو نگلنے لگا ﴿۱۱۷﴾ پس حق ظاہر ہو گیا اور ان کا بنایا سب جاتا رہا ﴿۱۱۸﴾ پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہو کر لوٹ گئے ﴿۱۱۹﴾ اور جادوگر سجدے میں گر گئے ﴿۱۲۰﴾ (اور) کہنے لگے ہم پروردگار عالم (اللہ) پر ایمان لائے ﴿۱۲۱﴾ جو موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کا پروردگار ہے ﴿۱۲۲﴾ فرعون کہنے لگا کیا تم میرے اجازت دینے سے پہلے اس بات پر ایمان لے آئے ہو بے شک یہ ایک فریب ہے جو تم سب نے شہر میں کیا ہے تاکہ اہل شہر کو شہر سے نکال دو۔ سو جلد تمہیں (اس کا) پتہ چل جائے گا ﴿۱۲۳﴾ میں ضرور تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف طرف سے کاٹوں گا پھر تم سب کو ضرور سولی پر لٹکا دوں گا ﴿۱۲۴﴾ وہ بولے یقیناً ہم لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس ہی جانے والے ہیں ﴿۱۲۵﴾ اور تو نے ہم میں کیا عیب دیکھا سوائے اس کے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر جب وہ ہم تک پہنچیں ایمان لے آئے اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کے دہانے کھول دیجئے اور ہمیں اسلام پر موت عطا فرمائیے ﴿۱۲۶﴾

تفسیر و معارف

اللہ کریم اپنے پیغمبروں کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے انہیں معجزات سے نوازتے رہے تا کہ لوگ راہ ہدایت کو پالیں۔ وہ زمانہ چونکہ جادوگروں کا تھا تو اللہ کریم نے اپنے پیغمبرؑ کو ایسا با کمال معجزہ دیا جو ان کے جادو پر غالب آ گیا۔ فرعون نے جب وہ اژدھا دیکھا اور موسیٰؑ کے ہاتھ کو چمکتا ہوا دیکھا تو اس نے اہل دربار سرداروں کی طرف دیکھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے! قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٩﴾ فرعون کے دربار میں موجود سرداروں نے کہا یہ تو جادوگروں میں بھی بہت عالم و فاضل جادوگر ہے۔ ایسا جادو تو ہم نے اس سے پہلے نہیں دیکھا۔

معجزہ اور کرامت کا فرق:

معجزہ محیر العقول، انسانی حواس کے دسترس سے باہر وہ فعل ہے جو حقیقتاً فعل باری تعالیٰ ہے لیکن نبیؑ سے صادر ہوتا ہے۔ کرامت کا ظہور اولیاء اللہ سے ہوتا ہے جو اپنے نبیؑ کے حقیقی متبعین ہوتے ہیں۔ باتباع نبیؑ ان سے جو کرامت ظاہر ہوتی ہے جو درحقیقت نبیؑ کا معجزہ ہوتا ہے لیکن ولی کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہوتا ہے۔

معجزہ اور جادو میں فرق:

نبیؑ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہوتے ہیں۔ ان کے معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں لہٰذا نبیؑ پاک باز، پاک طینت، نفیس اور بہترین انسان ہوتے ہیں۔ جادوگر کا تعلق شیطان کے ساتھ ہوتا ہے۔ جادوگر غلیظ، جھوٹا، ناپاک رہنے والا حرام کھانے والا اور فریبی ہوتا ہے۔ پہلا فرق شخصیات میں ہے جو دن رات کی طرح ایک دوسرے سے متضاد ہوتے ہیں۔ دوسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ معجزہ اور کرامت عظمت الٰہی منوانے کے لئے ہوتا ہے۔ کسی کے ذاتی فائدے کے لئے نہیں۔ نبیؑ ذاتی شہرت کے لئے معجزہ نہیں دکھاتے اور ان کے متبعین اولیاء اللہ کسی دنیاوی منفعت کے لئے کچھ نہیں کرتے۔ ان کے ہاتھ سے کرامت کا ظہور اتباع نبیؑ کے طفیل ہی ہوتا ہے اور عظمت الٰہیہ منوانے کے لئے ہوتا ہے۔ جادو اور شعبدہ لوگوں پر اپنا رعب قائم کرنے کے لئے۔ اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کے لئے اور لوگوں سے مالی اور دیگر مادی فوائد حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے اور تیسرا فرق یہ ہے کہ معجزہ کسی چیز کی حقیقت بدل دیتا ہے جبکہ جادو میں نگاہوں کو صرف ایسا دکھائی دیتا ہے۔ فرعون کے درباری چونکہ خود دنیوی مفادات کے اسیر تھے انہوں نے موسیٰؑ کے معجزے کو بھی جادو کی اعلیٰ

قسم ہی سمجھا اور کہنے لگے یُّرِیۡدُ اَنۡ یُّخۡرِجَکُمۡ مِّنۡ اَرۡضِکُمۡ ۚ اس نے جو کچھ دکھایا ہے اس سے تو یوں لگتا ہے کہ یہ اپنے جادو کے زور سے تم سے حکومت چھیننا چاہتا ہے یہ تو چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے پیچھے لگ جائیں اور یہ بادشاہت لے لیں اور تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں۔

موسیٰ ؑ نے تو بہت سادہ سی بات ارشاد فرمائی تھی کہ تم اسلام قبول کرلو، انصاف کرو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلو، تم اپنی حکومت جاری رکھو لیکن اللہ کی بات مان کر حکومت کرو۔ اور اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے ہو تو بنی اسرائیل پر ظلم بند کردو، انہیں کچھ نہ کہو صرف یہ اجازت دے دو کہ یہ میرے ساتھ ملک سے نکل جائیں، اللہ انہیں کہیں اور جگہ دے دے گا، انہیں روزی دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، انہیں جانے دو تاکہ انہیں تمہارے ظلم سے نجات مل جائے۔ لیکن فرعون اور اس کے سرداروں کی سمجھ ہی الٹی تھی انہیں الٹی بات ہی سمجھ آئی کہ یہ تو ہم سے ہمارا ملک چھیننا چاہتے ہیں حالانکہ موسیٰ ؑ نے تو یہ بات نہیں کہی تھی کہ تم حکومت میرے حوالے کردو۔ انہوں نے تو فرمایا تھا کہ تم اسلام قبول کرلو۔ اپنی حکومت کرتے رہو لیکن مان لو کہ حکومت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے لہٰذا اس کے حکم کے مطابق ہی حکومت کرنا ہوگی۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو بنی اسرائیل پر ظلم وزیادتی چھوڑ دو اور انہیں میرے ساتھ جانے دو۔ ہم تمہاری سلطنت کی حدود سے باہر نکل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کا کوئی انتظام فرمادے گا۔ لیکن انہوں نے نہ ماننے کا بہانہ تراشا تھا تو انہوں نے موسیٰ ؑ کے ذمے یہ الزام لگایا کہ یہ تو تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں۔ فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ کیا مشورہ ہے؟ یعنی طے پایا کہ سب ایوان مل کر رائے دیں کہ کیا، کیا جائے؟ قَالُوۡۤا اَرۡجِهۡ وَاَخَاهُ سرداروں نے فرعون کو یہ مشورہ دیا کہ اس کو اور اس کے بھائی کے معاملے کو رہنے دیں البتہ ان سے وقت مقرر کرلیں اس اثناء میں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے وَاَرۡسِلۡ فِی الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِیۡنَ ﴿۱۱۱﴾ قاصد روانہ کریں یَاۡتُوۡكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیۡمٍ ﴿۱۱۲﴾ تاکہ تمام علاقوں سے بڑے بڑے جادوگر جو جادوگروں کے بھی بڑے استاد ہوں ان سب کو بلا لائیں۔ مقابلہ ہو اور سرمیدان فیصلہ ہوجائے۔ چنانچہ مختلف شہروں میں سرکاری قاصد دوڑائے گئے اور ملک میں جتنے بھی بڑے بڑے جادوگر تھے ان سب کو بلا کر جمع کرلیا گیا۔ جب میدان سجا تو جادوگروں نے فرعون سے درخواست کی اگر ہم غالب آگئے تو ہمیں انعام سے نوازا جائے گا؟ تو فرعون نے کہا، بے شک نہ صرف تمہیں انعام دیا جائے گا بلکہ اِنَّكُمۡ لَمِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾ میں تمہیں اپنے مقربین میں داخل کرلوں گا۔ دربار میں تمہاری کرسیاں ہوں گی تم میرے قریبی دوستوں میں شامل ہوجاؤ گے۔ پھر جب فرعون سے معاملہ طے پا گیا تو موسیٰ ؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ اپنا عصا ڈالیں گے یا ہم اپنی رسیاں پھینکیں گے۔

بحوالہ تفسیر ابن کثیر:

صاحب تفسیر ابن کثیر نے یہاں ایک خوبصورت نکتہ اٹھایا ہے۔فرماتے ہیں کہ جادوگروں نے موسیٰؑ کو نبی نہیں مانا لیکن ان کا ادب کیا، ان کی عزت کی کہ جو کوئی بھی ہستی ہے، صاحب کمال ہے لہٰذا عزت و احترام کا مستحق ہے ورنہ تو وہ للکارتے کہ میدان میں آؤ۔ جو کچھ تم سے ہوتا ہے کرلو لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ نہایت ادب و احترام سے گزارش کی کہ آپ اپنا عصا پہلے پھینکنا پسند فرمائیں گے یا ہمیں اجازت ہے کہ ہم اپنا کمال دکھائیں تو صاحب تفسیر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس ادب کرنے کے باعث انہیں ایمان نصب ہوگیا۔

نبیؑ کا ادب حصول ایمان کا سبب ہے اور ایمان والوں کے لئے حفاظتِ ایمان کا ذریعہ ہے:

جادوگروں نے چونکہ موسیٰؑ کا ادب کیا تو اس ادب کی وجہ سے اللہ نے انہیں توفیق ایمان عطا کردی اور فرعون نے موسیٰؑ کی بارگاہ میں گستاخی کی تو محروم ایمان رہا۔حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ بہت سے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق ایمان عطا فرمادی۔جنہوں نے بدر و احد میں آپ ﷺ کے مقابل جنگیں لڑیں۔حضرت خالد بنؓ ولید جب تک ایمان نہیں لائے تھے حضور اکرم ﷺ کے خلاف لڑنے والوں میں پیش پیش تھے لیکن انہوں نے کبھی بھی حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی نہیں کی تھی۔انہیں توبہ نصیب ہوئی اور شرف صحابیت سے نوازے گئے تو انہیں آپ ﷺ نے سیف اللہ یعنی اللہ کی تلوار کا لقب عطا فرمایا۔یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے جب تک آپ ﷺ کو نبی نہیں مانا تب بھی آپ ﷺ کا احترام کرتے تھے کہ یہ باکمال انسان ہیں اور بعض ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اگرچہ جنگوں میں حصہ تو نہ لیا لیکن حضور اکرم ﷺ کے بارے میں گستاخی روا رکھی۔تاریخ شاہد ہے کہ کسی گستاخ کو توبہ نصیب نہ ہوئی۔

یہی حال اہل اللہ کے ساتھ ہے۔ باادب بامراد، بے ادب مراد۔اہل اللہ برکات نبوی کے امین ہو کر اس ادب کے مستحق ٹھہرتے ہیں لہٰذا جو لوگ ادب و احترام کرتے ہیں مستفید ہو کر اللہ اور اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت پاتے ہیں۔ جو لوگ بے ادبی کرتے ہیں۔ گستاخی کرتے ہیں اور محض اعتراض برائے اعتراض کرتے رہتے ہیں انہیں ساری عمر کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت موسیٰؑ نے جادوگروں کی درخواست سن کر فرمایا تم لوگ اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پہلے ڈال دو تو انہوں نے ڈال دیں۔جب انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیں میدان میں ڈال دیں تو پورا میدان سانپوں اور اژدھوں سے بھرا دکھائی دینے لگا۔ سَحَرُوٓا اَعۡيُنَ النَّاسِ وَاسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ انہوں نے لوگوں کی

آنکھوں پر جادو کر دیا کہ انہیں وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپ دکھائی دینے لگیں اور لوگوں کو خوف زدہ کر دیا وَجَآءُوۡ بِسِحۡرٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۱۶﴾ اور جادوگروں نے یہ بہت بڑا جادو دکھا دیا۔

جادو کی حقیقت اور اس سے بچاؤ:

جادو کی حقیقت تو قرآن حکیم نے اس آیہ کریمہ میں بتا دی ہے کہ ان کی آنکھوں پر ایسا اثر کر دیا کہ انہیں رسیوں کے سانپ دکھائی دینے لگے۔ صاحب تفسیر کبیر نے یہاں بڑا خوبصورت نکتہ بیان فرمایا ہے کہ جادو سے چیز کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی صرف نظر کا دھوکہ ہوتا ہے۔ جادوگر اس کے لئے دو کام کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کی قوت متخیلہ کو کمزور کرتے ہیں اور دوسرا لوگوں کو خوف زدہ کرتے ہیں۔ جو لوگ نہیں ڈرتے ان کی قوت متخیلہ کو یہ متاثر نہیں کر سکتے۔ جادو کے اثر سے چیزیں بدل سکتیں، اگر وہ واقعی لکڑیوں اور رسّوں کے سانپ بنا سکتے تو یہ مٹی کا سونا بھی بنا سکتے تھے۔ پھر انہیں فرعون سے انعام لینے کی کیا ضرورت تھی۔ واقعہ تو یہ ہے کہ یہ فرعون سے انعام کا مطالبہ کر رہے ہیں جو خود موسیٰ ؑ سے ڈرا بیٹھا ہے اور اپنی اس کمزوری کا مداوا جادوگروں کے جادو میں تلاش کر رہا ہے کہ آؤ میری مدد کرو۔ موسیٰ ؑ کا مقابلہ کرو۔ وہ جادوگروں سے مدد کا طالب ہے اور جادوگر اپنے دنیاوی مفادات کے لئے اس سے امیدیں وابستہ کئے بیٹھے ہیں تو صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں کہ اگر جادو کے زور سے چیزوں کی ماہیت بدل جاتی تو یہ جادو سے مٹی یا پتھر کو سونا بنا لیتے، قوت واقتدار حاصل کر لیتے انہیں فرعون کی منت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے جو اپنی امیدیں وابستہ کر لیتا ہے وہ ایسا اندھا انسان ہوتا ہے جسے غیر اللہ کی اپنی احتیاج نظر نہیں آتی۔ اسے یہ سمجھ نہیں آتا کہ غیر اللہ تو خود اللہ کا محتاج ہے۔

جادو سے بچاؤ کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان جادو سے نہ ڈرے۔ جادو کی حقیقت کو جان لے کہ اس سے کسی کا کچھ نہیں بگڑتا، شرط یہ ہے کہ انسان کے اپنے اندر کمزوری نہ ہو، وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو، اللہ کریم کے سوا کسی سے نہ ڈرے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ جو لوگ جادوگروں سے اور جادو سے ڈرتے ہیں ان کے عقیدے میں کمزوری ہے، اللہ تعالیٰ پر اعتماد میں کمی ہے، اللہ تعالیٰ کو مانتے تو ہیں لیکن ایسا نہیں جیسا ماننا چاہیے۔ خانہ پوری کی حد تک مانتے ہیں لیکن درحقیقت جادوگروں کے جادو کو ہی مانتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کاروبار ٹھپ ہو گیا، یا دیگر مسائل آ گئے۔

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جادوگروں کے مقابلے کے بارے کئی دن مناوی کرائی گئی کہ ان کے جادو کے زور سے بہت سے اژدھے میدان میں آجائیں گے جنہیں ہم نہ سنبھال پائیں گے لہٰذا ہر شخص اپنے آپ کو بچانے کا خود ذمہ دار ہوگا۔ اس طرح لوگوں کو خوفزدہ کیا گیا۔ اسے قرآن حکیم نے جادوگروں کی ایک ایک تکنیک اور طریقہ کار کے طور پر بیان کیا ہے وَاسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ فرمایا، اور انہوں نے لوگوں کو ہیبت زدہ کر دیا۔ جادوگروں نے یہ تکنیک استعمال کی کہ پہلے لوگوں کو خوف زدہ کیا سَحَرُوۡۤا اَعۡيُنَ النَّاسِ لوگوں کی نگاہوں پر جادو کر دیا کہ لکڑیاں تو لکڑیاں ہی رہیں لیکن لوگوں کو اژدھا نظر آتے رہے۔ اور انہیں ڈرادیا جس سے ان کی قوت متخیلہ کمزور ہوگئی۔ پریشانی اور گھبراہٹ غالب آگئی کہ یہ اژدھے ہمیں کھا نہ جائیں۔

جادو سے بچاؤ کا واحد طریقہ اللہ تعالیٰ کی عظمت پر یقین کرنا ہے۔ اللہ کریم قادر مطلق ہے۔ اس کا اپنا نظام ہے کسی جادوگر کی ہمت نہیں کہ اس کے نظام میں مداخلت کر سکے۔ زندگی اور موت اس کے اختیار میں ہے، صحت اور بیماری وہ خود دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو کارساز، پروردگار اور مالک الملک مان لیتا ہے وہ اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے، اللہ پر بھروسہ کر لینے سے ہر خوف سے آزاد ہو جاتا ہے، صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس کی نافرمانی کرنے سے ڈرتا ہے۔

فرمایا وَجَآءُوۡ بِسِحۡرٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۱۶﴾ انہوں نے بہت بڑا جادو کیا۔ میدان میں گرداگرد مخلوق تھی۔ ایک طرف فرعون کا تخت لگا ہوا تھا درمیان میں کھلا میدان تھا جسے جادوگر لوگوں کی آنکھوں پر نظر بندی کر کے اژدھوں سے بھرا ہوا دکھا رہے تھے۔ جب ان کا جادو شباب پر تھا تو فرمایا، وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰٓى ہم نے موسیٰ پر وحی نازل فرمائی کہ ان کا جادو شباب پر ہے، میدان اژدھوں سے بھرا دکھائی دے رہا ہے جو پھنکارتے پھر رہے ہیں اور لوگ خوف سے لرز رہے ہیں تو اب آپ اپنی لاٹھی میدان میں ڈال دیں۔ موسیٰ نے لاٹھی ڈال دی۔ وہ اتنا بڑا اژدھا بنا کہ پورا میدان جو اژدھوں اور سانپوں سے بھرا ہوا تھا اس نے ان سب کو نگل لیا۔ فَاِذَا هِىَ تَلۡقَفُ مَا يَاۡفِكُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾ سانپوں کی یہ عادت ہے کہ بڑا سانپ چھوٹے سانپ کھا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ کا عصا اتنا بڑا اژدھا بنا کہ سب کو کھا کر میدان صاف کر دیا اور سر اٹھائے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اب کسے کھائے۔ اس کی پھنکار سے لوگ خوفزدہ ہو کر بھاگ اٹھے۔ فَوَقَعَ الۡحَـقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ حق سامنے آگیا اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ ضائع ہوگیا۔ اس کی کوئی حیثیت نہ رہی۔ فَغُلِبُوۡا هُنَالِكَ وَانۡقَلَبُوۡا صٰغِرِيۡنَ ﴿۱۱۹﴾ وہ ہار گئے۔ وہ جو مخلوق جمع کر رکھی تھی اس کے سامنے ذلیل و رسوا ہو گئے۔ موسیٰ نے اس اژدھے پر ہاتھ رکھا تو وہی پانچ فٹ کی لاٹھی تھی۔ اتنے شہتیر، لکڑیاں اور رسے نگلنے کے بعد بھی

اس کے حجم میں کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ اس لئے کہ یہ معجزہ تھا جو حق تھا اور وہ جادو تھا جو باطل تھا۔ حق ظاہر ہوا اور باطل کو نابود کر دیا۔

استاذ انا المکرم کا فرمودہ:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ جادوگروں نے یہ جان لیا تھا کہ اگر یہ جادو ہوتا تو بڑا جادوگر چھوٹے جادوگروں کے جادو کو باطل کر دیتا اور ہم نے لوگوں کی نظر بندی کر کے رسیوں اور لکڑیوں کو سانپ کر دیا تھا۔ اگر یہ جادوگر ہوتے تو ہمارا جادو ختم کر دیتے اور لوگوں کو ہماری رسیاں اور لاٹھیاں نظر آ جاتیں لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ ایک پانچ فٹ کی لاٹھی نے اژدھا بن کر ساری لاٹھیاں نگل لیں اور موسیٰؑ نے جب اژدھا پکڑا تو وہ واپس اتنی ہی حجم کی لاٹھی بن گئی اور ہماری رسیاں وغیرہ ختم ہو گئیں۔ تو یہ کوئی جادوگر نہیں کر سکتا۔ ایسا کام جادو سے نہیں ہو سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں۔ یوں یہ معجزہ دیکھ کر وہ موسیٰؑ کی نبوت پر ایمان لے آئے کہ یہ شخص اللہ کا نبیؑ ہے جادوگر نہیں اور یہ معجزہ ہے جادو نہیں۔ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اور جادوگر سجدے میں گر گئے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ موسیٰؑ نے جو کمال دکھایا وہ فرعون اور اس کے درباری بھی دیکھ رہے تھے عوام بھی دیکھ رہے تھے اور جادوگر بھی۔ معجزہ تو سب نے دیکھا لیکن جادوگروں کو ایمان نصیب ہو گیا اور فرعون کی اکڑ میں اضافہ ہو گیا۔ مفسرین اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جادوگروں نے موسیٰؑ کا چونکہ ادب کیا تھا انہیں باکمال شخص سمجھ کر ان سے احترام سے بات کی تھی تو اس ادب کا ثمرہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ عطا کیا کہ توفیق ایمان عطا کر دی۔ سارے جادوگر سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ ہم اس پروردگار پر ایمان لے آئے جو سب جہانوں کا پالنہار ہے۔ وہی حق ہے باقی سب باطل ہے۔ ہم غلطی پر تھے۔ یہ اللہ کے نبیؑ ہیں، سچے اور حق پر ہیں۔ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ انہوں نے رسالت کی تصدیق کی کہ وہ اس اللہ پر ایمان لائے ہیں جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے۔ ہم رب کو ویسا مانتے ہیں جیسا موسیٰؑ اور ہارونؑ منواتے ہیں یعنی موسیٰؑ کی نبوت پر ایمان لے آئے۔

حق یہی ہے کہ نبیؑ کی رسالت پر ایمان لانے سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی توفیق ملتی ہے۔ آج بھی ایمان کی یہی شرط ہے۔ علمائے حق لکھتے ہیں کہ جب بچے کو اللہ تعالیٰ کا تصور دیا جائے تو بچے سے کہلوایا جائے کہ ''میں اس اللہ کو مانتا ہوں جسے حضرت محمد ﷺ حضرت عبداللہ کے بیٹے، جو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، وہ محمد رسول اللہ ﷺ جس اللہ کو منواتے ہیں اور جیسا منواتے ہیں میں ویسا مانتا

ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی رائے سے ماننا بھی ماننا نہیں ہے۔ اللہ کریم کی ذات وصفات کو ویسا ماننا ایمان ہے جیسا حضور علیہ منواتے ہیں۔

فرعون کی کج بحثی :

جب جادوگر موسیٰ کی نبوت پر ایمان لے آئے تو فرعون کی تو بہت سبکی ہوئی۔ لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے اس نے کوئی بات تو گھڑنا تھی تو کہنے لگا قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ تم نے مجھے بتائے بغیر ہی اعلان کر دیا کہ تم ایمان لے آئے ہو۔ میں نے تمہیں بلایا تھا تو تمہیں میرے ساتھ بات کرنی چاہیے تھی اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ بات یہ ہے کہ تم نے تو یہ مکر کیا ہے۔ اندرون خانہ تم موسیٰ سے ملے ہوئے تھے۔ وہ تمہارا بڑا جادوگر اور استاد ہے۔ تم نے مقابلے کا ڈھونگ رچایا۔ تم تو دراصل یہ چاہتے ہو کہ میرے ملک پر قبضہ کرلو اور میری قوم کو شہروں سے نکال دو۔ موسیٰ کی مفلس قوم کو ان شہروں میں آباد کر دو اور مجھ سے حکومت لے لو۔ دراصل یہ تمہاری سازش ہے اور تم عوام کو گمراہ کرنا چاہتے ہو۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ہر عہد کے فرعون نے اس فرعون کے الفاظ فراموش نہیں کئے۔ آج کا سیاستدان بھی جب اپنے مفادات کے لئے جھوٹ بولنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ ہم عوام کی خاطر ہی یہ کہہ رہے ہیں۔ اور جب انہیں باخبر کیا جائے کہ دنیا و آخرت کی نجات صرف اسلام میں ہے تو کہتے ہیں تم عوام کو گمراہ کرنا چاہتے ہو؟

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ میں تمہارا کیا حشر کرتا ہوں۔ پھر اس نے ان کے لئے بڑی سخت سزائیں تجویز کیں۔ کہنے لگا لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ میں تمہارے ایک طرف کے پاؤں اور دوسری طرف کے ہاتھ کٹوا دوں گا اور پھر تمہیں سولی پر لٹکوا دوں گا تاکہ تم سب کو پتہ چل جائے کہ اس کی سزا کیا ہے قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وہ کہنے لگے تو سولی پر چڑھا دے گا تو کیا ہوا؟ ہم شہید ہو کر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پہنچ جائیں گے۔

نومسلموں کی جاں سپاری:

حیرانی کی بات یہ ہے کہ جادوگر تھے۔ انہیں پہلے سے دین کی کوئی خبر نہیں تھی۔ انہوں نے موسیٰ کو بڑا ماہر جادوگر سمجھ کر عزت کی۔ وہ آپ کو نبی نہیں مانتے تھے۔ اگر نبی مانتے تو پھر مقابلے میں نہ آتے۔ ان کے

اس ادب نے انہیں حق تک رسائی دے دی اور وہ موسیٰؑ پر ایمان لے آئے۔ لیکن جب وہ ایمان لائے تو کسی نے انہیں کلمہ نہیں سکھایا نہ آخرت کا تصور دیا، نہ انہوں نے موسیٰؑ کا کوئی وعظ سنا نہ کوئی الہامی کتاب پڑھی تو عذاب وثواب، حیات بعد الموت، آخرت کی باتیں کس نے بتادیں؟ انہیں سب سے زیادہ مضبوط ذریعۂ علم حاصل ہوگیا۔ اور سب سے مضبوط ذریعۂ علم وہ ہے کہ جب دل نبیؑ کے قلب مبارک سے جڑ جائے۔ اور جادوگروں نے جو کچھ آخرت کے بارے جان لیا وہ موسیٰؑ کے قلب سے انہیں ملا۔ یہ موسیٰؑ کی صحبت کا کمال تھا

سب سے مضبوط ذریعۂ علم:

حصول علم کے مختلف ذرائع ہیں۔ ایک ہے صوتی ذریعہ یعنی سن کر معلومات حاصل کرنا۔ دوسرا ہے بصری یعنی نقشے وغیرہ دکھا کر بات سمجھائی جائے کہ یہاں پل ہے، یہاں جنگل، یہاں دریا اور یہاں پہاڑ ہیں۔ ایک اور ذریعہ تحریری ہے کہ کتابیں پڑھ کر علم حاصل کیا جائے۔ یہ سب ذرائع درست ہیں لیکن سب سے مضبوط ذریعۂ علم وہ ہے کہ جب کسی کا دل نبیؑ کے قلبِ اطہر سے جڑ جائے اور مکمل طور پر اس طرف متوجہ ہو جائے تو اس سے جو انوارات آتے ہیں ان میں علم بھی آتا ہے۔ تمام انبیاءؑ مخلوق میں عالی مرتبہ ہوتے ہیں اور نبی کریم ﷺ ایسی ہستی ہیں کہ آپ کا وجود عالی بھی کائنات میں بے مثل و بے مثال ہے۔ آپ ﷺ کا ذہن عالی بھی عالی مرتبہ ہے اس کے باوجود وحی الٰہی حضور ﷺ کے ذہن عالی پہ نہیں قلب اطہر مبارک پر نازل ہوا۔

قلب نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام علوم الٰہیہ کا مخزن ہوتا ہے جس کے دل میں خلوص ہو، جسے پورے یقین کے ساتھ ایمان نصیب ہو اس کے قلب کا رخ قلب اطہر رسول اللہ ﷺ کی طرف ہو جاتا ہے اور قلب اطہر سے علوم مترشح ہو کر اس کے دل میں آجاتے ہیں۔ یہ ذریعہ سب سے زیادہ مضبوط ہے۔

جادوگروں نے آخرت کے بارے جو علوم حاصل کئے اور جو جذبہ تسلیم و رضا پایا یہ قلب موسویؑ سے ان کے دلوں پر آیا۔ اسی لئے انہیں کسی نے بصری یا تحریری ذریعہ سے تعلیم نہیں دی۔ یہ صحبت نبیؑ کا کمال تھا کہ جب ان کے دل خلوص سے موسیٰؑ کی طرف متوجہ ہو گئے تو آن واحد میں برزخ، آخرت، عذاب وثواب، بخشش و گرفت، نیکی و بدی، رضائے باری تعالیٰ کا حصول یہ سب کچھ انہیں نصیب ہو گیا اور یہ جذبہ بھی عطا ہو گیا کہ وہ کہنے لگے کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہماری جانیں لے کر تم کامیاب ہو جاؤ گے تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ کامیاب تو ہم ہی ہوں گے۔ شہید ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے۔ ہمیں وصول حق نصیب ہو جائے گا۔ ادب واحترام نبوت کا یہ انعام تھا کہ صبح کے سورج نے جن لوگوں کو فرعون کا جادوگر دیکھا تھا اسی دن کے ڈھلتے

سورج نے انہیں شہید اسلام کے روپ میں دیکھا۔ احترام نبوت نے انہیں کن پستیوں سے اٹھایا اور کن پابندیوں پہ پہنچا دیا کہ وہ شرف صحابیت سے اور پھر شرف شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ اسی شرف صحبت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ڈٹ کر حق بیان کیا۔ کہنے لگے، وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ تو یہ بات سن لے، تو ہمیں عوام کی خاطر نہیں مار رہا تو اپنے اقتدار کے لالچ میں ہماری جان کے درپے ہے۔ ہمارا جرم کیا ہے؟ یہی کہ اللہ کی دلیل ہمارے سامنے آگئی۔ اللہ کے نبیؑ کا معجزہ ہمارے سامنے آیا ہم نے اس دلیل کو قبول کر لیا۔ ہم ایمان لے آئے۔ اس بات کا بدلہ لینے کے لئے تو ہمیں شہید کرنا چاہتا ہے۔ تو ہمیں اذیت ناک موت دے کر دراصل پبلک کو ڈرانا چاہتا ہے۔ لیکن ڈرنے کی تو کوئی بات نہیں موت نے بالآخر آنا ہی ہے۔ آج آئے یا کل، لیکن ہمیں خوشی یہ ہے کہ ہماری موت کامیابی کا سبب ہو گی۔ ہم سرخرو ہو کر، شہید ہو کر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پہنچیں گے۔

صحبت موسویؑ نے آن واحد میں انہیں کس قرب الٰہی سے ہمکنار کر دیا کہ بارگاہ الٰہی میں یوں گویا ہوئے رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا اے ہمارے رب، ہمارے پروردگار ہم پر صبر انڈیل دے۔ ہمیں اتنا صبر دے کہ خوشی خوشی تیری راہ میں جان نثار کر سکیں۔ ہمیں وہ قوت برداشت عطا فرما کہ فرعون کی طرف سے آنے والی تکلیف پر ہمارے منہ سے آہ نہ نکلے، فرعون کو خوشی نصیب نہ ہو۔

دنیا میں لوگ تو زندگیاں طلب کرتے کرتے مر جاتے ہیں یہ کیسے لوگ تھے جو موت کے طلب گار تھے۔ اللہ سے دعا ہی مانگ رہے تھے تو اللہ سے یہ دعا بھی کر سکتے تھے کہ ہمیں فرعون کے چنگل سے آزاد کروا دے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل؟ لیکن انہیں وہ تصویر نظر آ گئی تھی کہ شہید کو شہادت کے بعد کیا ملتا ہے؟ اکثر علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر برزخ منکشف فرما دی تھی۔ وہ فرعون سے کہتے تھے کہ تو نے جو کرنا ہے کر لے ہمیں تو وہاں پہنچنا ہے۔ بارگاہ الٰہی کے لطف و کرم میں جانا ہے۔

اور انہوں نے درخواست کی وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ یا اللہ! اب ہماری جان اسلام پر ہی قبض ہو۔ مرتے دم ہم سے کوئی غلطی نہ ہو جائے کوئی ایسا غلط کلمہ نہ نکل جائے اور وہ بات جس کے لئے ہم جان دے رہے ہیں وہ ہاتھ سے نہ چلی جائے۔ اے اللہ مہربانی فرما ہمیں اسلام پر موت دے۔

سبحان اللہ! اللہ کے نبیؑ سے قلبی تعلق ہو جائے تو آن واحد میں بندہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے، اس میں کتنی خود اعتمادی آ جاتی ہے، وہ حق بات پر کس طرح ڈٹ جاتا ہے اور اللہ سے کیسا تعلق نصیب ہو جاتا ہے کہ اس کی بارگاہ میں حاضری کا طالب بن جاتا ہے۔

سورۃ الاعراف رکوع 15 آیات 127 تا 129

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

اور فرعون کی قوم کے سردار کہنے لگے کہ کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دیں گے تا کہ وہ ملک میں خرابی کریں اور آپ اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں اس (فرعون) نے کہا ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھیں گے اور بے شک ہم ان پر غلبہ رکھتے ہیں ﴿۱۲۷﴾ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو بے شک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں اور آخرت پرہیزگاروں کے لئے ہے ﴿۱۲۸﴾ کہنے لگے ہم تو آپ کے آنے سے پہلے بھی مصیبت ہی میں تھے اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ انہوں نے فرمایا قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تم کو زمین کا مالک بنا دے پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ﴿۱۲۹﴾

تفسیر ومعارف

ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کسی نے دین کی بات کی دنیا داروں نے کہا یہ فساد کر رہا ہے حالانکہ کفر وشرک کرنے والے کا ہر عمل مخلوق کے لئے فساد کا سبب ہوتا ہے لیکن فسادی ہمیشہ اُسے الزام دیتا ہے جوحق کی بات کہتا ہے۔

فرعون کے اہل دربار نے بھی یہی کہا وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ کہ بادشاہ! آپ نے جادوگروں کوتو سزا سنادی لیکن موسیٰؑ اور ان کی قوم کو چھوڑ دیا جو فساد کی اصل جڑ ہیں۔ جادوگروں کو مارنے سے کیا ہوگا، کیا موسیٰؑ کی دعوت ختم ہوجائے گی، انؑ کا دعویٰ نبوت ختم ہوجائے گا؟ وہ تو اپنی جگہ قائم ہیں اور آپ اُنؑ کو اور اُنؑ کی قوم کو چھوڑ رہے ہیں کہ زمین میں فساد کرتے رہیں۔ یہ تو آپ کو بھی چھوڑ دیں گے اور آپ کے معبودوں کو بھی نہیں مانیں گے۔ فرعون اور اہل فرعون نے مذہب کے نام پر ایک عجیب گورکھ دھندا بنا رکھا تھا۔ فرعون خود کو معبود کہلواتا اور سجدے کرواتا تھا اور خود اپنے محل میں جو بت رکھے ہوتے تھے انہیں سجدے کرتا تھا۔ اہل دربار نے ان معبودان باطلہ کے بارے کہا کہ موسیٰؑ ان کو معبود نہیں مانیں گے۔ فرعون نے کہا قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ میں ان کے بیٹوں کو قتل کرادوں گا۔ ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھوں گا تاکہ ہماری خدمت کرتی رہیں اور بلاشبہ ہمیں ان پر بہت غلبہ حاصل ہے۔ ہم ان پہ بہت غضب ڈھائیں گے۔

موسیٰؑ کا معجزہ دکھانے اور جادوگروں کی توبہ کے بعد فرعون اور اس کی حکومت کی طرف سے موسیٰؑ کی قوم پر سختی اور بڑھ گئی تھی۔ آپؑ اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ اے قوم! فرعون کی سختیوں کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ کا سہارا اختیار کرو۔ تم اللہ کی اطاعت کروگے اس کے مطیع ہوجاؤ گے تو وہ تمہارا سہارا بن جائے گا اور فرعون تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا وَاصْبِرُوْا اور صبر کرو۔

صبر کیا ہے؟

صبر کے لغوی معنی ہیں روک لینا۔ کسی چیز کو طاقت سے روک لینا جیسے گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا ہو تو اس کی لگام کھینچ کر اُسے روک لینا صبر کہلائے گا۔ اسی طرح اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے روک لینا صبر ہے۔ اللہ کی نافرمانی چھوڑ کر اطاعت الٰہی پہ جم جانا حقیقی صبر ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں انسان کے دکھوں، تکلیفوں اور مصیبتوں کا علاج بتایا گیا ہے۔

اس مقام پر معنی کا تعین یہ ہوگا کہ فرعون کی پرواہ نہ کرو اور اطاعت الٰہی پہ جم جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ زندگی کے معاملات اللہ کریم کے حکم کے مطابق کرو۔ حلال کماؤ، حلال کھاؤ، نیکی کرو، بھلائی کرو، دوسروں کے حقوق ادا کرو، عبادت کے وقت خلوص دل سے عبادت کرو اور دنیاوی معاملات میں اپنی ذمہ داری دیانتداری سے پوری کرو۔ اللہ کے بندے بن جاؤ، اللہ تمہارا سہارا بن جائے گا۔

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۟ یقینا یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے فرعون کی نہیں ہے۔ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ عارضی ملکیت وہ جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے اور جتنے عرصے کے لئے دینا چاہے دیتا ہے۔ آج جو زمینوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں وہ زمینیں ان سے پہلے دوسرے لوگوں کے پاس تھیں جب یہ لوگ نہیں ہوں گے تو کوئی اور ان کا مالک بنے گا۔ سب مال صرف اللہ کا ہے۔ لہٰذا جب تک تمہارے پاس ہے اسے اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرو۔

اے میری قوم! یہ ملک فرعون کا نہیں ہے۔ تم لوگ اللہ اور اللہ کے نبیؑ کا حکم مانو۔ زمین اس کی ہے وہ فرعون سے لے کر تمہیں دینے پر قادر ہے وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۲۸﴾ یہ فیصلہ ہو چکا کہ آخرت ان کے لئے ہے جو اللہ کے ساتھ ایمان کا رشتہ استوار کر لیتے ہیں اور پھر اللہ اور اللہ کے نبیؑ کی اطاعت کر کے اس رشتے کو نبھاتے ہیں۔

موسیٰؑ کی قوم بیچارے کمزور لوگ تھے نسلوں سے ظلم کی چکی میں پستے چلے آ رہے تھے۔ ان میں وہ ہمت نہیں تھی تو وہ کہنے لگے قَالُوْۤا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ موسیٰؑ! ہمارے تو مصائب ختم نہیں ہوتے۔ ہمارے حالات میں تو کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ مبعوث نہیں ہوئے تھے تو ہم پر مظالم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔ آپ آ گئے تو ہم پر اور طرح کے ظلم توڑے جا رہے ہیں۔

متقی اور دنیادار کی سوچ کا فرق:

ایک دنیادار کے تجزیئے اور ایک متقی کے تجزیئے میں یہی فرق ہوتا ہے۔ جادوگروں کو خلوص کے ساتھ ایمان نصیب ہوا تو انہیں اپنی موت میں کامیابی نظر آئی۔ انہوں نے جسمانی اذیت قبول کر کے سرخرو، ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا پسند کر لیا اور بنی اسرائیل کو موسیٰؑ استقامت علی الدین کی تلقین کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مضبوط سہارے کو پکڑنے اور اس پر جم جانے کی تلقین فرما رہے ہیں اور بنی اسرائیل کا تجزیہ یہ ہے کہ آپؑ کی نبوت سے ہمیں کیا فرق پڑا؟

یہ شکوہ بنی اسرائیل نے ہی نہیں کیا آج بھی وہ لوگ یہی کہتے ہیں جن کا ایمان کمزور ہے، جن کے دل کا رشتہ قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے استوار نہیں ہوا وہ کلمہ بھی پڑھتے ہیں، روزہ بھی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے شاکی بھی رہتے ہیں۔ حالات کا رونا روتے ہیں لیکن اللہ کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتے۔

موسیٰ ؑ نے فرمایا قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ گھبراؤ نہیں یہ تمہارے پروردگار کے کام ہیں۔ وہ بہت جلد دشمن کو تباہ کر دے گا۔ فرعون اور اس کی طاقت کو برباد کر دے گا اور تمہیں زمین میں اپنی نیابت عطا فرمائے گا۔

انسانی مزاج بھی عجیب رنگ دکھاتا ہے۔ بنی اسرائیل عجیب مزاج کے لوگ تھے۔ اللہ کے نبیؑ وعدہ فرما رہے ہیں۔ اللہ کریم کی طرف سے خوش خبری دے رہے ہیں کہ فرعون اور اس کے لاؤلشکر تباہ ہو جائیں گے۔ اس کی سلطنت وحکومت اللہ تعالیٰ تمہیں دے دیں گے۔ اور بنی اسرائیل ہیں کہ اپنے نبیؑ پر اعتبار ہی نہیں کرتے۔

فرمایا فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۝۱۲۹ اور پھر دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو؟ حکومت واقتدار نیابت الٰہی ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ کی مخلوق پر اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کئے جائیں۔ خلیفہ اپنا اختیار نہیں رکھتا بلکہ اس کے احکام کی تنفیذ اس کی ذمہ داری ہوتی ہے جس کا وہ خلیفہ ہوتا ہے۔ تو فرمایا کہ تم گھبراتے کیوں ہو اللہ تمہیں زمین پر خلافت عطا فرمائے گا اور پھر دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو؟ اگر اطاعت کرو گے تو انعام پاؤ گے۔ اگر اس کے بعد تم بھی نافرمانی کرو گے تو یاد رکھنا اگر فرعون تباہ ہو سکتا ہے تو تم بھی نہیں بچو گے۔

اس آیہ کریمہ سے یہ سبق مل رہا ہے کہ اپنے سے پہلوں کے حالات دیکھ کر بندے کو اپنے حالات کا اندازہ کر لینا چاہیے۔ ہر آدمی کا اپنا وجود تو انسان کے اختیار میں ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نافذ کرنا اس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے، **کلکم راع و کلکم مسئولین رعیتہ او کما قال رسول اللہ ﷺ**۔ تم میں سے ہر بندہ حکمران ہے جہاں تک اس کا اختیار ہے وہاں تک اس سے اس کی میدان حشر میں پرسش ہوگی۔ ہر بندے کا ایک حلقہ اثر ہے اسے یہ دھیان رکھنا چاہیے کہ جہاں اتک اس کی بات چلتی ہے وہاں وہ اللہ کی بات کو، اللہ کے حکم کو نافذ کرے۔

سورۃ الاعراف رکوع 16 آیات 130 تا 141

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ
يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ
يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ
بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ
وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ
عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ
كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا
كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا
مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾
وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا
الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا
صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾
وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ
لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ

تَجۡهَلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمۡ فِيۡهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِيۡكُمۡ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذۡ اَنۡجَيۡنٰكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ‌ۚ يُقَتِّلُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ وَيَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ‌ ؕ وَفِىۡ ذٰلِكُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِيۡمٌ ﴿۱۴۱﴾

اور یقیناً ہم نے فرعون والوں کو قحط اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کر دیا تا کہ وہ (حق بات کو) سمجھ جائیں ﴿۱۳۰﴾ پھر جب ان کو آسائش ملتی تو کہتے یہ تو ہمارے لئے ہونی ہی چاہیے اور اگر ان پر کوئی سختی واقع ہوتی تو موسیٰ (علیہ السلام) اوران کے ساتھیوں کی بدشگونی بتاتے۔ دیکھو یقیناً ان کی بدشگونی اللہ کے ہاں (مقدر) ہے ولیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ﴿۱۳۱﴾ اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس اس کی کوئی نشانی ہی لاؤ تا کہ اس سے ہم پر جادو کرو سو ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۳۲﴾ پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون جیسی مفصل نشانیاں پھر انہوں نے تکبر کیا اور وہ گنہگار لوگ تھے ﴿۱۳۳﴾ اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی تو کہتے اے موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کرو جس کا اس نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے اگر تم ہم سے عذاب کو ٹال دو گے تو ہم ضرور تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ روانہ کر دیں گے ﴿۱۳۴﴾ پھر جب ہم ایک مدت کے لئے جس تک ان کو پہنچنا تھا ان سے عذاب کو ہٹا دیتے تو وہ عہد شکنی کرنے لگتے ﴿۱۳۵﴾ پس ہم نے ان سے بدلہ لیا سو ان کو سمندر میں ڈبو دیا اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیات کو جھٹلاتے اور ان سے لاپرواہی کرتے تھے ﴿۱۳۶﴾ اور ہم نے اس قوم کو جو بہت کمزور شمار ہوتی تھی زمین کے مشرقوں اور مغربوں کا وارث کر دیا جس میں ہم نے برکت دی تھی اور بنی اسرائیل کے بارے میں آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ پورا ہوا اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا اور فرعون اور اس کی قوم نے جو (محل) بنائے تھے اور (انگور کے باغات) جو چھتریوں پہ چڑھائے تھے ہم نے تباہ کر دیئے ﴿۱۳۷﴾ اور ہم نے بنی

اسرائیل کو سمندر پار اتارا تو ان کا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو اپنے بتوں کے پاس (عبادت کے لئے) بیٹھے رہتے تھے کہنے لگے اے موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے لئے بھی ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں انہوں نے فرمایا تم بے شک ایک جاہل قوم ہو ﴿۱۳۸﴾ بے شک جس کام میں یہ لوگ لگے ہیں یہ تباہ ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں یہ (محض) باطل ہے ﴿۱۳۹﴾ فرمایا کیا میں اللہ کے سوا تمہارا کوئی اور معبود تلاش کروں اور حالانکہ اس نے تمہیں جہانوں پہ فضیلت بخشی ہے ﴿۱۴۰﴾ اور جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات بخشی جو تم کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو (خدمت کے لئے) زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی ﴿۱۴۱﴾

تفسیر ومعارف

جادوگر شہادت پا گئے اپنی منزل پا گئے۔ فرعون اور اس کی قوم نے بھی وہی معجزہ دیکھا تھا لیکن چونکہ وہ اپنے تکبر کے اسیر تھے انہیں توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوئی بلکہ انہوں نے اس کے خلاف پراپیگنڈہ کیا اور غلط سلط باتیں شروع کر دیں۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اس مقابلے کے بعد بھی کم وبیش بیس سال کے لگ بھگ موسیٰؑ تبلیغ کرتے رہے مختلف آزمائشیں اللہ کی طرف سے آتی رہیں۔ فرعون اور اس کی قوم کو مہلت دی جاتی رہی لیکن ان کا مزاج مسخ ہو چکا تھا ان میں اپنی بڑائی اور تکبر اور دنیا کا لالچ بھر چکا تھا انہیں توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ اللہ ایسے کریم ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد بھی جب انہوں نے نہ مانا ایمان نہ لائے وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ ہم نے فرعون اور اس کی قوم پر قحط سالی بھیج دی۔ وہ جو مال ودولت کی فراوانی تھی اور جو فصلوں کی فراوانی تھی وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ وہ جو پھلوں کی بہتات تھی ان میں کمی کر دی۔

فلسفۂ مصائب:

من جانب اللہ جب مصائب آجاتے ہیں، بیماری آجاتی ہے، روزگار چھوٹ جاتا ہے، نوکری چلی جاتی ہے، کاروبار میں نقصان ہو جاتا ہے، تو یاد رکھنا چاہیے کوئی چیز اس کائنات میں از خود نہیں ہوتی ہر چیز اللہ کریم طے کئے ہوئے پروگرام کے مطابق ہوتی ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ

وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا الانعام:59 اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی پر ہے اور پانی میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو جانتا ہے۔کوئی ذرہ اللہ کریم کے حکم کے بغیر اس کی اجازت کے بغیر حرکت نہیں کرتا لیکن جب بھی یہ چیزیں آتی ہیں تو لوگ منتیں، خوشامدیں کرتے ہیں۔لوگوں کی سفارش کرواتے ہیں، رشوتیں دیتے ہیں، عاملوں کے پاس جاتے ہیں، تعویذ گنڈے کرواتے ہیں، حالانکہ یہ ان چیزوں کا علاج نہیں ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں اور یہ اس لئے ہوتی ہیں کہ بندے کو احساس ہو کہ میں کمزور ہوں اور مجھے اللہ کریم سے معافی طلب کرنی چاہیے اور اللہ سے مدد مانگنی چاہیے۔

یہ موقع اللہ کریم نے فرعون کی قوم کو بھی دیا اور فرمایا اس قوم کی بڑی فصلیں ہوتی تھیں، دریائے نیل سے فصلوں کو سیراب کرتے تھے اور دریا کا پانی دور دور تک لے جاتے تھے۔ بہت پھل ہوتے تھے۔تو ہم نے قحط سالی بھیج دی، دریا میں پانی کم کر دیا، پانی چڑھتا تو کہیں جاتا، فصلوں تک نہ پہنچ سکا لہٰذا قحط سالی آ گئی۔ بارشوں کا پانی کم ہو گیا تو فصلیں نہ ہو سکیں۔ پھل اور میوہ جات، درخت سوکھنے لگے۔ ان پر پھل نہ لگا۔ اس سب کا مقصد کیا تھا؟ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ﴿۱۳۰﴾ یہی کہ شاید یہ نصیحت حاصل کر لیں۔کل فردائے قیامت یہ نہ کہیں یا اللہ ہم سے تو غلطی ہو گئی آپ کے معجزات کا انکار کر دیا لیکن آپ نے بھی تو مہلت نہ دی۔ آپ نے بھی ہمیں فوراً تباہ کر کے رکھ دیا۔تو فرمایا بندہ بندہ ہے مخلوق ہے عاجز ہے۔ اللہ رب العالمین ہے وہ جو کام کرتا ہے اپنی شان کے مطابق کرتا ہے۔ اتنے بڑے معجزے کا ظہور ہوا۔ اللہ کے دو نبیؑ ان کے پاس تشریف لائے اسے بھی انہوں نے جادو قرار دیا۔فرمایا ہم نے ان پر تنگ دستی بھیج دی۔ فصلیں خراب ہو گئیں۔ قحط سالی پڑ گئی۔ پھلدار درخت خراب ہو گئے۔ مقصد یہ تھا کہ اس تکلیف میں مبتلا ہو کر وہ توبہ کریں اللہ کے نبیؑ کا دامن تھامیں اس کی اطاعت کریں اور عذاب الٰہی سے بچ جائیں۔ لیکن اس قوم کا عجیب حال تھا فرمایا وَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ‌ۚ اگر کوئی اچھی بات ہو جاتی کہیں سے کوئی اچھا منافع مل جاتا اور کہیں سے کوئی اچھی خبر آ جاتی تو کہتے یہ تو ہمارا کمال ہے۔ یہ میں نے کیا یہ میری عقل کا کمال ہے۔ میرے علم کا کمال ہے، یہ تجویز میری تھی اس لئے ہمیں فائدہ ہوا وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوۡا بِمُوۡسٰى اور اگر انہیں کوئی مصیبت آ جاتی تو کہتے یہ موسیٰؑ کی نحوست ہے، معاذ اللہ ان کی وجہ سے ہم پر یہ نحوست آ گئی وَمَنۡ مَّعَهٗ‌ؕ موسیٰؑ اور ان کے ماننے والے جو یہ مسلمان ہیں ان کی وجہ سے ہم پر نحوست آ گئی۔

برائی کی نحوست خود برائی کرنے والے پر آتی ہے:

آج کا دانشور بھی نیک لوگوں کو باعث نحوست سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم پڑھے لکھے دانشور لوگ

ہیں۔ ہم قرون اولیٰ یا قرون وسطیٰ میں نہیں رہتے حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ قرون اولیٰ کے پاک طینت افراد نیکی، ورع تقویٰ اور پاکیزہ زندگی کے روشن مینار تھے۔ ان کا عدل مثالی تھا اور آج کے نام نہاد دانشور کا ظلم مثالی ہے۔

بڑا خوبصورت شعر کسی نے کہا ہے کہ

بات بن جائے تو شان وہ تدبیر کی ہے
اور بگڑ جائے تو خطا کاتب تقدیر کی ہے

جو بات تب فرعونی کہتے تھے لوگ آج بھی وہی کہتے ہیں۔ کسی کا کام سدھر جائے تو کہتا ہے کہ یہ میرا کمال ہے۔ بگڑ جائے تو کہتے ہیں بس لکھا ہی ایسا ہوگا، اللہ کی مرضی۔ اللہ نے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک بندے کا قتل کرنا ایسا ہے جیسا انسانیت کا قتل کرنا لیکن یہ قتل کر دیتے ہیں پھر کہتے ہیں ایسے ہی لکھا ہوگا۔ تو کیا بدلا؟ کچھ بھی نہیں۔ جب اہل فرعون پر مصیبت آئی یَطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی تو وہ کہتے یہ موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ آج بھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں یہ مولوی اور مدرسے اور جہاں قال اللہ اور قال رسول اللہ ﷺ پڑھایا جاتا ہے یہ ان کی نحوست ہے ان کی وجہ سے سب کچھ ہو رہا ہے تو کیا بدلا ہے؟ آج بھی دینی اداروں پہ ہی حرف آتا ہے۔ جوئے کے اڈوں، شراب خانوں اور سینما گھروں کے ذریعے فحاشی پھیلانے والوں پر کبھی کسی نے الزام لگایا؟ کسی نے کہا ہے کہ مار دھاڑ کی فلمیں قتل و غارت گری کا راستہ دکھا رہی ہیں یا ٹی وی کے اشتہار سراسر بے حیائی پھیلا رہے ہیں لیکن کہیں کوئی حادثہ ہوگا تو اس کا سبب علماء اور مدارس ٹھہرائے جائیں گے کہ یہی دہشت گردی پھیلا رہے ہیں اور یہ سب ان کی نحوست ہے۔

اللہ کریم ارشاد فرما رہے ہیں کہ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ خوب اچھی طرح جان لو کہ جو لوگ نبیؑ کا انکار کرتے ہیں یا اپنی عملی زندگی نبیؑ کے ارشاد اور سنت کے خلاف گزارتے ہیں ان کی نحوست اللہ کے پاس محفوظ ہے اور وہ ان کی بدکرداری کی نحوست کو مصیبت بنا کر خود انہی پر لوٹا دیتا ہے۔ دوسری جگہ یہی بات اس طرح ارشاد فرمائی ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ الروم: 41 خشکی اور تری میں انسانوں کی بداعمالیوں کے سبب فساد برپا ہو جاتا ہے۔ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی کرتا ہے جس طرح فرعونیوں نے موسیٰؑ کی نافرمانی کی اس کی بدعملی کی نحوست خود ان کی اپنی تباہی کے لئے کافی ہے اسے کسی پر الزام نہیں دینا چاہئے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ لیکن لوگوں کی اکثریت اس سے بے خبر ہی رہتی ہے۔

نتائج کردار پہ مرتب ہوتے ہیں دعوے پر نہیں:

آج بھی مشکلات سے نکلنے کے بہت حل تجویز ہوتے ہیں لیکن یہ حل کوئی تجویز نہیں کرتا کہ ہم توبہ کر لیں۔ خود اپنے آپ کو دین پر لے آئیں۔ ہر فرد اپنے اپنے دائرہ کار میں اتباع رسول اللہ ﷺ کر لے تو مشکلات ختم ہو جائیں گی۔ آج اگر پڑھے لکھے لوگ کچھ سیکھتے ہیں تو غیروں سے ہی سیکھتے ہیں پھر وطن آ کر غیر ملکی ماہرین کے قصیدے پڑھتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ آج کا پڑھا لکھا مغرب وحشی اور غیر متمدن تھا انہیں تو گھر بنانے نہیں آتے تھے، غاروں میں رہنے والے لوگ تھے۔ جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو تمدن کی روشنی دور دور تک پھیلی۔ اہل مغرب نے علم وعمل سے عدل وانصاف تک تمام اصول اسلام سے لئے۔ ایمان نہیں لائے کردار اپنا لیا۔ مسلمانوں نے ایمان کا دعویٰ کر دیا اور کردار چھوڑ دیا تو دنیا کے نتائج بھی کردار کے مطابق ہی نکلے۔ آج محمد رسول اللہ ﷺ کے نام لیوا عدل وانصاف، حقوق فرائض کا نظام سیکھنے مغرب جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اہل مغرب کے اصول کتنے بہترین ہیں اور اہل مغرب نے اسلام سے اصول جہانبانی سیکھ کر علم و ہنر، سائنس اور ٹیکنالوجی میں اپنا سکہ منوالیا ہے۔

وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا کہنے لگے موسیٰ آپ جتنے چاہیں ہمیں معجزات دکھا دیں اور جتنا زور مرضی لگا لیں ہمیں یہ پتہ ہے کہ آپ ان دلائل سے ہم پر جادو کرنا چاہتے ہیں لہٰذا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۲﴾ ہم نے تو طے کر لیا ہے کہ ہم آپ کی بات کبھی نہیں مانیں گے۔ ان کے اتنے سخت فیصلے کے بعد بھی اللہ کریم نے انہیں مہلت دی اور اس مہلت میں اُن پر طرح طرح کی مصیبتیں بھیجیں کہ شاید یہ نرم ہو کر مان جائیں۔ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ فرمایا، ہم نے ان پر طوفان بھیج دیا۔ طوفان سے گھبرا کر موسیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کی کہ اپنے پروردگار سے کہیئے ہم سے یہ مصیبت ہٹا دیں تو ہم ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں گے۔ جب طوفان تھم گیا تو ظاہر ہے ہر طرف پانی پانی ہو گیا فصلیں سرسبز وشاداب ہو گئیں پھل آ گئے تو پھر اکڑ گئے۔ ہم تو نہیں مانتے۔ اللہ جل شانہٗ بے نیاز ہے اس نے ان پر ٹڈیاں بھیج دیں اور مصر میں اتنی ٹڈیاں آئیں کہ تمام فصلیں کھا گئیں۔ پھل درخت دار اور درختوں کی چھال تک اتار کر کھا گئیں، گھروں کے دروازے اور لکڑیاں تک چٹ کر گئیں۔ پھر موسیٰ کی طرف بھاگے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے وہ مصیبت بھی رفع کر دی تو پھر اکڑ گئے وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ فرمایا، ہم نے ان پر جوئیں یا گھن کا کیڑا بھیج دیا اور اتنا بھیجا کہ فصلوں پر، گلیوں میں،

گھروں میں ہر جگہ ان کے جھنڈ کے جھنڈ تھے، جوئیں ہی جوئیں تھیں، پھر بھاگے، معافی مانگی لیکن جب عذاب ٹلا تو پھر اکڑ گئے وَالضَّفَادِعَ تو ہم نے مینڈک بھیج دیئے ہر طرف مینڈک ہی مینڈک تھے، چولہوں میں، ہانڈیوں میں، کھانے کے برتنوں میں، پانی میں بھی ہر طرف مینڈک ہی مینڈک ہو گئے۔ نہ سونے کی کوئی چارپائی باقی بچی نہ بیٹھنے کی کوئی جگہ، اس پر بھی نہ مانے وَالدَّمَ فرمایا ہم نے ان کے لئے پانی کو خون میں بدل دیا۔ پانی ہوتا تھا، برتن میں رکھا ہے، گھڑے میں پانی ہے، دریا میں پانی چل رہا ہے جب کوئی فرعونی اس میں سے گلاس لیتا منہ کی طرف لے جاتا تو وہ خون ہو جاتا۔ کپڑا دھونا چاہتے پانی لیتے، کپڑے پہ ڈالتے تو وہ خون ہوتا اور داغ پڑ جاتے۔ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ہم نے ان کو بڑی کھلی نشانیاں دکھائیں۔ کھلے کھلے معجزات دکھائے فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ لیکن ان میں سے اکڑ نہ گئی۔ ان میں تکبر اور بڑائی تھی اور بہت جرم کرنے والے، بڑے مجرم لوگ تھے۔ ایسے عجیب لوگ تھے۔ فرمایا وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ جب ان پر کوئی عذاب آجاتا قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ کہتے اے موسیٰ آپ کے پروردگار کا تو آپ سے وعدہ ہے کہ آپ کی دعاؤں کو وہ قبول فرمائے گا۔ آپ کی مدد فرمائے گا۔ ہمارے لئے دعا کر دیجئے ہم سے یہ مصیبت ہٹ جائے لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ اگر ہم سے یہ مصیبت ہٹ گئی تو ہم آپ کی نبوت پر بھی ایمان لے آئیں گے اللہ کو بھی مان لیں گے اللہ کی اطاعت کا اقرار کر لیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ جانے کی اجازت بھی دے دیں گے۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اللہ کریم فرماتے ہیں جب موسیٰؑ دعا کرتے وہ مصیبت ٹل جاتی، حالات ٹھیک ہو جاتے تو وہ اپنے وعدے بھول جاتے، اپنے وعدے توڑ دیتے۔ بیس برس تک اللہ کریم انہیں مہلت دیتے رہے۔ مختلف بیماریاں، مختلف تکلیفیں، مختلف مصیبتیں، بھیجتے رہے غرض یہ تھی کہ یہ توبہ کریں۔ اللہ کی راہ پہ آجائیں اللہ کے نبیؑ کی اطاعت اختیار کریں لیکن انہوں نے بات نہ مانی۔ انہیں اپنی بڑائی کا بہت گھمنڈ تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ کوئی نبی کوئی رسولؑ اتنا دانشور نہیں جتنے وہ خود ہیں۔

مجھے بڑے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ یہی بیماری کسی سطح پر ہمیں بھی لاحق ہے۔ آج کا مسلمان اور نام نہاد دانشور ارشادات پیغمبر ﷺ کو فرسودہ خیالات اور قدامت پسندی کہتا ہے۔ شریعت کے احکام کو نا قابل فہم اور نا قابل عمل گردانتا ہے۔ یہی تو فرعونی بھی کہتے تھے اور سارے کا فر ابوجہل اور ابولہب مشرکین عرب بھی اور کفار بھی تو یہی کہتے تھے کہ یہ باتیں نا قابل فہم ہیں نا قابل عمل ہیں۔

غرض فرعونیوں نے مان کر نہ دیا۔ اکڑتے رہے۔ جب کوئی مصیبت آتی تو موسیٰؑ کی طرف بھاگتے لیکن جب مصیبت ٹل جاتی تو پھر مکر جاتے۔ اللہ کریم نے انہیں بیس برس مہلت دی۔ اللہ کے نبیوںؑ کے ہی یہ حوصلے ہیں کہ وہ تکلیف برداشت کرتے رہے۔ اور پھر کوشش کرتے رہے کہ ان کی اصلاح ہو جائے لیکن جب انہوں نے حق کی پرواہ نہ کی تو فرمایا فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا کہ تم نے بڑی موج کر لی اور ایسا بدلہ لیا کہ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ہم نے انہیں غرق دریا کر دیا۔ سمندر میں ڈبو دیا۔ ان کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑا ساری قوت اور شوکت سلطنت ان سے چھن گئی۔ سارے لاؤ لشکر سمیت فرعون بھی غرق دریا ہو گیا۔ سمندر برباد ہو گیا اور وہ سب تباہ ہو گئے۔ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ہم نے انہیں یہ بدلہ دیا کہ یہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے، تکذیب کرتے تھے وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ﴿۱۳۶﴾ اور ہماری آیات سے تو یہ بے پرواہ ہو چکے تھے۔ آیات الٰہی سے غافل اور بالکل بے پرواہ ہو چکے تھے۔ اللہ کریم تو بے نیاز اور ہر چیز پہ قادر ہیں کہ جو چاہیں کریں اور جب چاہیں کریں۔ فرمایا وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ ہم نے پھر مصر اور شام کی بابرکت زمین بنی اسرائیل کو عطا کر دی۔ شام، فلسطین وہ مبارک زمین ہے جس میں بیت المقدس بھی ہے اور اولوا العزم رسولوں کی آرام گاہیں بھی ہیں اور برکتوں سے بھری ہوئی زمینیں ہیں، تو ان کے محل اور ان کے خزانے اور ان کی بستے ہوئے شہر ہم نے ان لوگوں کے سپرد کر دیئے جنہیں انہوں نے صدیوں سے غلامی میں جکڑ رکھا تھا جن کے بچے قتل کر دیتے تھے اور بچیاں خدمت کے لئے رکھتے تھے۔ جو ظلم چاہتے تھے ان پر روا رکھتے تھے۔ فرمایا ہم نے تمام فرعونیوں کو غرق کر کے وہ ممالک بنی اسرائیل کے سپرد کر دیئے اور عمالقہ سے بھی شام کا علاقہ چھین کر انہیں دے دیا۔ قبطیوں کو غرق کر کے تباہ کر دیا وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ اور ہم نے اس کمزور قوم کو مشرق و مغرب کا وارث کر دیا۔ یہاں مشرق اور مغرب سے مراد یہ ہے کہ اس کے کُلی اختیارات ہم نے ان کمزوروں کو دے دیئے جو صدیوں سے مار کھا رہے تھے وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ اور بنی اسرائیل پر آپ کے رب کا بڑا خوبصورت اور پیارا وعدہ پورا ہوا۔ وہ جب شکائت کرتے تھے موسیٰؑ آپ نہیں آئے تھے تو ہم پر ظلم توڑے جاتے تھے آپ تشریف لے آئے تو ہم پر ظلم توڑے جا رہے ہیں۔ فرق کیا پڑا تو موسیٰؑ فرماتے تھے صبر کرو اللہ قادر ہے۔ زمین اس کی ہے ملک اس کا ہے ان سے لے لے گا تمہیں دے دے گا۔ تھوڑا سا صبر کرو اللہ کریم فرماتے ہیں

انہوں نے میرے نبیؐ کی بات مانی صبر کیا ہم نے فرعونیوں کی طاقت کا گھمنڈ سمندر میں غرق کر کے ختم کر دیا ملک ان سے خالی کرا دیا۔ بنے بنائے گھر، خزانے، محلات، زمینیں چھوڑ گئے اور شام کا علاقہ جو اس وقت عمالقہ کے پاس تھا بنی اسرائیل کو ان کی طرف جانے کا حکم دیا۔ وہ ملک جو اتنا مبارک اور جس میں اتنی مبارک ہستیاں ہیں اور اللہ کی برکات نازل ہوتی ہیں وہ بھی ان کے سپرد کر دیا مصر بھی ان کے سپرد کر دیا اور خوبصورت اور پیارا وعدہ جو نبیؐ اللہ کی طرف سے بنی اسرائیل سے فرمایا کرتا تھا کہ صبر کرو اللہ یہ زمین تمہارے سپرد کر دیں گے وہ پورا ہو گیا بِمَا صَبَرُوْا ؕ اس لئے کہ انہوں نے میرے نبیؐ کے کہنے پر صبر کیا، برداشت کیا، مشقت اٹھائی ہم نے انہیں اس طرح نوازا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ﴿۱۳۷﴾ اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو تباہ کر دیا۔ اور ان کے کھیت اور بڑے بڑے انگوروں کی بیلیں جو درختوں پر چڑھا رکھی تھیں اور بڑی چھتری نما بیٹھنے کے لئے جگہیں بنا رکھی تھیں وہ سب کچھ ان سے چھن گیا اور ان کا نشان تک باقی نہ رہا۔ آن واحد میں ایک دفعہ پانی کی لہریں آپس میں ملیں سارا قصہ ختم ہو گیا۔ لیکن بنی اسرائیل بھی بڑے عجیب لوگ تھے اتنی بڑی فتح کے بعد، فرعون سے نجات کے بعد یہ تو سمندر سے پار اتر گئے اور فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا۔ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں کچھ لوگ ہیں جنہوں نے بت بنائے ہوئے ہیں اور بتوں کے سامنے بڑے خشوع سے بیٹھے ان کا نام جپ رہے ہیں اور پوجا پاٹ میں محو ہیں۔ تو انہوں نے کہا قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ اے موسیٰؑ جیسے انہوں نے مختلف خداؤں کے بت بنا رکھے ہیں ہمارے لئے بھی اللہ کریم کا کوئی ایک بت بنا دیں کہ ہم اس کی پوجا کرتے رہیں۔ بت پرستی سے چونکہ بہت سے مادی فوائد متعلق ہوتے ہیں جو مادہ پرست لوگوں کو لبھاتے ہیں تو یہی خیال بنی اسرائیل کو بھی آیا کہ ہمارا بھی کوئی بت ہوتا جو ہمیں فوراً پیسے دے دیتا، دولت دے دیتا، اولاد دے دیتا۔ موسیٰؑ نے فرمایا قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴿۱۳۸﴾ تم بہت بیوقوف لوگ ہو، جاہل قوم ہو، تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اللہ بے مثل بے مثال ہے۔ اس کے بت نہیں بنائے جا سکتے۔ اس کی کوئی مثال نہیں بنائی جا سکتی۔ اس کی کوئی شبیہ یا شکل نہیں بنائی جا سکتی۔ اللہ کی ذات ان باتوں سے ماورا ہے۔ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ تو فرمایا، یہ جو کچھ انہوں نے بنا رکھا ہے، یہ سارا تباہ ہونے والا ہے۔ اس کے پجاری بھی تباہی کے راستے پہ چل رہے ہیں۔ یہ سب برباد ہو جائیں گے اس میں انہیں کوئی آمدن یا منافع یا سہولت نہیں ہے یہ بربادی کے راستے پر جا رہے

ہیں وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۳۹﴾ جو کچھ یہ کر رہے ہیں یہ سارا باطل ہے۔ باطل ہمیشہ مٹ جاتا ہے، فائدہ نہیں کرتا، تمہاری یہ سوچ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴿۱۴۰﴾ ہے کہ تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی پتھر کا بت بنا دوں یا کوئی معبود بنا دوں جبکہ اللہ نے تمہیں اپنے اہل زمانہ پر بہت فضیلت دی ہے۔ تمہاری خاطر کتنی بڑی طاقت کو غرق دریا کر دیا ہے اور کتنی بڑی طاقتوں سے ملک چھین کر تمہارے سپرد کر رہا ہے۔ تمہیں اللہ کی اطاعت زیب دیتی ہے نہ کہ تم پھر اس بت پرستی کی طرف جانا چاہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے کے لوگوں پر تمہیں برتری دی۔ اتنی مہربانی فرمائی وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ کہ تمہیں فرعونیوں سے نجات عطا فرمائی يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ وہ تمہیں بہت عذاب دیتے تھے بہت سخت مصیبتیں تم پر نازل کرتے تھے۔ تم سے زبردستی بیگار لیتے تھے، تمہیں چابکوں سے مارتے تھے جھوٹا موٹا کھانا دیتے تھے، پانی تک پینے پر مار پڑتی تھی اور پھر تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے اور یہ بھی ان کا تم پر کوئی احسان نہیں تھا بلکہ اپنی خدمت کے لئے انہیں زندہ چھوڑ دیتے تھے وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ﴿۱۴۱﴾ اور تمہارے پروردگار کی طرف سے یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ تم اللہ کے احسانات یاد کرو تم پھر بت پرستی کی طرف جانا چاہتے ہو۔ تم کیسے جاہل لوگ ہو؟ انسان کا مزاج ایسا ہے کہ دنیا کے لالچ میں کسی بھی برائی کی طرف چلا جاتا ہے۔

اللہ پر اعتماد کرنے کے لئے اللہ سے تعلق ضروری ہے:

جب تک قلبی تعلق اللہ سے نہ ہو، دل میں اللہ کی یاد نہ ہو، دل میں اللہ کا گھر نہ ہو، آدمی مختلف مادی ٹھکانوں کی طرف دوڑتا رہتا ہے۔ غرق ہونے والا، ڈوبنے والا، تنکے بھی پکڑتا ہے حالانکہ تنکا اس کو کہاں بچا لے گا لیکن وہ اس کا سہارا بھی لینا چاہتا ہے۔ آج بھی ہمارا حال یہی ہے کہ ہم اپنی پریشانیوں پر چیختے ہیں چلاتے ہیں، جلوس نکالتے ہیں، شور کرتے ہیں، گاڑیاں جلاتے ہیں لیکن توبہ نہیں کرتے۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ توبہ کر لیں۔ نبی کریم ﷺ کے احکام کو اپنا لیں، اللہ کے دین کو اپنا لیں، اللہ سے معافی طلب کر لیں، دعا کر لیں، یا اللہ ہمیں برے لوگوں سے اور برے عذابوں سے دونوں سے پناہ عطا فرمائے تو وہ قادر ہے وہ ہمارے حالات بدل دے گا۔ لیکن کوئی اسے جانے کوئی اسے مانے کوئی اس سے مانگے بھی تو۔

سورۃ الاعراف رکوع 17 آیات 142 تا 147

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو تیس راتوں کا وعدہ دیا اور دس راتیں ملا کر اسے پورا فرمایا تو ان کے پروردگار کی چالیس رات کی معیاد پوری ہوگئی اور موسیٰ (علیہ

السلام) نے اپنے بھائی ہارون (علیہ السلام) سے فرمایا میرے بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو اور اصلاح کرتے رہنا اور شریر لوگوں کی راہ پہ مت چلنا ﴿۱۴۲﴾ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے مقررہ وقت پر آئے اور ان کے پروردگار نے ان سے باتیں کیں تو انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھے اپنا (دیدار) کرا دیجیئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں ارشاد ہوا آپ مجھے ہر گز نہ دیکھ سکیں گے ولیکن آپ پہاڑ کی طرف دیکھتے رہیئے پس اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو آپ بھی مجھے دیکھ سکیں گے پس جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب افاقہ ہوا تو عرض کیا آپ کی ذات پاک ہے میں آپ کی بارگاہ میں معذرت کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہوں ﴿۱۴۳﴾ ارشاد ہوا اے موسیٰ (علیہ السلام) بے شک ہم نے آپ کو لوگوں پر برگزیدہ فرمایا اپنے پیغام اور اپنے کلام سے پس جو آپ کو ہم نے عطا کیا ہے اس کو لیں اور شکر ادا کریں ﴿۱۴۴﴾ اور ہم نے ان کے لئے تختیوں (تورات) میں ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی پوری تفصیل لکھ دی (فرمایا) سو اسے مضبوطی سے پکڑے رہیں اور اپنی قوم سے کہہ دیں کہ پکڑے رہیں اس کی اچھی اچھی باتیں (ان کو بہت اچھے طریقے سے لیں) میں عنقریب تم کو نافرمانوں کا گھر دکھلاؤں گا ﴿۱۴۵﴾ جو لوگ زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں ان لوگوں کو عنقریب اپنی آیات سے پھیر دوں گا اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر بھلائی کا راستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) راستہ نہ بنائیں۔ اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) راستہ بنالیں یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے غفلت کرتے رہے ﴿۱۴۶﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے سب کام غارت گئے ان کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ وہ کرتے تھے ﴿۱۴۷﴾

تفسیر و معارف

بنی اسرائیل جب مصر سے نکل کر آزاد ہوئے۔ فرعون اور اس کے لشکر غرق دریا ہو کر نابود ہو گئے تو ان لاکھوں انسانوں کو زندگی گزارنے کے لئے معاشرتی امور انجام دینے، عدالتی نظام بنانے، حکومت کا سیاسی اور انتظامی ڈھانچہ بنانے کے لئے رہنمائی کی ضرورت پیش آئی۔ جب لوگوں کا ایک جم غفیر ہو، اسے زندگی گزارنا ہو تو وہ کس طریقے سے گزارے گا؟ اس کے لئے اسے آئین و دستور چاہیے۔ ایسا دستور جس میں ہر طبقے کی ضروریات و احساسات کا احاطہ ہو، جس میں کوئی خطا نہ ہو، جو ہر فرد و بشر کے حقوق کا پاسبان ہو۔ کیا کوئی انسان ایسا آئین و دستور بنا سکتا ہے؟ چند افراد کا گروہ کہیں بیٹھا ہو تو وہ چند افراد دوسروں کی خوشی غمی سے آشنا نہیں ہوتے۔ کس کے دل میں کیا خیالات ہیں وہ کن سوچوں میں غلطاں ہے کوئی نہیں جانتا تو جب انسانوں کو دوسروں کے بارے میں کماحقہ علم ہی نہیں تو وہ زندگی بسر کرنے کا لائحہ عمل کیسے بنا سکتے ہیں؟ تو یہ کس کا حق ہے، کون ایسی ہستی ہے جس پر اعتبار کیا جائے کہ جو کچھ یہ بتائے گا وہ طرز حیات بہترین ہوگا اور اس میں کوئی غلطی نہیں ہوگی۔ ایسا دستور عطا کرنا صرف اس ہستی کو سزاوار ہے جس نے انسانوں کو تخلیق فرمایا۔ جس نے ان کی ضروریات پیدا کیں۔ جس نے ان کی ضروریات کی تکمیل کے ذرائع پیدا فرمائے۔ اس ہستی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بتائے کون سا ذریعہ، کس طریقہ سے استعمال کرنا چاہئے تاکہ دوسرے کی حق تلفی بھی نہ ہو، دوسرے کو دکھ بھی نہ پہنچے اور کرنے والے کا مقصد بھی پورا ہو جائے۔ یہ اس کا کام ہے جو ہر ایک کے دل کے بھیدوں سے ہر آن واقف ہے اور ہر ایک کی ضروریات سے نہ صرف آگاہ ہے بلکہ انہیں پورا کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اسی لئے تاریخ انسانی میں جتنے کامیاب معاشرے نظر آتے ہیں وہ وہی ہیں جو انبیاءؑ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے ہیں۔ اور جن معاشروں میں انسانوں کی مرضی کے قوانین رائج رہے ہیں ان میں ظلم اور وحشت ناکی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

چنانچہ جب قوم موسیٰؑ کو یہ ضرورت پیش آئی اور انہوں نے موسیٰؑ سے عرض کی کہ اللہ کی مہربانی سے ہم فرعون سے نجات پا گئے، ہم لاکھوں کی تعداد میں ہیں، اللہ نے ہمیں زمین بھی دی ہے تو اب زندگی بسر کرنے کا ہمارا طریق کار کیا ہوگا؟ تو اللہ کے نبیؑ کو اللہ کریم نے حکم دیا کہ آپ تیس راتوں کے لئے طور پر تشریف لائیں اور اعتکاف کریں۔ فرمایا وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا۔

خلوت، تربیتِ روحانی کا ذریعہ:

اللہ کریم قادرِ مطلق ہیں اور موسیٰ ؑ اولوالعزم رسول ہیں۔ آپ ؑ کو یہ کمال حاصل ہے کہ براہ راست رب کریم سے کلام کرنے کی سعادت سے مشرف ہیں تو آپ ؑ کو چالیس راتوں کی تنہائی اور خلوت کا حکم فرمانے کی مصلحت کیا تھی؟ اس آئین ربانی کے حصول کے لئے جس پر قومی زندگی کا دارومدار تھا جس پر موسیٰ ؑ کی نبوت جاری رہنی تھی اس آئین و دستور کے لئے حکم ہوا کہ تیس راتیں طور پر خلوت میں رہیں۔ دن کو روزہ رکھیں رات کو عبادت کریں۔ سوائے اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور اللہ کا ذکر کرنے کے نہ کسی سے کلام فرمائیں نہ کسی کی بات سنیں نہ کسی کو دیکھیں تا کہ وہ استعداد اپنے کمال کو پہنچ جائے جو اللہ سے آئین ربانی کو حاصل کرنے کا سبب ہے۔ اللہ کریم نے آپ ؑ کو تیس راتوں کا حکم دیا لیکن خود فرماتا ہے وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ ہم نے اس میں دس اور بڑھا کر پورے چالیس کر دیئے۔ اسے چلہ بنا دیا۔ اللہ قادر ہے۔ بغیر طور پر بلائے بھی جو نعمت چاہتا اپنے نبی ؑ کو دے سکتا تھا لیکن دنیا عالم اسباب ہے۔ قدرت خود ہی اسباب پیدا فرماتی ہے اور ان پر نتائج مرتب فرماتی ہے۔ اللہ کریم نے یہاں بھی اپنے اس اصول کو قائم رکھا۔ پہلے تیس راتوں کی خلوت وعبادت کا حکم فرمایا پھر دس راتیں اور بڑھا دیں کہ موسیٰ ؑ کلیم اللہ آپ کے منصب جلیلہ کے مطابق آپ ؑ کی کیفیات قلبی میں مزید کمال عطا ہو جائے یوں چلہ پورا کروا کر آپ ؑ کو تورات عطا کی اور آئین و دستور عطا فرمایا۔ انبیاء ؑ بہت عظیم ہستیاں ہوتی ہیں اور موسیٰ ؑ اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں۔ انبیاء کرام ؑ کو جن باتوں کی تاکید فرمائی جاتی ہے یہ عوام کی تربیت کے لئے ہوتا ہے کہ اگر اللہ کے پیغمبر ؑ کو اسباب اختیار کرنے کی ضرورت ہے تو پھر اور کون اس سے مستثنیٰ ہے۔

اسی لئے صفائی قلب کے لئے تزکیہ کے لئے صوفیاء تنہائی میں رہتے ہیں۔ غیر ضروری گفتگو سے بچتے ہیں۔ ذکر اذکار کے وقت روشنی بند کر دیتے ہیں آنکھیں بند کر لیتے ہیں تا کہ دل پوری طرح متوجہ الی اللہ ہو جائے۔ اللہ کریم نے حواس خمسہ کو خبر کے ذرائع بنایا ہے۔ دیکھنا، سننا، بولنا، سونگھنا اور چکھنا یہ خبر کے ذرائع ہیں۔ جو خبر انہیں ملتی ہے یہ اسے دل کو بھیج دیتے ہیں۔ دل فیصلہ کرتا ہے کہ اس خبر پر کیا عمل ہونا چاہیے۔ وہ فیصلہ جب دماغ کو پہنچتا ہے تو دماغ اعضاء جوارح کو حکم دیتا ہے۔ ہاتھ پاؤں کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ جب انسان آنکھیں بند کر لے، نہ کسی سے بات کرے نہ کچھ سنے تو باہر کی خبریں دل میں جانا بند ہو جاتی ہیں۔ یہ ذرائع جو اندر ہلچل مچاتے ہیں جو مداخلت کرتے ہیں وہ رک جائیں تو دل کلی طور پر متوجہ الی اللہ ہونے کی

کیفیت میں آجاتا ہے۔ یہ آنِ واحد کی بات نہیں اس کے لئے وقت چاہیے کہ بے شمار خبریں سن کر حالات دیکھ کر بے شمار حادثات سے گزر کر دل کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ آنِ واحد میں تمام یادیں محو نہیں ہو جاتیں اس کے لئے وقت لگا کر محنت کی جاتی ہے تا کہ یہ باتیں محو ہو جائیں اور بندہ کلی طور پر متوجہ الی اللہ ہو جائے۔

سنت اللہ:

سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ کریم نے دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے اور اعمال پر نتائج بھی اسباب کے ذریعے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ انبیاءؑ اولادِ آدم ہیں، بشر ہیں لیکن انبیاءؑ کی بشریت اتنی کامل اور اعلیٰ ہوتی ہے کہ نوری مخلوق فرشتہ بھی اس مقام کو نہیں پا سکتا بلکہ وہ انبیاءؑ کے خادم ہوتے ہیں۔ بشریت کا تقاضا ہے کہ وہ جس مقام پر ہو اس میں مزید ترقی کے لئے کچھ اور کیفیات چاہئیں۔ موسیٰؑ جیسے اولوالعزم رسول کو کلام الٰہی وصول ہونا تھا۔ تورات ملنی تھی، جب تک موسیٰؑ کی نبوت چلنی تھی تب تک کے لئے پوری قوم بنی اسرائیل کے لئے آئین و دستور ملنا تھا تو جب آپؑ کو پہلے تیس راتوں کا حکم ہوا پھر مزید کیفیات کے لئے دس راتوں کا اضافہ فرمایا گیا۔ اگر موسیٰؑ کے ساتھ یہ قانون قدرت برتا گیا تو پھر کون اس سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے اگر انبیاءؑ کو اسباب اختیار کرنے کا حکم ہوا تو باقی کون ہے جسے تخلیے کی، ذکر اذکار کی، متوجہ الی اللہ ہونے کی ضرورت نہ ہو۔ اگر ہم اپنی دن بھر کی مصروفیتوں کو دیکھیں کہ ہمارے دن کے کتنے گھنٹے کس بات میں صرف ہوتے ہیں اور ہم کتنا وقت یکسو ہو کر اللہ کو یاد کرنے میں گزارتے ہیں تو سمجھ آجاتی ہے کہ ہم اپنے اوقات کیسے استعمال کر رہے ہیں۔

آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ اس تگ و دو میں عاملوں کے پیچھے بھاگتے ہیں کہ کام نہ کرنا پڑے اور سب کچھ مل جائے۔ اسی تلاش میں رہتے ہیں کہ تعویذ مل جائے تو کاروبار میں منافع ہو جائے، مشکل کام از خود آسان ہو جائیں، وغیرہ۔ یہ طریقہ صحیح نہیں۔ کام کرنے کا وہ طریقہ جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا ہے اسی طریقے پر اسباب اختیار کرنا اور دعا کرنا ہی درست طریقہ ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانا نہیں چاہتے۔ اللہ کے آگے سر جھکانے کی فرصت ہی نہیں، دعا پہ اعتبار ہی نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ بندوں سے مانگنے پہ اعتماد ہے اللہ سے مانگنے پہ اعتماد نہیں۔ بندہ جو عمل خود کرتا ہے اس کی حقیقت سے آشنا ہوتا ہے۔ اسے اعتبار تب آئے جب اس کی دعا میں خلوص ہو۔ جب اسے خود پتہ ہے کہ اس کا ذہن کہیں اور ہے دل کہیں اور ہے الفاظ منہ سے نکل رہے ہیں تو اسے اپنی دعا پہ اعتبار نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم اللہ سے اپنا حق نہیں مانگتے دوسروں کا نقصان چاہتے ہیں۔ اللہ تو ظلم نہیں کرتا، دوسرے کا حق چھین کر نہیں

دیتا، ہماری آدھی دعائیں تو ظلم سے معمور ہوتی ہیں کہ فلاں کا بیٹا مر جائے، اس کی بیٹی بیمار ہو جائے، فلاں کا گھر گر جائے اور ہمارا گھر بیٹھے بٹھائے بن جائے۔ ایسی دعائیں کرنا جرم ہے، گستاخی ہے۔ دعا مانگنے کے آداب یہ ہیں کہ دعا شرعی حدود کے اندر رہ کر کی جائے۔ دوسرا یہ کہ اللہ کا بنایا سبب اختیار کر کے پھر دعا کی جائے۔ اسباب اختیار کرنا اللہ کے قانون کی پابندی کرنا ہے۔ اسباب مکمل کر کے دعا کر کے پھر صبر کیا جائے۔ اللہ کریم کی منشاء کا انتظار کیا جائے جب وہ چاہے گا کر دے گا۔ کوئی دعا کرنے والا قدرت کو مجبور نہیں کر سکتا کہ اس نے دعا کر دی ہے لہٰذا فوراً ایسا ہو جائے۔ اللہ کارساز ہے اور بندہ اپنے حصے کا کام کرنے کا پابند ہے۔ بہتر نتائج کی امید رکھ کر انتظار کیا جائے۔

ذاکرین کے لئے ہدایت:

ذاکرین اور صوفیاء بہت ہی اعلیٰ چیز کے طالب ہوتے ہیں انہیں اپنا کاسۂ دل بھی اعلیٰ طریقے سے صاف رکھنا چاہیے۔ کسی زنگ آلود پیالے میں دودھ لینے جائیں تو دینے والا بھی اس میں دودھ ڈالنا پسند نہ کرے کہ اتنے گندے برتن میں اتنی اچھی چیز کیسے ڈالی جاسکتی ہے تو انوارات و برکات الٰہیہ کے طالبوں کو چاہیے کہ کچھ وقت مخصوص کریں، دل تک خبریں پہنچانے والے ذرائع بند کریں، آنکھیں بند کریں، کان بند کریں، روشنی بند کریں، تنہائی میں بیٹھ کر چوبیس گھنٹوں میں چوبیس منٹ ہی اس کام کے لئے نکال لیں کہ ان لمحوں میں صرف اللہ اللہ کریں تو اللہ بڑا کریم ہے آپ چوبیس منٹ لگائیں اور وہ شاید چوبیس صدیوں کی نعمتیں عطا کر دے لیکن کوئی مانگے تو سہی۔ اگر انبیاء کرامؑ کو اس کام کی ضرورت ہے تو پھر کون ہے جو اس چیز سے مستثنیٰ ہے۔

ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جیسے سویا ہوا شخص اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہوتا ہے ایسے ہی لوگ غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ الناس نائمون لوگ سوئے ہوئے ہیں۔ جب موت آتی ہے تو ان کی آنکھ کھل جاتی ہے لیکن اس وقت کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ سوئے ہوئے بندے سے مراد یہ ہے کہ وہ بندہ اپنے نفع و نقصان سے بے خبر ہوتا ہے۔ سوئے ہوئے شخص کو کوئی خبر نہیں ہوتی کہ وہ پتھروں پہ پڑا ہے یا پلنگ پر۔ آنکھ کھل جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جگہ نامناسب تھی یا آرام دہ۔ جب ملک الموت آتا ہے تو ان کی آنکھ کھلتی ہے کہ میرے پاس تو کوئی انتظام ہی نہیں۔ لہٰذا ذاکرین کو چاہیے کہ اپنے لئے کچھ وقت نکالیں۔ ہمارا اپنا وقت وہی ہے جو اس وقت ہم نے اپنے لئے نکالنا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں ہم اپنے لئے سب کچھ کر رہے ہیں لیکن شاید ہم اپنے لئے کچھ نہیں کر رہے ہوتے۔ موت نے جس سے ہمیں بے تعلق کر دینا ہے وہ سب کچھ وہی ہے جس میں ہم

زندگی کا بیشتر وقت لگا رہے ہیں وہ جائیداد، دولت، بنگلے، گاڑیاں تو بٹ جائیں گی۔ موت تو ہمیں انسان سے لاش بنا دے گی۔ پُرآسائش جگہوں سے اٹھا کر لوگ مٹی میں گاڑ دیں گے۔ گاڑیاں آپس میں بانٹ لیں گے، دولت بٹ جائے گی، بیویاں اور نکاح کر لیں گی، انسان کے پاس کیا بچے گا۔ ہمارا اپنا وہی ہوگا جو ہم نے اللہ کے حکم اور نبی کریم ﷺ کی غلامی میں صرف کیا۔ جتنی فرصت اللہ نے دی ہے اس میں اپنے لئے بھی کچھ کر لیجئے۔ اللہ بہت کریم ہے۔ ہم تھوڑا مانگتے ہیں وہ زیادہ عطا فرماتا ہے لیکن مانگنے کا طریقہ مسنون ہونا چاہیے۔

یاد رہے کوئی کام حضور اکرم ﷺ کی اطاعت اور اتباع کے بغیر اللہ کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہوتا۔ اللہ کریم سب کو توفیق اتباع رسول اللہ ﷺ نصیب فرمائے۔

فرمایا وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ موسیٰؑ جب جانے لگے تو اپنے بھائی ہارونؑ کو جو خود بھی نبیؑ تھے بلا کر ارشاد فرمایا کہ میرے بعد آپ میرے خلیفہ ہیں جو کام میں کرتا رہا ہوں، جیسے میں لوگوں کے معاملات سلجھاتا تھا، جس طرح انہیں عبادت کا سلیقہ سکھایا ہے، جس طریقے سے انہیں زندگی گزارنے کا حکم دیتا رہا ہوں اس کام کو آپ نے اسی طرح میری جگہ پر بیٹھ کر کرنا ہے۔

اس آیہ مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا۔ جس کا خلیفہ ہے اس کے بتائے ہوئے طریقہ کار کو اس کے بتائے ہوئے قاعدے کو جاری رکھتا ہے۔ یہ قاعدہ ثابت ہو گیا کہ اللہ کے اولوالعزم رسول اللہ ﷺ کے حکم کی بجا آوری کے لئے ملاقات الٰہی کو چلے اور اپنے پیچھے اپنی قوم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے کے لئے ایک ذمہ دار مقرر فرما کر گئے۔ لہٰذا ہر ذمہ دار شخص کے لئے ضروری ہے کہ کہیں بھی جائے تو اپنے منصب کو خالی چھوڑ کر نہ جائے خواہ صرف اپنا گھر ہی ہو۔ گھر کے کسی محرم کو، بیٹے کو گھر کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپ کر جائے۔

نیک سے نیک کام پر جانے والے پر بھی اللہ نے فرض کر دیا ہے کہ اہل وعیال کو سنبھالنے کی ذمہ داری کسی ذمہ دار کے سپرد کر کے جائے۔ اگر گھر والوں کی دیکھ بھال کا انتظام نہ ہو سکے تو ایسے شخص پر حج فرض ہو تو اس کی شرائط میں سے ہے کہ جب تک اہل وعیال کی خبر گیری کا اہتمام نہ ہو سکے وہ حج پر نہیں جا سکتا۔ اگرچہ اس پر حج فرض ہے اس کے پاس اتنے پیسے ہیں کہ گھر کا خرچ بھی دے جائے اور حج بھی کر آئے۔ جب تک گھر کی نگہداشت کا انتظام نہ ہو جائے وہ حج پر نہیں جا سکتا۔

نبی کریم ﷺ جتنی مرتبہ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے اپنے پیچھے امیر مقرر کر کے گئے اور سفر

کرنے والے اگر دو مسلمان بھی ہوں تو حکم ہے کہ ایک کو امیر ہونا چاہیے۔ یعنی دین سب سے اعلیٰ ڈسپلن ہے۔ سب سے اعلیٰ انتظام و انصرام ہے۔ یہ توکل نہیں ہے کہ اپنے حصے کا کام نہ کریں اور کہے کہ میرا توکل ہے کہ سب ٹھیک رہے گا۔ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک خادم حاضر ہوا اپنی اونٹنی باہر چھوڑ آیا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا اونٹنی کہیں باندھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا اسے اللہ کے بھروسے پر چھوڑ دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پہلے اسے بٹھاؤ پھر اس کا گھٹنا رسی سے باندھو پھر اللہ کے بھروسے پر چھوڑ آؤ۔

مولانا رومی نے اسے یوں منظوم کیا ع برتوکل بر بازوئے اُشتر بہ بند

لہٰذا توکل یہ ہے کہ اسباب ضرور یہ اختیار کر کے نتائج کی امید اسباب پہ نہ رکھو بلکہ اللہ سے رکھو۔ اسباب اس لئے اختیار کرو کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے اور میں اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ مجھے وہی ملے گا جو وہ دے گا۔

فرمایا، موسیٰؑ نے بھائی ہارونؑ سے کہا میری قوم میں میری خلافت، میری نیابت کیجئے گا وَاَصْلِحْ اور اصلاح کرتے رہنا۔ ہر وہ کام کرنا جو صالح ہو نیک ہو، کسی دھڑے بندی، کسی کی سفارش کی کی رشتہ داری یا کسی کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر حق پر قائم رہنا حق کے ساتھ اصلاح کرنا وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴿۱۴۲﴾ اور اصلاح کے کام میں رکاوٹ ڈالنے والوں کی بات نہ سننا۔ ہر جگہ ایسے بدنصیب لوگ ہوتے ہیں جو شیاطین جنوں اور انسانوں میں سے ہوتے ہیں جو نیکی کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنے کے مشورے دیتے ہیں۔ اور جو لوگ ایک دوسرے کی ضد کے لئے حجت بازی کرتے ہیں وہ فسادی ہیں ان کی بات پہ کام نہ دھرنا نہ ان کے رستے پہ چلنا۔

ہمیں اپنی زندگیوں میں قرآن کریم کے بتائے ہوئے اسالیب کو یاد رکھنا چاہیے۔

فرمایا، وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ جب موسیٰؑ طور پر پہنچے، چلہ کشی فرمائی، چالیس دن روزہ رکھتے، رات کو ذکر الٰہی کرتے رہے، اور اللہ جل شانہٗ نے آپؑ سے براہ راست کلام فرمایا۔ کلام الٰہی کو سننے کے لئے لطافت، تزکیہ و پاکیزگی کا وہ درجہ چاہیے جو انبیاءؑ کا ہوتا ہے۔ اسی لئے کبھی بھی کسی غیر نبی پر وحی نہیں آئی۔ اللہ کے مقرب بندوں، اولیاء اللہ کو بطفیل نبوت باتباع نبی الہام و القاء ہوتا ہے۔ دل میں منجانب اللہ بات دل میں آجاتی ہے۔ یہ اور بات ہے، لیکن کلام الٰہی کو سننے سنانے کی بات یہ صرف انبیاءؑ کی شان ہے۔ کلام باری اللہ کی صفت ہے جس میں چون چراں کی گنجائش نہیں۔ ہے کہ اللہ کی ذات انسانی فہم و

ادراک سے ماوراء اور بالاتر ہے۔

اللہ کی ذات میں فکر کرنا جائز نہیں:

اس لئے کہ اس کی ذات انسانی فکر سے بالاتر ہے، اللہ کی صفات میں اس طرح تفکر کرنا، غور کرنا کہ مخلوق کیسے پیدا ہو رہی ہے۔ رب کریم کس طرح ہر ایک ضروریات پوری کر رہا ہے۔ یہ اس کی عظمت شان کو واضح کرنا ہے۔ لیکن اس بات پر غور کرنا، بحث کرنا کہ اللہ کی ذات اور مخلوق کے درمیان کس طرح کا ربط ہے۔ یہ جائز نہیں کیونکہ یہ انسانی عقل اور انسانی علم کی دسترس سے باہر ہے۔

کلام الٰہی انسانوں کے کلام کی طرح نہیں بلکہ اللہ کریم کی شان کے مطابق ہوتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے کہ موسیٰ ؑ کے صرف کان نہیں سنتے تھے، ہر ذرہ بدن سنتا تھا۔ اور اللہ سے کلام الٰہی کو وصول کرنے کی استعداد صرف انبیائے کرام ؑ کو ہی عطا ہوئی کہ صرف نبیؑ میں ہی لطافت و پاکیزگی کا وہ معیار ہوتا ہے جو فرشتوں سے بہت بڑھ کر ہے۔ موسیٰ ؑ کو جب کلام باری نصیب ہوا تو آپؑ شوق سے بے قرار ہو گئے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ خوب صورت آواز سن کر ہر شخص مسحور ہو جاتا ہے خواہ وہ کسی مقرر کی تقریر ہو، کسی شاعر کا کلام ہو، کسی مغنی کی لے ہو۔ اسے بار بار سننے کو جی چاہتا ہے۔ پھر ہر کوئی جاننا چاہتا ہے کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے، یعنی اس شخص کو دیکھنے کی آرزو بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ تو جب کلام باری ہو، اس کے حسن کلام، حسن خطاب اور اس کی لذت آفرینی ایسی ہو جو اللہ کریم کو زیب دیتی ہے تو موسیٰ ؑ مخمور ہو گئے۔ بے تاب ہو گئے۔ عرض کی باری تعالیٰ آپ نے کرم فرمایا اور اپنے کلام سے سرفراز کیا لیکن اس خطاب نے تو تشنگی بڑھا دی ہے اور عرض کرنے لگے قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ؕ اے میرے رب میرے سامنے آ جا، مجھے اپنا دیدار کرا دے۔ آپ کی دید کے بغیر میرا دل قرار نہیں پکڑتا میں آپ کے دیدار کا متمنی ہوں، میں زیارت کرنا چاہتا ہوں۔

فانی دنیا میں دیدار باری ممکن نہیں:

اس عالم فانی میں ان آنکھوں اور اس بصارت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں ہے۔ یہاں کی ہر چیز فانی ہے اور اللہ کی ذات اور اس کے جمال باقی ہے۔ فانی، باقی کو محیط نہیں ہو سکتا۔ اس کو دیکھ نہیں سکتا۔

معراج پر حضور اکرم ﷺ کو دیدار باری ہو:

واقعہ معراج میں بھی علماء کی رائے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کو دیدار باری ہوا اور بعض کے نزدیک نہیں ہوا۔ جو اس کے قائل نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ دار دنیا میں جو نگاہ نصیب ہے اس سے دیدار باری محال ہے آخرت کی بات اور ہے۔ وہاں جس کی نجات ہو گئی تو جنت میں ہر مومن کو اپنی حیثیت کے مطابق دیدار باری بھی ہوگا۔ سورۃ ق میں آخرت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ سورۃ ق:22 تمہارے سامنے۔ سے پردے ہٹا دیئے گئے اور تمہاری نگاہ مضبوط ترین کر دی گئی۔ پس وہ نگاہ اور ہوگی۔ جو علماء قائل ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو دیدار باری ہوا وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو جو رویتِ باری ہوئی وہ اس دنیا میں نہیں ہوئی لہٰذا اس دنیا کے اصول اس ہستی پر لاگو نہ کئے جائیں جو سدرۃ المنتہٰی سے آگے جہاں تک رب نے چاہا تشریف لے گئے اور اسی وجود عالی سے تشریف لے گئے۔ حضور اکرم ﷺ، حضرت عبداللہ کے فرزند، مائی آمنہ کے فرزند ارجمند، حضرت عبدالمطلب کے پوتے اور اولاد آدم میں سے ہیں۔ انسان ہیں، بشر ہیں لیکن افضل البشر ہیں، بشر کامل ہیں، بشریت محمدیہ اتنی لطیف، اتنی پاکیزہ ہے کہ نوری مخلوق فرشتوں کے بھی سردار روح الامین جبرئیل امینؑ آپ ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ سدرۃ المنتہٰی پر پہنچ کر دست بستہ عرض کی حضور اکرم ﷺ میں اس سے آگے کی تاب نہیں رکھتا۔ اور حضور اکرم ﷺ کا مقام عالی اتنا بلند ہے کہ آپ ﷺ اسی وجود عالی سے مکہ مکرمہ میں بستر سے اٹھے۔ وہی وجود عالی ﷺ جس نے بیت المقدس میں انبیاءؑ کی امامت فرمائی۔ وہی وجود عالی جو جبرئیلؑ امین کے ہمراہ بُراق پر سوار ہو کر آسمانوں میں جلوہ افروز ہوا وہی سدرۃ المنتہٰی پر پہنچا اور جبرئیل امین نوری مخلوق رہ گئی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی بشریت اتنی لطیف، اتنی پاکیزہ، اتنی منزّہ تھی کہ اس سے آگے تشریف لے گئی۔ کہاں تک تشریف لے گئی؟ جہاں تک رب نے چاہا۔ جب وہاں حضور اکرم ﷺ کے علاوہ کسی بشر کی رسائی نہیں تو یہ کسی کے علم میں ہی نہیں تو کون ہے جو ایک حد مقرر کرے کہ حضور اکرم ﷺ وہاں تک تشریف لے گئے۔ جہاں تک رب نے چاہا تشریف لے گئے تو وہ عالم یہ عالم دنیا، نہیں تھا۔ وہاں دیدار باری ہوا، آپ ﷺ نے جمال باری دیکھا تو اس میں کوئی استعباد نہیں ہے کہ دنیا تو کہیں نیچے رہ گئی اور آپ ﷺ بالائے آسمان تشریف لے گئے۔ لہٰذا معراج پر آپ ﷺ کو دیدار نصیب ہوا۔

حضرت موسیٰؑ سے جو خطاب ہو رہا ہے وہ اس عالم دنیا کی بات ہو رہی ہے۔ موسیٰؑ بالائے آسمان تو نہیں تھے۔ طور پر جلوہ افروز تھے۔ مکالمہ الٰہی نصیب ہوا تو ذوق نظارہ بھڑک اُٹھا اور کہہ اٹھے بار الٰہا آپ کو

دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ کریم نے فرمایا قَالَ لَنۡ تَرٰىنِیۡ آپ نہیں دیکھ سکیں گے۔ دنیا عالم فانی ہے ان آنکھوں اور اس بصارت میں وہ جرأت نہیں کہ میرا جمال دیکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ بہت کریم ہیں اور انبیاءؑ اس کے بہت ہی زیادہ مقرب بندے ہوتے ہیں۔ اللہ کریم نے بتا دیا۔ بات کافی ہوگئی۔ موسیٰؑ کو ماننے میں کوئی عار بھی نہیں تھی۔ نبیؑ سے زیادہ مطیع کون ہوسکتا ہے۔ اللہ کی بات ماننا نبیؑ کی شان اور عظمت ہے۔ ماننے کا حق بھی انبیاءؑ ہی ادا کرتے ہیں۔ دل کے پورے خلوص سے دل کی گہرائی سے اور پوری محنت سے اللہ کے حکم کو ماننا یہ شان انبیاءؑ کی ہے پھر صحابہؓ کی پھر درجہ بدرجہ اولیاء اللہ کی ہے۔ ہم تو ان کی نقل کرتے ہیں۔ ہماری تو یہ اداکاری ہے اللہ اسے قبول فرمالے، بخش دے کہ اس کے نیک بندوں کی نقل تو کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لَنۡ تَرٰىنِیۡ اور موسیٰؑ نے سر تسلیم خم کر دیا۔ لیکن اس کریم نے سمجھانے کی خاطر فرمایا۔ آپ جس چوٹی پر کھڑے ہیں اس کے پار ایک چوٹی ہے درمیاں میں ایک بہت بڑی وادی ہے۔ تو وادی کے پار والی چوٹی پر نگاہ رکھیں وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیۡ ۚ میں اس پہاڑ پر تجلی القاء کروں گا۔ اگر وہ پہاڑ برداشت کر گیا، سلامت رہا تو پھر آپ بھی دیکھ سکیں گے۔ آپ کو بھی دکھا دیں گے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا لیکن جب رب العالمین نے چھوٹی سی تجلی ذات فرمائی جس کے بارے اسرار الٰہی سے واقف علماء صوفیا کہتے ہیں کہ یہ تجلی بھی براہ راست نہیں تھی بلکہ ایسی تھی جیسے کسی کے سامنے آئینہ رکھ کر عکس دوسری طرف کر دیا جائے۔ تجلی باری براہ راست ہوتی تو شاید یہ زمین مٹ جاتی، کائنات تباہ ہوجاتی۔ پس چھوٹی سی تجلی ذاتی کا عکس اس پہاڑ پر پڑا تو وہ پھٹ گیا۔ پرخچے اُڑ گئے، ریزہ ریزہ ہوگیا اور اس تجلی الٰہی میں اتنی ہیبت تھی کہ موسیٰؑ اس پہاڑ سے دور وادی کے پیچھے دور سے پہاڑ پر کھڑے تھے وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ آپؑ بے ہوش ہوکر گر پڑے فَلَمَّاۤ اَفَاقَ پھر جب افاقہ ہوا، ہوش میں آئے تو عرض کی قَالَ سُبْحٰنَكَ اللہ تو پاک ہے۔ تجھ جیسا کوئی دوسرا نہیں۔ تو ہر کمال کا مالک ہے اور ہر خامی سے پاک ہے تُبْتُ اِلَیْكَ میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ میں معافی چاہتا ہوں مجھے یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں عرض کر بیٹھا لیکن اب مجھے سمجھ آ گئی ہے کہ مجھے یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں توبہ کرتا ہوں وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ اور اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں سب سے پہلا ایمان والا ہوں کوئی دوسرا میرے جیسا ایمان نہیں رکھتا۔ تیری عظمت پر سب سے بہترین ایمان میرا ہے۔

صوفیا کے لئے نکتہ فکر:

یہاں مفسرین نے لکھا ہے کہ صوفیا کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اپنی حیثیت کے مطابق مطالبہ کریں۔ بعض لوگوں کو مناصب حاصل کرنے کا شوق ہو جاتا ہے۔ یہ شوق انہیں مروادیتا ہے جو پہلے پاس ہوتا ہے اسے بھی ضائع کر کے چلے جاتے ہیں۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر تمنا نہیں کرنی چاہیے بلکہ تمنا کرنی ہی نہیں چاہیے۔ اللہ کریم بہتر جانتے ہیں کہ کس کو کیا چیز دینی ہے۔ اپنے وقت پر وہ نعمت اس کو مل جاتی ہے اس لئے یہ دعویٰ کرنا کہ میں فلاں منصب کا اہل ہوں یہ درست نہیں۔ موسیٰ ؑ اللہ کے اولوا العزم رسول تو یہ فرما رہے ہیں کہ اللہ کریم مجھے چاہیے تھا کہ میں یوں عرض گزار ہوتا۔ اے میرے اللہ تو جس حال میں رکھے میں راضی ہوں مجھے تیری رضا چاہیے تو عطا فرمائے تو تیری مہربانی ہے اور نہ دے تو ہمارا کوئی مطالبہ نہیں۔ علماء حق فرماتے ہیں کہ صوفی کے لئے یہی اصول ہے کہ محنت کرے، خلوص اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کرے، اس کے بعد مطالبہ نہ کرے۔ یہ اللہ کی عطا ہے کہ وہ صاحب مجاز بنا دے، خلافت دے دے، مراقبات بلند کر دے۔ فرمایا، قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ ارشاد ہوا اے موسیٰ ؑ میں نے ان لوگوں میں آپ کو اپنی رسالت کے لئے منتخب فرما لیا ہے اور یہ بہت بڑا عظیم مرتبہ ہے وَبِكَلَامِىْ ۖ اور آپ کو شرف ہمکلامی عطا فرما کر فضیلت بخشی ہے۔ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ اے موسیٰ ؑ! جو میں نے عطا کر دیا ہے اسے پکڑ لیجئے اور اس پر میرا شکر ادا کیجئے۔

فرمایا، وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ ہم نے موسیٰ ؑ کو لکھی لکھائی الواح یعنی تختیاں عطا فرمائیں۔ ان تختیوں میں زندگی کے سارے سوالوں کے جواب تھے، نصیحت تھی اور پوری زندگی بسر کرنے کی رہنمائی تھی۔ آپ ؑ کو حکم ہوا کہ انہیں پوری قوت سے تھام لیجئے۔ تھام لینے سے یہ مراد نہیں کہ دونوں ہاتھوں سے کتاب پکڑ کر بیٹھ رہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عقیدہ بھی اس کے مطابق ہو اور عمل بھی اس کے مطابق ہو وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۚ اور اپنی قوم کو بھی اس کے مطابق اطاعت کا حکم دے دیجئے۔ اور اسے خوب صورت انداز سے تھامیئے۔ یعنی یہ ماننا مجبوری کا ماننا نہ ہو کہ نہیں مانا تو کہاں جائیں گے۔ مانے بغیر چارہ نہیں، اس طرح کا ماننا نہ ہو بلکہ اسے ٹوٹ کر چاہیں اس پر جان دے دیں لیکن اس کا اتباع نہ چھوڑیں۔ وَّاْمُرْ کا مطلب ہے احکام الٰہی پر عمل کروانا۔ جہاں تک ممکن ہو حکم دے کر عمل کروانا چاہئے جیسے بیوی بچوں پر اختیار رہوتا ہے تو انہیں حکم دے کر ان سے اطاعت الٰہی کروائے اگر

ملک کا حکمران ہے یا خاندان اور قبیلے کا سربراہ تو اس سے ان سب کے بارے سوال ہوگا اور جس کی کوئی نہیں سنتا اس کا اپنے وجود پر تو اختیار ہے کہ وہ اس ایک وجود کو اللہ کی اطاعت اور رسولؐ کے اتباع میں لے آئے۔ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ﴿۱۴۵﴾ جو نہیں مانتے انہیں جو ٹھکانہ نصیب ہوگا وہ میں آپ کو دکھا دوں گا۔ نہ ماننے والوں کا انجام بھی آپ کے سامنے آجائے گا۔

امت مرحومہ کے لئے سبق:

موسیٰ ؑ کو جو الواح مبارک عطا ہوئیں وہ بنی اسرائیل کے لئے تھیں اور ایک خاص وقت کے لئے تھیں۔ ختم الرسل، آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ رہتی دنیا تک کے لئے مبعوث ہوئے آپ ﷺ کو الحمد سے والناس تک تیس پارے قرآن حکیم نے عطا ہوا۔ تمام انبیائے سابقین پر کتابیں نازل ہوتی رہیں۔ ان کا مقصد نزول بھی ہدایت کے لئے تھا تا کہ لوگوں کا عقیدہ اور عمل کتاب اللہ کے مطابق ہو۔ جنہوں نے کتاب الٰہی کو مانا اس کے مطابق عقیدہ و عمل رکھا وہ کامیاب ہو گئے اور جنہوں نے نافرمانی کا راستہ چنا ان کے بارے آیت مبارکہ بتا رہی ہے کہ نافرمانوں کا انجام بھی دکھا دیا جائے گا۔ قرآن حکیم کا ہر انداز ہمیشہ تک کے لئے رہنمائی کا سبب ہے۔ نافرمانوں کا انجام بتا کر عبرت دلائی جا رہی ہے۔

آج ہم ایسے دور میں ہیں جب کہا جا رہا ہے کہ شریعت پرانی باتیں ہیں۔ اب ان پر عمل ممکن نہیں۔ خدائی طاقت اسمبلی کے پاس ہے۔ اسمبلی جو قانون بنائے گی اس پر عمل ہوگا۔ اور اسمبلی کی اکثریت ملک کے قرضے کھا جانے والوں، غریبوں کا مال ہڑپ کرنے والوں، جعلی ڈگریوں والے ان پڑھوں اور دھوکہ دہی کے مقدمات میں ملوث لوگوں پر مشتمل ہے۔ قرآن حکیم میں جا بجا عبرت کے واقعات موجود ہیں جو بتاتے ہیں کہ قوموں نے جب یہ روش اپنائی تو ان پر طرح طرح کے عذاب آئے۔ قحط، افلاس، معیشت کا تنگ ہو جانا، فرقہ فرقہ ہو کر گروہوں میں بٹ جانا تو کیا یہ عذاب آج ہم پر مسلط نہیں؟ سارے دانشور سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں اس دہشتگردی کا علاج تلاش کرتے ہیں لیکن کوئی قوم سے یہ نہیں کہتا کہ ان عذابوں سے نکلنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اجتماعی توبہ کر لو۔ آقائے نامدار ﷺ سے عہد غلامی استوار کر لو۔ حضور اکرم ﷺ کی سنت کو تھام لو۔

سنت کیا ہے؟

حضور اکرم ﷺ نے بطور عبادت جو کام علی الدوام کیا ہے وہ سنت ہے۔ سنت دو طرح کی ہیں۔

سنت عبادت اور سنت عادت۔ سنت عادت میں امور عادیہ آتے ہیں ان پر عمل کیا جائے تو نورٌ علی نور ہے۔ مثلاً حضور اکرم ﷺ دائیں کروٹ پر لیٹتے تھے۔ سونے سے پہلے بالوں میں کنگھی کرنا پسند فرماتے تھے۔ سرمہ لگانا پسند فرماتے تھے تو یہ سنین عادیہ ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا لباس خاص قسم کا تھا، جوتے اس زمانے کے خاص تھے۔ آج اس طرز کے لباس اور جوتے نہیں مختلف ہیں۔ حالات اور علاقوں کے مطابق مختلف لباس پہننا درست ہے بشرطیکہ اس میں ستر عورت کو مدنظر رکھا جائے یعنی جسم کے پوشیدہ حصے نظر نہ آئیں اور نہ ہی وہ لباس کسی کافر قوم کی قومی شناخت ہو۔ باقی سارے لباس جائز ہیں اور سنت عادیہ ہیں۔

سنت عبادت پر عمل کرنا فرض ہے۔ سنت مطہرہ کی شرعی حیثیت سنت ہے لیکن اس سنت پر عمل کرنا فرض ہے۔ یعنی فی نفسہٖ وہ عمل فرض نہیں ہے لیکن جب حضور اکرم ﷺ نے کیا تو اس سنت پر عمل فرض ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ کا اتباع فرض ہے۔ یعنی زندگی بسر کرنے کا طریقہ اور انداز خواہ وہ شادی بیاہ ہو یا موقعہ غم سب کچھ حضور اکرم ﷺ کے اتباع میں کرنا فرض ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں اسی بات کا حکم دیا جا رہا ہے کہ کتاب اللہ کے احکامات کو نافذ کرنا اہل اقتدار کی ذمہ داری ہے خواہ وہ کسی درجے کا بھی حکمران ہو۔ ملک وقوم کا ہو، قبیلے و کنبے کا، گھر کا ہو یا صرف اپنی ذات ہی کا ہو۔

تکبر کا نتیجہ:

کتاب اللہ کو نہ تھامنا اور ارشادات نبیؐ کو اختیار نہ کرنے پر جو سزائیں مرتب ہوتی ہیں ان کے بارے فرمایا سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ جب یہ میری آیات قدر نہیں کرتے تو میں ان کے دلوں کو پھیر دیتا ہوں۔ میں ان کے دلوں پر تصرف فرماتا ہوں۔ پھر میری آیات ان کے پلے ہی نہیں پڑتیں۔ یہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔ سننا ہی نہیں چاہتے۔ یہ سزا انہیں اس لئے دی جاتی ہے کہ یہ زمین میں ناحق اکڑتے پھرتے ہیں اور تکبر اختیار کئے ہوتے ہیں۔ خود کو بڑا عقل مند سمجھتے ہیں حالانکہ نبیؐ کے مقابلے میں عقل سوائے تباہی کے کچھ نہیں دے سکتی۔ عقل آخرت کے لئے نہیں ہے۔ مادی دماغ مادی وجود کی ضروریات کی تکمیل کے ذرائع تلاش کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے ہے۔ آخرت مادی نہیں ہے، ابدی ہے۔ آخرت کے حقائق سے صرف انبیاءؑ آگاہ فرماتے ہیں۔ جہاں عقل نبیؐ کے ارشادات کو نہ پاسکے وہاں عقل غلط اور اللہ کے نبیؐ کا فرمان سچ ہوتا ہے۔ اسلام تو کہیں بھی خلاف عقل حکم نہیں

دیتا۔ بشرطیکہ عقل درست ہو۔ اگر عقل ہی گھوم گئی ہو۔ کسی پر تکبر کے باعث اللہ کا ایسا عذاب آ گیا ہو کہ اس نے اس کا دماغ ہی الٹ دیا ہو تو پھر اور بات ہے۔

آج کے بڑے بڑے دانشور مذاکرے کرتے رہتے ہیں۔ اور عہد حاضر کی تباہی اور عذابوں کے لئے دنیا بھر کے علاج تجویز کرتے ہیں سوائے توبہ کے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ کی طرف نہیں آتے یہ کیسی دانشوری ہے۔

قرآن حکیم نے فرمایا یہ ناحق تکبر کرتے ہیں۔ تکبر تو ہوتا ہی ناحق ہے تو قرآن نے اسے ناحق تکبر کیوں فرمایا؟ اس لئے کہ تکبر کرنے والے خود بھی جانتے ہیں کہ جو اکڑفوں وہ دکھارہے ہیں وہ حقیقت نہیں ہے۔ یہ اپنی حیثیت سے خود بھی واقف ہیں کہ دراصل یہ وہ نہیں ہیں جو یہ بن کر دکھارہے ہیں وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ ان کو اس ناحق تکبر کے سبب یہ سزا دی جاتی ہے کہ کتنے ہی معجزات نبوت دیکھ لیں، کتنی آیات اور کمالات قدرت دیکھیں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ وہ مانتے ہی نہیں۔ اور یہ اللہ کی طرف سے سزا ہوتی ہے۔ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ اور انہیں نیکی کی طرف بلاؤ تو لڑ پڑتے ہیں۔ عمل کرنا تو دور کی بات ہے نیکی کی دعوت دو تو سننا گوارا نہیں کرتے وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ برائی کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے اسے ضرور اختیار کرتے ہیں اور نیکی پسند ہی نہیں آتی۔

اتنی سخت سزا کیوں ملتی ہے؟ فرمایا، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اس وجہ سے کہ انہوں نے میری آیات کو جھٹلایا ہے، انکار کیا ہے، اللہ کے احکام کو قابل اعتنا ہی نہ سمجھنا کیا کم جرم ہے؟ وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ اور یہ اللہ کی آیات سے غافل ہو گئے۔ یہ اس بات کو بھلا ہی بیٹھے کہ اللہ کا ارشاد ہے، کلام الٰہی ہے، نبیؐ کا فرمان ہے۔

قرآن حکیم قیامت تک کی انسانیت کی رہنمائی کے لئے ہے۔ اس کی حفاظت کا ذمہ اس نے خود لے رکھا ہے۔ آج ہمارے پاس من وعن وہی قرآن حکیم موجود ہے جو حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوا۔ اب اگر ہم اس کی طرف توجہ نہیں کریں گے، غور نہیں کریں گے، اس کے مطابق عمل نہیں کریں گے تو اس میں موجود وہ سزائیں بھی مرتب ہوں گی جنہیں آج ہم بھگت بھی رہے ہیں۔

اللہ کریم ہمیں توبہ کی توفیق نصیب فرمائیں اور حضور اکرم ﷺ کا دامن تھامنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ فرمایا، قانون الٰہی یہ ہے کہ جولوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں یا آخرت کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں ان کے اعمال ضبط ہو جاتے ہیں، غارت ہو جاتے ہیں هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور بات بھی سچ ہے کہ وہی اجر ملے گا جو وہ کرتے تھے اگر وہ دنیا کے لئے کرتے تھے تو دنیا میں ہی اجر مل جائے گا اور آخرت کے لئے کریں گے تو آخوت کا اجر پائیں گے۔

اعتقادی انکار، عملی انکار:

اس آیہ کریمہ میں ایک قانون بیان فرمایا گیا ہے کہ جو تمام بنی آدم کے لئے ہے کہ انکار کا نتیجہ گمراہی ہو گا۔ اور گمراہی کا بدلہ جہنم ہے۔ انکار دو طرح سے ہے۔ ایک انکارِ اعتقادی کہ جس نے سرے سے حضور اکرم ﷺ کی نبوت کا ہی انکار کر دیا وہ کتاب اللہ کو کیا مانے گا اور اسوۂ رسول اللہ ﷺ سے کیا رہنمائی لے گا۔ یہ انکار اعتقادی ہے اور اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔ احتیاط کا پہلو یہ ہے کہ انکار عملی کو بھی کم مضر نہ سمجھا جائے۔ عمل کا انکار یہ ہے کہ زبانی اقرار ایمان ہو لیکن اس کا عمل انکار کر رہا ہو۔ آئمہ کرام کے نزدیک ایمان عمل کا نام ہے۔ عمل ایمان کا گواہ ہے۔ بندہ جب یہ کہتا ہے کہ وہ ایمان رکھتا ہے تو یہ اس کا دعویٰ ہے اور اس کا کردار اس پر گواہی دیتا ہے کہ یہ مسلمان ہے۔ یہ حرام نہیں کھاتا، حلال کھاتا ہے، جھوٹ نہیں بولتا، سچ کہتا ہے، فرض کے وقت فرض عبادت ادا کرتا ہے، نفل کے وقت نفل پڑھتا ہے، زندگی اسلام کے مطابق گزارتا ہے۔ اگر کردار غیر اسلامی ہو جائے جیسا کہ معاشرے میں دیکھا جاسکتا ہے کہ بے شمار لوگ فرائض سے غافل ہیں۔ صلوٰۃ ادا نہیں کرتے، روزے نہیں رکھتے، زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو حرام کو حلال سمجھتا ہے جیسے سود کا نام بدل کا منافع یا Mark up یا Profit رکھ دیا۔ اسی طرح رشوت لینا، دوسروں کا مال لوٹنا، تنخواہ لے کر ڈیوٹی پوری نہ کرنا، غداری کرنا، جھوٹ بولنا یہ سب عملی انکار کی مختلف صورتیں ہیں۔

جس طرح موسیٰؑ کی قوم نے عملی انکار کیا اور گمراہ ہو گئے اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ انہوں نے موسیٰؑ کے مقابل اپنی رائے کو اہمیت دی۔ آج بھی جتنے لوگ عملاً اسلام کا انکار کرتے ہیں اور غیر اسلامی چیزوں کو اپناتے ہیں ان کی دلیل بھی یہی ہے کہ جو کام وہ کر رہے ہیں وہ مناسب ہے اور جب انہیں بتایا جائے کہ

شریعت کا حکم یہ ہے تو وہ اپنی رائے کو اہم سمجھتے ہیں گویا وہ دبے لفظوں میں یہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ ﷺ نے جو بات بتائی وہ ٹھیک نہیں اور ان کی اپنی ذاتی رائے یا خاندان میں پہلے سے رائج رسومات ورواجات ٹھیک ہیں۔

یادرکھیں! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے میں کسی کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں۔ جو نبیؑ فرمادیں وہ قطعی حق ہے۔ ایمان والے مردوں اور عورتوں کو اس کے خلاف سوچنے کا بھی اللہ نے اختیار نہیں دیا کہ وہ دل میں بھی اس کے خلاف سوچے اور زبان سے نکالے۔ اور اگر کوئی یہ جرم کرتا ہے تو پھر اس کے نیک اعمال ضبط ہوجاتے ہیں۔ ان کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

کافر کے نیک اعمال کا صلہ:

بعض کافر بھی دنیا میں نیک کام کردیتے ہیں، ہسپتال بنوادیتے ہیں، تالاب، سرائے وغیرہ بنوادیتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں تو انہیں ان کی نیت کے مطابق صلہ دے دیا جاتا ہے۔ کسی بھی غیر مسلم کا نہ اللہ پر ایمان ہے نہ نبی ﷺ پر نہ آخرت پر تو جب وہ ان حقائق پر ایمان ہی نہیں رکھتا تو وہ اللہ کے لئے یا آخرت کے لئے کیوں نیکی کرے گا؟ وہ کسی نہ کسی دنیاوی مفاد کے لئے نیکی کرتا ہے۔ اس کے ذہن میں ہوتا کہ خیراتی کام کرجاؤں کہ مصیبت ٹل جائے، بیماری ٹھیک ہوجائے، نیک نامی اور شہرت ملے، مال وغیرہ میں اضافہ ہوجائے اور لوگ کہیں کہ یہ اچھا آدمی ہے۔ یعنی اس کے نیک عمل کے پیچھے کسی نہ کسی دنیاوی مقصد کا حصول ہوتا ہے اس لئے اس کے نیک عمل پر اُخروی اجر مرتب نہیں ہوتا۔

اُخروی اجر کے لئے اللہ تعالیٰ پر یقین، اللہ کے نبیؐ پر ایمان، آخرت پر اس امید سے یقین کرنا کہ اس سے اللہ کریم راضی ہوں گے میری خطائیں معاف فرمائیں گے اور آخرت میں اس کا اچھا بدلہ دیں گے۔
کسی عمل کے نیک ہونے کے لئے اور نیک عمل کی قبولیت کے لئے بنیادی شرط یہی ہے کہ عقیدہ درست ہو۔

سورۃ الاعراف رکوع 18 آیات 148 تا 151

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم نے ان کے بعد اپنے (مقبوضہ) زیوروں کا ایک بچھڑا بنالیا (جو) ایک قالب (تھا) جس میں ایک آواز تھی کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ وہ ان سے بات تک نہیں کرسکتا ہے اور نہ انہیں راہ دکھا سکتا ہے۔ انہوں نے اس کو (معبود) اختیار کرلیا اور وہ بہت غلط کام کرنے والے تھے ﴿۱۴۸﴾ اور جب وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوئے اور دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے اگر ہمارا پروردگار ہم پہ رحم نہ کرے اور ہمیں معاف نہ فرمائے تو ہم ضرور سخت نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے ﴿۱۴۹﴾ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غصے

اور رنج سے بھرے ہوئے واپس آئے فرمایا تم نے میرے بعد میری بہت ہی بری نیابت کی کیا تم نے اپنے پروردگار کے حکم (کے آنے) سے (پہلے) جلد بازی کر لی؟ اور تختیاں (ایک طرف) رکھیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ انہوں (ہارون علیہ السلام) نے عرض کیا اے میرے ماں جائے! (یہ) لوگ تو یقیناً مجھے کمزور سمجھتے تھے اور مجھے قتل کر دینا چاہتے تھے۔ سو ایسا نہ کریں کہ دشمن مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالموں میں مت ملایئے ﴿۱۵۰﴾ انہوں (موسیٰ علیہ السلام) نے عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دیجئے اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمایئے اور آپ سب پر رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں ﴿۱۵۱﴾

تفسیر و معارف

وحی الٰہی کی نگرانی کے بغیر عقل پر بھروسہ گمراہی ہے:

حضرت موسیٰ توطور پر تشریف لے گئے اور پیچھے سے ان کی قوم نے موسیٰ کا انتظار کئے بغیر محض اپنی رائے اور عقل کے بھروسے پر سامری کی بات مان لی اور گمراہی کے راستے پر چل پڑے۔ سامری، بنی اسرائیل ہی کا ایک گمراہ شخص تھا جو عملیات اور جادو کرتا تھا اس نے بنی اسرائیل کے لوگوں کو اکسایا تم مجھے سونا دو میں میں تمہیں ایک محیر العقول چیز بنا کر دیتا ہوں۔ چونکہ بنی اسرائیل ہی فرعونیوں یعنی قبطیوں کے گھروں کا سارا کام کاج کرتے تھے تو انہیں معلوم تھا کہ فرعونی اپنا زیور اور مال کہاں رکھتے ہیں۔ جب بنی اسرائیل وہاں سے نکلے تو وہ فرعونیوں کا مال و دولت اور سونا اپنے ساتھ لے گئے۔ سامری نے وہ سونا ان سے لے لیا، اسے پگھلا کر سانچے میں ڈھالا تو وہ بچھڑے کی شکل کا جانور بن گیا۔

یہی بات اس آیہ مبارکہ میں ارشاد ہو رہی ہے وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ کہ موسیٰ کے طور پر جانے کے بعد ان کی قوم نے زیوروں کو بچھڑے کی صورت میں ڈھالا اور وہ ایک قالب تھا جس میں سے ایک بے معنی سی آواز آتی تھی۔ وہ تو محض ایک مجسمہ تھا اس میں زندگی نہ تھی

محض آواز کی وجہ سے انہیں لگا کہ اس میں زندگی کے آثار ہیں اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ یہ تو بے معنی آواز نکالتا ہے نہ ان سے بات کرتا ہے نہ ان کی بات سمجھتا ہے نہ جواب دیتا ہے اور نہ ان کی کوئی رہنمائی کرسکتا ہے، نہ انہیں کوئی راستہ بتا سکتا ہے، نہ ان کے بنیادی سوالات سے آگاہی دے سکتا ہے۔ اللہ سے تعلق کا طریقہ نبیؐ سے وفا کرنا دنیا کی زندگی کے آداب، لین دین، معاملات کا سلیقہ ان تمام بنیادی اہمیت کے امور میں سے کسی میں بھی رہنمائی نہیں کرسکتا تو پھر اسے کیوں معبود بنالیا؟ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِیْنَ۝ فرمایا، انہوں نے اسے اپنا معبود اختیار کر کے اپنے ساتھ بہت بڑا ظلم کیا، اپنے آپ کو تباہ کرلیا۔ ان میں سے اکثر لوگوں نے اس کی پوجا شروع کردی، اس کے جلوس نکالتے، اس کے گرد ناچتے، اسے اٹھا کر چلتے اور آگے پیچھے مرد وعورتیں نعرے لگاتے، کھیل کود کرتے اور اپنی دانست میں اس طرح اسے خوش کرتے اور یوں اس کی عبادت کرتے تھے وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ پھر کچھ لوگوں کو خیال آیا کہ یہ تو خود ہمارا محتاج ہے، ہم اسے اٹھا کر یہاں رکھتے ہیں اور کبھی دوسری جگہ رکھ دیتے ہیں۔ تو ہم اسے کیوں اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں۔ یہ ہمارا کیا سنوارے گا یہ تو خود ہمارا محتاج ہے تو پھر اسے سجدے کرنے کا کیا فائدہ؟ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا، ندامت ہوئی اور سمجھ آگئی کہ ہم سے غلطی ہوئی ہم گمراہ ہوگئے تھے۔

معیتِ انبیاءؑ کا خاصہ:

انبیاءؑ کی معیت کا خاصہ ہے کہ بندے کو برائی کا احساس ہو کر توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ کہنے لگے قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۝ اگر ہمارے پروردگار نے ہم پر رحم نہ فرمایا، ہماری خطا معاف نہ فرمائی تو پھر ہم بہت گھاٹے میں رہیں گے۔ انبیاءؑ کرام کے بعد امت کے صلحاء کی معیت میں بھی باتباع نبیؐ یہ توفیق منجانب اللہ نصیب ہوتی ہے کہ دل برائی کی کڑواہٹ محسوس کرکے بدن کو اسے چھوڑنے پر مجبور کردیتا ہے۔

اللہ کریم بے حد مہربان ہیں اور کسی شخص کا کوئی گناہ رحمت الٰہی کو عاجز نہیں کرسکتا لیکن ہر نبیؐ نے توبہ کے قاعدے اور ضابطے ارشاد فرمائے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے انہیں تنبیہہ کی اور سب نے توبہ کرلی۔ اس واقعے کی تفصیل سورہ بقرہ میں گزرچکی ہے کہ ان کی توبہ کی اللہ کریم نے ایک شرط عائد کردی حکم ہوا فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ البقرة:54 اگر تم توبہ کرتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس نے بچھڑے کو سجدہ کیا ہے وہ گردن

جھکا دے اور جس نے سجدہ نہیں کیا وہ اس کی گردن مار دے خواہ باپ کو بیٹے کی گردن مارنی پڑے یا بیٹے کو باپ کی تو تمہاری توبہ قبول ہوگی۔ یوں بے شمار لوگ قتل ہوئے کہ بنی اسرائیل کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ موسیٰ نے دیکھا کہ خون سے زمین پر کیچڑ بن گیا ہے تو آپؑ نے دعا کی کہ بار الٰہا یہ جاہل تھے تو کریم ہے انہوں نے زیادتی کہ تو رحیم ہے۔ اتنی کثیر تعداد قتل ہو چکی ہے باقی کیا بچے گا۔ رحم فرما۔ اللہ کریم کا ارشاد ہوا کہ اب تک جو لوگ قتل ہو چکے ہیں ان کی توبہ منظور کی جاتی ہے اور انہیں شہادت کا درجہ عطا کیا جاتا ہے اور جو بچ گئے ہیں میں ان کو معاف فرماتا ہوں۔ تب بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی۔

قرآن حکیم یہ واقعات مسلمانوں کو سنا کر تلقین کرتا ہے؟ یہ سبق سکھاتا ہے کہ پچھلی قوموں نے اپنے نبیؑ کے دین سے منہ پھیرا تو ان پر ان کے حساب سے سزا مقرر ہوئی تو مسلمانوں کو اللہ کریم نے نبی رحمت ﷺ کی صورت میں اپنی رحمت کو مجسم کر دیا ہے۔ تو رحمت عالم ﷺ کے دامان سے دور رہنا کتنی بڑی محرومی ہوگی!

حضور اکرم ﷺ کی شان رحمۃ اللعالمینی:

آقائے نامدار ﷺ کی بعثت کے بعد جس کسی نے بڑے سے بڑا جرم کیا ہے تو اللہ کریم نے کسی پر قتل ہونے کی شرط نہیں لگائی، کوئی مشقت نہیں ڈالی، کوئی جرمانہ عائد نہیں کیا فرمایا، جو کر چکا ہے اس کو چھوڑ دے اسے دوبارہ نہ کرے وَلَمْ يُصِرُّوا عَلٰى مَا فَعَلُوْا آل عمران: 135 خلوص دل سے گناہ سے باز آجائے۔ سچے دل سے کہہ دے جو کیا غلط کیا آئندہ نہیں کروں گا۔ اب میں خلوص دل سے تیرے نبی ﷺ کا دامن تھامتا ہوں تو وہ رب رحیم فرمایا ہے میں تمہارے سارے گناہ معاف کرتا ہوں ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ او کما قال رسول اللہ ﷺ (ابن ماجہ)

فرمایا، گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں تھا۔

وسیلہ کا مفہوم:

آپ ﷺ کی شان رحمۃ اللعالمینی سے مستفید ہونا ہی وسیلہ کا مفہوم ہے۔ ہمارے ہاں وسیلہ کو مسئلہ بنا کر اس پر بحثیں کی جاتی ہیں کہ جائز نہیں اور دوسرے کہتے ہیں کہ وسیلے کے بغیر کام نہیں ہوتا۔ یہ بحث عموماً جہلاء کرتے ہیں۔ اہل علم اس پر بحث نہیں کرتے، بات کو سمجھانے اور واضح کرنے کے لئے علمی انداز میں آداب نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے طریقے اور سلیقے سے بات کرتے ہیں۔ عام لوگوں کا نہ مطالعہ ہوتا ہے نہ انہوں نے کہیں سے تحصیل علم کیا ہوتا ہے لہٰذا ان کی بحث جاہلانہ ہوتی ہے اور گستاخی کی حد

تک چلی جاتی ہے۔ اس موضوع پہ بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور بحث کی ضرورت نہیں۔

وسیلہ سے مراد یہ ہے کہ اس سے بڑا وسیلہ کیا ہوگا کہ بندے کی ستر، اسی سال عمر گناہ میں گزر گئی ہو اور وہ ربّ کریم فرمائے کہ ایک مرتبہ خلوص دل سے میرے نبی کریم ﷺ کا دامن تھام لو اور کہہ دو کہ اے میرے اللہ! آج تک جو ہوا غلط ہوا۔ اب میں وہ کروں گا جو تیرے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے تو میں تیری ساری خطائیں معاف کر دوں گا۔ دامان رسالت ﷺ کو پکڑنا ہی وسیلہ ہے اور یہ کرنے کا کام ہے۔ زبانی کہنے کا نہیں۔ توبہ کا معنی یہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا دامن تھام لے۔ عقیدہ وہ رکھے جو آپ ﷺ نے عطا فرمایا۔ عمل وہ اختیار کرے جس کے کرنے کا حکم آپ ﷺ نے دیا۔ بات ختم۔ زندگی بھر کی خطائیں معاف ہوگئیں بلکہ فرمایا يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ الفرقان :70 اللہ کریم ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیں گے۔

اس کا کرم پھر اس کا کرم ہے

اس کے کرم کی بات نہ پوچھو

اس نے فرمایا میں اس امت پر اتنا کرم کروں گا کہ صرف گناہ معاف نہیں کروں گا بلکہ جتنے گناہ کئے ہیں اتنا اس کو نیکیوں کا ثواب دوں گا۔ یہ ہے وسیلہ تو پھر کیا یہ چھوڑ دینے والی چیز ہے؟ پھر تو دامانِ رسالت کو فوراً پکڑ لینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ اگلے لمحے موت آجائے اور ہمارا ہاتھ خالی ہو۔

بنی اسرائیل جب نادم ہوئے تو کہنے لگے کہ اب اللہ ہی رحم کرے اور ہمارے گناہ معاف فرمائے ورنہ ہم تو بہت گھاٹے میں چلے گئے تو اللہ کریم نے ان پر رحم فرمایا۔ ان کے گناہ معاف فرمائے لیکن توبہ کا طریقہ بہت مشکل تھا۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ موسیٰؑ جب واپس آئے اور قوم کا حال دیکھا تو دکھ اور غصے کی کیفیات آپؑ پر غالب آئیں۔ آپؑ کو دکھ ہوا اور غصہ آیا کہ میں انہیں فرعون کے قہر سے چھڑوا کر سمندر چیر کر اللہ کی رحمت کے زیر سایہ لایا ہوں اور یہ بچھڑا بنا کر پوجنے لگ گئے۔ اللہ کے لئے غصہ کرنا سنت انبیاءؑ ہے یعنی غصہ اللہ کے لئے ہو اپنی ذات کے لئے نہیں۔ آپؑ نے فرمایا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ تم نے تو میری نیابت بہت بری کی۔ تم نے تو میرا دین ہی بدل کر رکھ دیا۔ دین پر عمل نہ کرنا تو اور بات تھی تم نے تو ظلم کیا کہ دین ہی تبدیل کر دیا۔ تم نے بہت ہی برا کیا۔

اُمت مسلمہ کے لئے سبق:

بنی اسرائیل نے اپنے نبیؑ کی خلافت کا حق ادا نہیں کیا تو اپنے نبیؑ کو تکلیف پہنچائی، دکھ پہنچایا۔ کیا ہم

حضور اکرم ﷺ کی خلافت کا حق ادا کر رہے ہیں؟ قران حکیم گزشتہ اقوام کے احوال، حکائتیں، محض قصہ گوئی کے لئے بیان نہیں فرماتا بلکہ جس قصے کے جس حصے میں اصلاح کا جو پہلو نکلتا ہے اور زیر بحث موضوع پر جتنی ضرورت ہوتی ہے قرآن حکیم اتنی وضاحت کرتا ہے۔ یہاں یہی فرمایا جارہا ہے کہ موسیٰؑ کو غصہ آیا اور دکھ ہوا کہ ان کی قوم نے دین بدل دیا۔ سوچنا چاہیے کہ ہم جو مسلمان کہلاتے ہیں کیا ہم تو اپنے رسول ﷺ کو کوئی ایسی تکلیف نہیں دے رہے؟ اگر ہم نے نظام بدل دیا تو پھر اسرائیلیوں اور ہم میں کیا فرق ہے؟ بلکہ ہم ان سے بڑے مجرم ہیں کہ ہمارے نام نہاد دانشور کہتے ہیں کہ یہ تو گئی گزری بات ہے۔ دور حاضر کا ایک سرکاری دانشور میڈیا پہ علی الاعلان کہتا ہے اللہ اکبر کا زمانہ رخصت ہوا۔ یہ صریح کفر ہے۔ کہنے والا کافر ہے۔ جرأت دیکھیں!

ٹھوس حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کا نام رخصت ہونے کے لئے نہیں ہے۔۔ اللہ کا دین رخصت ہونے کے لئے نہیں ہے نزول قرآن سے لے کر قیامت تک کے لئے ہے۔ یہ قرآن بھی رہے گا، اس کے پڑھنے والے بھی رہیں گے، اس کو سمجھنے اور عمل کرنے والے بھی ہوں گے خواہ تھوڑے ہوں یا زیادہ۔ یہ بندوں کے اپنے اپنے نصیب کی بات ہے لیکن کوئی اسے ختم نہیں کرسکتا۔ کبریائی اور اللہ اکبر صرف اللہ ہی کو زیب ہے۔ اگر اللہ اکبر چلا جائے تو باقی کیا بچا؟ ایسا کہنے والوں کی بدقسمتی ہے۔ وطن عزیز پر کافروں کا مسلط کردہ غلامانہ نظام مسلط رکھنے والے یہی ہیں جو آئین پاکستان کو مقدس کہتے ہیں جو قانون اللہ نے اور رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے اس کی تقدیس کی پرواہ نہیں، دستور پاکستان کو بھی کاغذوں میں بند رکھا ہوا ہے اس کی اس شق پر عمل کیوں نہیں ہوتا جس میں لکھا ہے کہ کوئی قانون خلاف شریعت نہیں بنایا جائے گا۔ ملک میں رائج غیر شرعی قوانین کو آج شرعی قوانین میں کیوں نہیں ڈھالا گیا؟ آج غریب کو سزا کے شکنجے میں جکڑ لیا جاتا ہے اور امیر کو ضمانت پہ رہا کر دیا جاتا ہے اور دوسرے تیسرے دن وہ بری ہو جاتا ہے۔

کیا ہر کلمہ گو کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ ان فرامین کا پورے خلوص دل سے اتباع کرے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں، کیا حضور اکرم ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد ہم یہ حق ادا کر رہے ہیں؟ ہمارے پاس بے عملی کا ایک جواز ہوتا ہے کہ حکومت غلط کر رہی ہے۔ عوام، تاجر، دکاندار، عہدیدار غلط کر رہے ہیں تو ہم کیا کریں؟ یاد رہے ایک فرد کی غلطی دوسرے کے لئے غلط کرنے کا جواز نہیں ہے۔ ہمیں کسی غلط کار کا اتباع نہیں کرنا ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع کرنا ہے۔ ایک اور بہانہ بھی رائج ہے۔ کہا

جاتا ہے کہ ایک فرد کے بدلنے سے، ایک میرے بدل جانے سے کون سا معاشرہ بدل جائے گا؟ حالانکہ اللہ کریم نے ہر فرد کو اپنی ذمہ داری دی ہے اس سے اس کے اپنے وجود کے بارے ضرور سوال ہوگا کہ کیا تم نے حلال کھایا؟ اپنے وجود سے نیکی کروائی یا برائی کا بوجھ اٹھوایا، جھوٹ بولا یا سچ کہلوایا، جائز ذرائع سے رزق حاصل کیا یا رشوت لی؟ ہر فرد کی ذات اس کے پاس اللہ کی امانت ہے۔ اس ایک ذات کی اصلاح بنیاد ہے۔ اس کے بعد اس کا کنبہ اس کی ذمہ داری ہے پھر خاندان اور پھر معاشرہ۔ اگر فرد اپنی بنیادی اصلاح ہی نہ کرے تو معاشرہ کیسے سدھر سکتا ہے؟

موسیٰ ؑ نے تو فرمایا تھا بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْ بَعْدِیْ ۚ کہ تم نے میرے بعد میری بہت ہی بری نیابت کی تو جب ہم آخرت میں پیش ہوں گے تو حضور اکرم ﷺ کیا فرمائیں گے؟

قرآن حکیم ایک منظر نامہ پیش کرتا ہے کہ روز محشر میں لوگ اٹھیں گے اور جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اسی طرح سب میدان حشر کی طرف بھاگ رہے ہوں گے۔ سب ایک ہی طرف جا رہے ہوں گے تو جو لوگ دنیا میں مسلمان کہلاتے تھے وہ سب حضور اکرم ﷺ کے لوائے حمد کی طرف بھاگیں گے۔ ہر نبیؑ کی امت اپنے نبیؑ کی طرف بھاگ رہی ہوگی۔ کافر آوارہ ہوں گے۔ جب کلمہ گو حضور اکرم ﷺ کے جھنڈے کی طرف بھاگ رہے ہوں گے تو حضور اکرم ﷺ ترک قرآن کرنے والوں کے بارے اللہ کے حضور التجا فرمائیں گے يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا الفرقان:30 انہیں میرے پاس آنے سے روک دیا جائے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کو چھوڑ رکھا تھا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے قرآن حکیم کی تنفیذ کے لئے زندگی بھر محنت کی۔ اللہ کا قرآن سنایا، اس کے مطابق افراد تیار کئے، معاشرہ اور ریاست بنائی اس راستے پر دکھ اٹھائے، زخم کھائے، ساتھی شہید کروائے، قربانیاں دیں اور کلمہ گو ہو کر لوگوں نے قرآن کو عملی زندگی سے باہر نکال دیا۔ انہوں نے قرآن کو زندگی کے کسی شعبے میں نافذ ہی نہ کیا۔ عمل میں قرآن کو نزدیک، نہ آنے دیا تو پھر کس طرح حضور اکرم ﷺ کے رحمت کے جھنڈے تلے جگہ پاسکیں گے؟ یہ آیت ہمیں دعوت فکر دے رہی ہے کہ ہم غور کریں کہیں ہم قرآن کے باہر تو زندگی نہیں گزار رہے؟ اگر قرآن ہماری زندگیوں میں نہیں ہے تو خطرہ ہے کہ جہاں سے رحمتیں بٹتی ہیں وہاں سے ہمیں دھتکار دیا جائے تو پھر کوئی جائے پناہ نہیں رہے گی۔

قرآن حکیم کے واقعات کو صرف قصے کہانیاں سمجھ کر نہیں سننا چاہیے بلکہ اس کے حالات اپنے

حالات پر منطبق کر کے دیکھنا چاہیے قرآن حکیم ہمیں آئینہ دکھاتا ہے کہ ہم اس میں خود کو تلاش کریں کہ کہاں کھڑے ہیں۔

فرمایا اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ تم نے امر ربی سے پہلے جلد بازی کر لی۔ میں تمہارے لئے کتاب الٰہی لینے طور پر گیا اور تم نے کتاب الٰہی کے آنے سے پہلے اپنی عقل پر بھروسہ کرلیا اور خود ہی سوچ کر ایک چیز بنالی اپنے نبیؑ کا انتظار نہ کیا اور اپنی عقل ناقص پر بھروسہ کر کے گمراہی اختیار کر لی۔ تم نے کتنا بڑا ظلم کیا۔

وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ آپؑ کو اتنا غصہ آیا کہ آپؑ کو تورات کی جو لکھی لکھائی تختیاں مل گئی تھیں آپؑ نے ایک طرف رکھ دیں وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ اور بھائی ہارونؑ کے بال مبارک پکڑ لئے اور بالوں سے پکڑ کر انہیں ناراضگی سے جھٹکے دیئے قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ انہوں نے عرض کی اے میرے بھائی! لوگوں کی اکثریت اس طرف ہوگئی تھی۔ میرے ساتھ چند ہی لوگ تھے۔ انہوں نے مجھے کمزور سمجھا۔ میں نے انہیں بچھڑے کی پوجا سے منع کیا تو وہ اس حد تک آگے بڑھے کہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ اسی ضمن میں دوسری جگہ ملتا ہے کہ ہارونؑ نے فرمایا، مجھے قتل ہونے کا ڈر نہیں تھا، میں اس لئے ڈر گیا کہ آپؑ جب واپس آئیں گے تو آپ کہیں گے میں نے قوم میں تفریق ڈال دی لہٰذا میں انہیں روکنے کے لئے اس حد تک نہیں گیا کہ لوگ بٹ جائیں کچھ میرے قتل کے درپے ہوں اور کچھ مجھے بچانے والے ہوں لہٰذا اے میرے بھائی آپؑ مجھ پر ناراض ہو کر دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں اور مجھے ان ظالم لوگوں میں شمار نہ فرمائیں۔

آیہ مبارکہ سے دور حاضر کی اصلاح کا سبق:

یہ آیت ایک آئینہ ہے۔ بنی اسرائیل کی حکایت ایک سبق دے رہی ہے کہ اپنے مفادات کی خاطر قوم کو تقسیم نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ آج کل حکمران کر رہے ہیں۔ ان افراتفری کے حالات میں ہارونؑ والی بات اختیار کرنی چاہیے۔ خود حق پہ قائم رہ کر مثال بننا چاہئے اور ظلم سے الگ رہنا چاہیے۔ زیادتی کا حصہ نہیں بننا چاہیے۔ اپنی سی کوشش کر کے اللہ سے بہتری کی امید رکھنی چاہیے۔

فرمایا قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ موسیٰؑ

نے جب حالات کو سمجھا تو بھائی کو سینے سے لگا لیا اور دعا کی کہ یا اللہ میں تیرا دین پوری محنت سے انہیں پہنچا رہا تھا۔ میرے بھائی نے بھی پورے خلوص سے اس راستے پہ اپنی پوری طاقت صرف کی تو ہم دونوں پہ رحم فرمایا۔

انبیاء علیھم السلام کا طریقہ:

انبیاء کرامؑ کا طریقہ یہ ہے کہ نیکی کر کے بخشش مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ میری نیکیاں بھی تیری بارگاہ کے سزاوار نہیں ہیں۔ میں نے کی ہیں تو یہ توفیق بھی آپ نے عطا فرمائی۔ مجھے بخش دے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہم دونوں کو اپنی رحمت خاصہ میں داخل فرما۔

دونوں بھائی نبی علیہ السلام بھی تھے۔ نیکی پہ قائم بھی تھے اور نیکی کر کے دعا کیا مانگ رہے ہیں؟ اے اللہ! ہمیں معاف فرما۔

اس میں سبق یہ ہے کہ نیکی کرو، بھلائی کرو لیکن نیکی کا اجر اللہ سے چاہو، لوگوں پر احسان نہ کرو۔ اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھو، اس کی مغفرت چاہو، اللہ سے اس کی رحمت طلب کرو اور کہو کہ بلاشبہ تو ہی سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

گناہ پہ دلیر ہونا تو بڑی جرأت کی بات ہے۔ نیکی کر کے بخشش طلب کرنی چاہیے کہ نیکی تو تب نیکی ہے جب اس کی بارگاہ میں قبول ہو جائے۔ ہماری نیکیاں، ہماری عبادتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کی بارگاہ کی کتنی عظمت ہے پھر اس بارگاہ میں جہاں انبیاءؑ کے سجدے موجود ہیں، مقبولان بارگاہ کے سجدے ہوں، فرشتے سربسجود ہوں، ساری کائنات سجدہ ریز ہو، وہاں میرے اور آپ کے سجدے کی کیا حیثیت ہے؟ ہمارا حال تو یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں بھی ہمارا وجود سجدے میں ہوتا ہے دل نجانے کہاں پھر رہا ہوتا ہے، دماغ کیا سوچ رہا ہوتا ہے، لہٰذا ہمیں اگر نیکی کی توفیق ملے تو اس پہ نازاں ہو کر خود کو بڑا نہیں سمجھنا چاہیے ہر حال میں نیکی کر کے بخشش طلب کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

سورۃ الاعراف رکوع 19 آیات 152 تا 157

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿١٥٢﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ؗ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٥٣﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿١٥٤﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٦﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ؗ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ

وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی ان کو عنقریب ان کے پروردگار کے غضب اور دنیا کی زندگی میں ذلت کا شکار ہونا پڑے گا اور ہم جھوٹ باندھنے والوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ﴿۱۵۲﴾ اور جن لوگوں نے بُرے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کی اور ایمان لائے تو بے شک آپ کے پروردگار اس کے بعد بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۱۵۳﴾ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ فرو ہوا تو تختیوں کو اٹھا لیا اور ان کے مضامین میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے ہدایت اور رحمت تھی ﴿۱۵۴﴾ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے ستر (۷۰) آدمی ہمارے وقت مقررہ پر لانے کے لئے چنے سو جب ان کو زلزلہ نے آ پکڑا تو (موسیٰ علیہ السلام) عرض کرنے لگے اے میرے پروردگار! اگر آپ کو یہ منظور ہوتا تو آپ اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتے کیا آپ ہم سے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دیں گے یہ صرف آپ کی (طرف سے) آزمائش ہے اس سے آپ جسے چاہیں گمراہی میں ڈال دیں اور جسے چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں آپ ہی ہمارے خبر رکھنے والے (دوست) ہیں سو آپ ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحم فرمایئے اور آپ سب سے بہتر بخشنے والے ہیں ﴿۱۵۵﴾ اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی کہ یقیناً ہم آپ کی طرف رجوع ہو چکے۔ فرمایا میں جس پر چاہتا ہوں اپنا عذاب نازل کرتا ہوں اور میری رحمت ہر شے کو شامل ہے سو عنقریب میں اس کو ان لوگوں کے نام لکھوں گا جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں ﴿۱۵۶﴾ جو لوگ ایسے پیغمبر جو نبیِ اُمّی (حضرت محمد ﷺ) ہیں کی پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور انہیں برے کاموں سے منع فرماتے ہیں

اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان لوگوں پر سے ان کے بوجھ اور ان کے (گلے میں پڑے ہوئے) طوق اتارتے ہیں پس جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی حمایت کی اور ان کی مدد کی اور جو نُور اِن کے ساتھ نازل ہوا اس کی پیروی کی وہی لوگ (پوری) کامیابی حاصل کرنے والے ہیں ﴿۱۵۷﴾

تفسیر و معارف

جب بنی اسرائیل سمندر سے پار اترے اور موسیٰؑ طور پر تشریف لے گئے تو قوم نے بعد میں ایک بچھڑا بنا لیا اور اس کی پوجا کرنے لگے فرمایا، اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی ان کو ان کے پروردگار کی طرف سے غضب اور ذلت کا سامنا ان کی دنیاوی زندگی میں بھی کرنا ہوگا۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں افتراء کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے ساتھ بھی من جانب اللہ یہی سلوک کیا جاتا ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں دو باتوں کا ذکر ہے۔ ایک غیر اللہ کی عبادت اور دوسرا اللہ پر جھوٹ باندھنا اور دونوں غلط کاموں کا دنیاوی انجام اور اخروی نتیجہ بھی بتا دیا گیا ہے۔

غیر اللہ کی عبادت کا مفہوم:

عبادت صرف یہ نہیں کہ کسی کے سامنے سجدہ کیا جائے بلکہ کسی کی غیر مشروط اطاعت کو عبادت کہتے ہیں۔ کسی کی اطاعت اس سے نفع کی امید پر کی جائے یا اس سے نقصان پہنچنے کے اندیشے پر اس کی غیر مشروط اطاعت کرنا عبادت ہے۔ یہ اطاعت کسی فرد کی ہو، بُت کی، ستاروں کی، فرشتوں کی یا شیطان کی ہو۔ اللہ کے حکم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کسی اور کا حکم ماننا اللہ کے احکام کے مقابلے میں کسی اور کے احکام کو ترجیح دینا ہی غیر اللہ کی عبادت ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں آتا ہے کہ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ الجاثیہ:23 آپ نے لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اپنی خواہش نفس کی عبادت شروع کر دی ہے۔ خواہش نفس کا بت بنا کر اس کے سامنے سجدے تو کوئی نہیں کرتا۔ نفس کی بات کو پورا کرنے کے اسباب مہیا کرتا ہے جبکہ نفس کی

خواہش حکم الٰہی کے مخالف ہوتی ہے۔ نفس کی ایسی اطاعت ہی غیر اللہ کی عبادت ہے۔

فرمایا جنہوں نے بچھڑے سے اپنی امیدیں وابستہ کرلیں اور اللہ کو چھوڑ دیا ان کو اس دنیاوی زندگی میں بھی غضب الٰہی کا اور ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا ہے۔

اللہ پر جھوٹ باندھنا کیا ہے؟

جو شخص بھی اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد میں اضافہ کر کے اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر یہ کہتا ہے کہ یہ ثواب ہے وہ اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ نیکی تو صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمادی رسول اللہ ﷺ نے بیان کردی۔ جو خلفائے راشدین سے ثابت ہوئی جس پر سلف صالحین عمل پیرا رہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم ﷺ تک اندازاً سوا لاکھ انبیاءؑ دنیا پر تشریف لائے اور سارے انبیاء کرامؑ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام ہی بیان فرماتے رہے۔ کسی نبیؑ نے دین کے نام پر کوئی چیز اپنی طرف سے بیان نہیں کی جو حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا اسے امت تک پہنچاتے رہے۔ تو پھر وہ لوگ کس طرح جسارت کرتے رہے کہ دین میں اپنی رائے داخل کر کے کہیں کہ یہ دین ہے۔ ان کا یہ کہنا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے اور جھوٹ باندھنے والوں کو یہی سزا ہے کہ انہیں دنیا میں غضب الٰہی کا شکار ہونا پڑتا ہے اور ذلت رسوائی اٹھانی پڑتی ہے۔

بعثت عالی نے تکمیل نبوت کردی:

حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو اگرچہ وسائل ظاہری نہیں تھے۔ باہمی روابط کے وہ برق رفتار ذرائع جو آج ہیں وہ تب نہیں تھے لیکن حضور ﷺ کی آواز میں کتنی طاقت تھی کہ پوری دنیا کے کفر نے اس آواز کو دبانے پر پورا زور لگایا لیکن وہ دعوت پھیلتی چلی گئی۔ اس آواز کی گونج بڑھتی گئی۔ تئیس برس میں قرآن حکیم کا نزول مکمل ہوا تو نزول قرآن کے مکمل ہونے تک پورے جزیرہ نمائے عرب پر اسلامی ریاست قائم ہو چکی تھی اس ریاست کا عقیدہ، نظریہ، اس کا نظامِ حکومت، نظامِ عدل، نظامِ معیشت، اس کی تہذیب پوری کی پوری اسلامی سانچے میں ڈھل چکی تھی کہ جب حکومت بنتی ہے تو وہ بین الاقوامی شمار میں آجاتی ہے اور اس کی بات از خود روئے زمین پر پھیل جاتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے چشم عالم سے پردہ فرمایا اور خلفائے راشدین کا دور مبارک شروع ہوا تو

وصال نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ٹھیک تیس برس کے اندر اندر دنیا پر اتنی بڑی اسلامی ریاست بن چکی تھی جس کی سرحدیں ایک طرف چین اور سائبریا سے ملتی تھیں اور دوسری طرف افریقہ، ہسپانیہ اور یورپ میں تھیں۔ پورا ہندوستان اس ریاست میں شامل ہو چکا تھا۔ روئے زمین پر اتنی بڑی اسلامی ریاست بن چکی تھی کہ اس وقت کی دو عظیم طاقتیں روم اور ایران، یعنی قیصر و کسریٰ اسلامی حکومت میں ضم ہو چکی تھیں۔

حضور اکرم ﷺ کی زبان عالی سے اللہ تعالیٰ نے کہلوایا یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا الاعراف:158 اے لوگو! میں تم سب کے لئے اللہ کا رسولؐ ہوں۔ بعثت عالی ﷺ نے قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے نبوت کی تکمیل کر دی۔

آپ ﷺ کے ارشاد عالی کا ترجمہ ہے ''میری اور اگلے تمام پیغمبروں کی مثال یہی ہے کہ ایک شاندار محل ہے جس کی تعمیر بڑی حسین اور خوبصورت کی گئی ہے لیکن اس کی تعمیر میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ دیکھنے والے اس محل کو ہر طرف سے گھوم پھر کر دیکھتے ہیں انہیں اس کی تعمیر کی خوبی اور خوبصورتی بہت اچھی لگتی ہے ان کو اس سے تعجب ہوتا ہے کہ یہاں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے۔ فرمایا فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَ اَنَا خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط میں ہی وہ اینٹ ہوں جس سے اس قصر نبوت کی تکمیل ہوئی اور میں خاتم النبین ہوں۔ (بخاری) یعنی آپ ﷺ کے مبعوث ہونے سے وہ عمارت مکمل ہو گئی اس پر مزید کوئی اینٹ پتھر لگانے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ سورہ الاحزاب میں بھی ارشاد فرمایا ہے خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط الاحزاب:40 نبوت کو ختم کرنے والے ہیں۔ ان ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب ہوگا، ملعون ہوگا، علماء نے لکھا ہے کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والا تو کذاب ہے جھوٹا ہے لیکن کسی جھوٹے نبی کی دلیل مانگنے والا بھی کافر ہے۔ اس معاملے کی اتنی نزاکت ہے کہ اس میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ چند صحابہؓ کو بوسیدہ اوراق ملے اور وہ بیٹھے دیکھ رہے تھے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے دیکھا تو فرمایا نبی کریم ﷺ سے پوچھ لیتے ہیں۔ آپ ﷺ جب مسجد نبوی میں رونق افروز ہوئے تو عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ تورات کے یہ کچھ پرانے اوراق ملے ہیں ہم دیکھنا چاہ رہے ہیں کہ موسیٰؑ کی تعلیمات کیا تھیں؟ آپ ﷺ کے رخ انور پر ناپسندیدگی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ صحابہؓ لرز گئے آپ ﷺ نے فرمایا آج اگر موسیٰؑ دنیاوی زندگی کے ساتھ دنیا میں موجود ہوتے لو کان موسیٰ حیٌ لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتّباعی او کما قال رسول اللہ ﷺ میرے اتباع کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰؑ قرب قیامت میں آسمانوں سے نازل ہوں گے۔ دنیا پہ رہیں گے، شادی کریں گے،

وصال ہوگا اور روضۂ اطہر میں دفن ہوں گے۔ چودہ سو سال ہو گئے حضور اکرم ﷺ روضۂ اطہر میں آرام فرما ہیں، ابوبکر صدیقؓ اور فاروق اعظمؓ کے جگر گوشے حضرات حسنین کریمینؓ کا وصال ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہوتے رہے۔ حضرت حسنؓ کی قبر بھی جنت البقیع میں ہے۔ حضرت عثمانؓ کی قبر بھی جنت البقیع میں ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ، یہ دو قبریں نامعلوم ہیں ویسے لوگوں نے جگہ جگہ ان کے مقابر بنائے ہوئے ہیں لیکن یہ نامعلوم ہیں کسی کے علم میں نہیں ہیں لیکن روضۂ اطہر میں کوئی چوتھی ہستی دفن نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ عیسیٰؑ یہاں دفن ہوں گے۔ عیسیٰؑ بھی جب دنیا پر تشریف لائیں گے تو اگر چہ خود صاحب کتاب نبیؑ ہیں۔ انؑ پر انجیل نازل ہوئی تھی لیکن آپؑ دنیا پر تشریف لا کر محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئے قرآن اور حدیث کی پیروی کریں گے۔ آپ ﷺ کے ارشاد کردہ احکام پر ہی عمل کریں گے۔ سوچنا چاہیے کہ اللہ کے اولوالعزم رسول جو کلیم اللہ ہیں وہ بھی دنیا میں واپس آئیں اور پوچھیں کہ بار الٰہ آپ نے مجھے دنیا میں دوبارہ بھیجا ہے ارشاد فرمایئے مجھے کیا کرنا ہے تو حکم ہوگا کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا ہے اس پر عمل کرنا ہے اب کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوگا۔ جہاں انبیاءؑ و رسل کا یہ حال ہے وہاں ماوشما اپنی مرضی کریں گے تو کیا ہوگا؟

دین پر اپنی رائے کو ترجیح دینے کا انجام:

جب ہم اپنی مرضی سے قانون بنائیں گے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے دیئے ہوئے قانون کی پرواہ نہیں کریں گے ہم اپنی مرضی سے زندگی کا نظام بنائیں گے اور قرآن کریم کے دیئے ہوئے نظام حیات کی پرواہ نہیں کریں گے تو ہمارے ساتھ کیا ہو گا؟ فرمایا سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ الاعراف: 152 اللہ کا غضب بھی ہوگا اور تباہ بھی ہوں گے۔ بے آبرو ہوں گے اور ذلیل بھی ہوں گے۔ آج ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے ان میں سے کوئی بات ہے جو ہم پر نہیں بیت رہی۔ وجہ؟ وجہ یہ ہے کہ ہم نے اللہ کے قانون کو ٹھکرا دیا ہے، چھوڑ دیا ہے۔ صرف چھوڑ نہیں دیا ٹھکرا دیا ہے۔ کہتے ہیں یہ قابل عمل ہی نہیں۔ چھوڑ دینا الگ بات ہے لیکن اسے حق تو مانا جائے۔ یہ تو کہا جائے کہ جو میں کر رہا ہوں یہ غلط ہے سچ وہ ہے، حق وہ ہے جو قرآن میں ہے جو سنت میں ہے جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا وہ حق ہے میں غلطی کر رہا ہوں پھر بھی بچنے کی گنجائش ہے۔ لیکن یہاں تو سیدھا سیدھا کہہ دیا جاتا ہے یہ تو قدامت پسند ہیں چودہ سال پرانی باتیں کرتے ہیں نبی کرم ﷺ کوئی سو سال دو سو سال کے لئے مبعوث نہیں ہوئے تھے آپؐ تو بعثت سے قیامت تک کے لئے رسولؐ ہیں کیا آج کوئی یہ کلمہ پڑھتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول تھے۔ ہے کوئی ایسا؟ ہر کلمہ گو کہتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ آج بھی اللہ کے رسول ہیں کیا کوئی ''تھے'' کا

''کانَ'' کا لفظ لگا تا ہے؟ کیا کوئی کانَ محمد رسول کہتا ہے کہ کبھی رسول تھے۔ کوئی ایسا کلمہ ہے؟ تو اگر آج بھی اللہ کے رسول آپ ﷺ ہیں تو بات کس کی مانی جائے گی؟ ہم کون سے معاملے میں مان رہے ہیں۔ کیا ہمارا معاشی نظام دین کے مطابق ہے، کیا ہمارا عدالتی نظام دین کے مطابق ہے؟ یہ جو لوگ انصاف، انصاف کی رٹ لگا کر عدالتوں کی کرسیوں پر بیٹھتے ہیں اور کسی کو سزائے موت دے رہے ہیں اور کسی کو بری کر رہے ہیں ان کو یہ خیال نہیں آتا کہ یہ قانون تو انگریز کا بنایا ہوا کالونیل سسٹم تھا یہ اللہ کا قانون تو نہیں۔ اگر کسی نے قتل کیا ہے تو وہ سزائے موت کا مستحق ہے لیکن میں اور آپ اسے گولی نہیں مار سکتے۔ وہ باقاعدہ عدالت میں جائے گا اس پر جرم ثابت ہوگا عدالت اسے سزائے موت دے گی۔ لیکن آج عدالت کسے کہتے ہیں؟ عدالت تو عدل سے مشتق ہے عدل کہاں ہے؟ جہاں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے وہاں عدل ہے۔ جہاں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم نہیں بلکہ کافر کا بنایا ہوا قانون چل رہا ہے اسے تو عدالت کہنا گناہ ہے یہ تو عدالت کہلا نہیں سکتی اور یہ اگر گنہگار کو بھی سزائے موت دیں گے تو انہیں قبر میں جا کر پتہ چلے گا کہ کافر کے قانون کے مطابق وہ کسی کو پھانسی نہیں لگا سکتے تھے۔ جب آنکھ بند ہوگی جب قبر میں داخل ہوں گے تو پتہ چلے گا کیا کرتے رہے۔

جس طرح انہوں نے اللہ کی عبادت چھوڑ کر ایک بچھڑے کی پوجا شروع کر دی اسی طرح جو بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات چھوڑ کر کوئی اور اسلوب زندگی اپنائے گا وہ غیر اللہ کی پوجا کر رہا ہے اور اس کو اسی عذاب سے گزرنا ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ مصیبتیں بھی نازل کریں گے اور اسے دنیا میں بھی ذلیل و رسوا کریں گے۔

فرمایا کہ جو بھی غیر اللہ کی پوجا کرتا ہے وہ اللہ پر جھوٹ بولتا ہے کیونکہ وہ اس کام کو دین کہتا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا اور اس کام کو باعث ثواب بتاتا ہے جسے اللہ نے باعث ثواب نہیں بتایا ثواب کا مطلب ہے اللہ کا حکم اور اللہ نے وہ حکم نہیں دیا ہوتا لوگوں نے رواج بنا لئے ہوتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں ڈھول بجاتے ہیں پٹاخے چلاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ دین ہے یہ ثواب ہے فرمایا یہ اللہ پر جھوٹ ہے اور جھوٹ بولنے والوں کی یہی سزا ہے۔ ان کو دنیا میں غضب الٰہی اور ذلت کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

اللہ کے غضب سے محفوظ رہنے کی تدبیر:

لیکن یاد رکھیں یہ قانون صرف قوموں کے لئے نہیں ہے افراد کے لئے بھی یہی ہے۔ اگر لوگ نہیں

سنتے ، افراد نہیں مانتے نہ مانیں۔ اکثریت نہیں مانتی نہ مانے ، قوم نہیں مانتی نہ مانے ، بندہ خود تو مانے ، فرد تو مانے۔ جو فرد اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا دنیا کی بھڑکتی ہوئی آگ اس کے لئے ابراہیمؑ کی طرح نرم و گداز بن جائے گی۔ اللہ اسے ذلیل ہونے سے بچالے گا اس پر عذاب الٰہی نہیں آئے گا جو خاندان اطاعت اختیار کرے گا وہ بچ جائے گا جو قوم اختیار کرے گی وہ بچ جائے گی۔ فرمایا وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ جو لوگ برائی کرتے ہیں، گناہ کرتے ہیں، غلط کام کرتے ہیں ثُمَّ تَابُوْا ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے وہ اپنے غلط ہونے کا اقرار کریں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے برحق ہونے کا اقرار کریں اور اللہ سے معافی مانگیں اور آئندہ اتباع رسالت اختیار کرلیں۔ اس خرافات کو اس عمل کو چھوڑ دیں تو اللہ کے غضب سے محفوظ ہو جائیں گے ثُمَّ تَابُوْا مِنۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ؗ توبہ یہ ہے کہ پھر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات پر ایمان لے آئیں، یقین کرلیں اور ایمان وہ ہوتا ہے جو عمل پر مجبور کر دیتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں اٰمَنُوْا کے ساتھ جگہ جگہ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ آیا ہے۔ ایمان کی شرح یہ ہے کہ بندہ جب ایمان لاتا ہے تو پھر نیکی کرتا ہے۔ برائی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو بچ جاتا ہے۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم مانا جائے۔ فرمایا، توبہ کرلیں اور اپنا عقیدہ درست کرلیں اور آئندہ زندگی میں میرے حبیب ﷺ کی پیروی اختیار کرلیں تو میری رحمت اتنی وسیع ہے کہ میں معاف کر دیتا ہوں۔ بڑے سے بڑے گناہ معاف کر دیتا ہوں۔

بنی اسرائیل کا ذکر چل رہا ہے گوسالے کی پوجا سے توبہ کی لیکن ان کی توبہ اتنی جلدی قبول نہیں ہوئی۔ فرمایا فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ البقرہ: 54 تمہارے پروردگار کے نزدیک یہ بات پسند کی گئی ہے کہ جنہوں نے گوسالے کو سجدہ کیا ان کی گردنیں اڑادو۔ اگر وہ توبہ کرنا چاہتے ہیں تو گردن نیچی کر کے کھڑے ہو جائیں جنہوں نے سجدہ نہیں کیا وہ ان کی گردن اڑادیں۔ بیٹا باپ کی گردن کاٹ دے باپ بیٹے کی، بھائی بھائی کی، بہت سے لوگ قتل ہو گئے تو موسیٰؑ نے دعا کی بارالٰہا یہ قوم تو تباہ ہو گئی ان پر رحم فرما تو اللہ کریم نے معاف فرما دیا۔ فرمایا، جو قتل ہو گئے ہیں ان کو شہادت عطا کر دوں گا جو بچ گئے ان کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ بعض روایات میں ستر ہزار کا لفظ آیا ہے کہ ستر ہزار لوگ قتل ہو چکے تھے۔ ستر ہزار عربی میں ایک مقولہ بھی ہے کثرت بتانے کے لئے بھی ستر کا لفظ استعمال کر دیتے ہیں۔ اس سے مراد گنتی نہیں ہوتی۔ اس سے مراد ہے کہ بہت سے لوگ مارے گئے۔ صحیح تعداد تو اللہ ہی جانے لیکن بہت سے لوگ قتل ہو گئے اتنا خون بہا کہ موسیٰؑ سحری کو اپنے خیمے سے نکلے تو پاؤں کیچڑ میں دھنس گیا جو مقتولوں کے خون سے بن

چکا تھا تو آپؑ نے دعا فرمائی کہ بارالہا ان پہ رحم فرما تو ان کی توبہ قبول ہوگئی۔

بعثت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اللہ کریم نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی کہ جنہوں نے گناہ کئے ہیں، میرے نبیؐ کی نافرمانی کی ہے وہ اپنے گلے کاٹیں۔نہیں۔فرمایا، خلوص سے توبہ کرلیں اور عقیدہ درست کر لیں۔ یہ شرط لگائی کہ پھر رسومات کو دین نہ سمجھیں۔خرافات کو دین نہ سمجھیں وہی بات نہ کریں بلکہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکم کے مطابق تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا توبہ کریں اور توبہ یہ ہے کہ اپنا ایمان صحیح کرلیں۔ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ فرمایا یقیناً تیرا پروردگار بہت بڑا بخشنے والا ہے۔بہت بڑا رحم کرنے والا ہے، کسی کے گناہ اس کی رحمت کو عاجز نہیں کرسکتے۔کسی کے گناہ میں یہ ہمت نہیں ہے کہ رحمت الٰہی اس کے گناہ معاف نہ کراسکے کیونکہ اس کی رحمت بہت وسیع ہے اور اس کی بخشش بہت وسیع ہے اور یہ بخشش صرف دامان محمد رسول اللہ ﷺ سے ملے گی جو بھی ہے جہاں بھی ہے دامان رسالت پناہی میں آجائے۔عقیدہ درست کرلے، کردار درست کرلے، اللہ سے بخشش چاہے کہ اللہ مجھ سے غلطی ہوگئی، اللہ معاف کردے گا۔ سبحان اللہ کتنا آسان راستہ اللہ کریم نے بتادیا۔اب اس کے بعد بھی ہماری بدنصیبی ہے اگر ہم توبہ نہ کریں۔ہمارے ہاں روز بحث ہوتی ہے کہ بدامنی ہے، لوٹ مار ہے، جو حفاظت پر مامور ہیں وہ بھی لوٹ رہے ہیں، عذاب الٰہی ہے، قحط سالی ہے یا سیلاب ہیں۔اس کے لئے مختلف حل بتائے جاتے ہیں۔کوئی یہ نہیں کہتا کہ توبہ کرلو، دین پر واپس آجاؤ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرلو۔اس سے بڑی بدبختی کیا ہوگی کہ اللہ نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور ہم ادھر دیکھنا گوارا نہیں کرتے اور پھر مصیبتوں کا حل بھی چاہتے ہیں۔مصیبتوں کا کوئی حل نہیں ہے۔ایک ہی حل ہے کہ دامان رسالت ﷺ میں پناہ لے لو۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ پھر جب موسیٰؑ کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔قوم نے توبہ کی اس بچھڑے کو جلا کر خاک دریا میں پھینکی گئی۔بہت سے لوگ قتل ہوگئے۔اللہ نے فرمایا ان کو شہادت دے دوں گا بہت سے جو بچ گئے ان کی توبہ قبول ہوگئی۔موسیٰؑ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو آپؑ نے وہ تختیاں اٹھالیں جن پر تورات لکھی ہوئی تھی۔

اللہ کی نافرمانی پر غصہ کرنا کمال ایمان ہے:

اس آیہ مبارکہ میں موسیٰؑ کے غصہ کرنے کا ذکر ہے۔جاننا چاہیے کہ آپؑ کو کس بات پر غصہ آیا؟ آپؑ کو غیر اللہ کی پوجا پر غصہ آیا۔غصے کا بھی ایک مقام ہے۔ہر صفت اپنے مقام پہ اچھی لگتی ہے۔غیر مقام پہ جب

وہ جاتی ہے تو بری لگتی ہے۔لوگوں کو پیسے بانٹنا اچھی صفت ہے لیکن جائز جگہ پر، حلال کمائی کر کے لوگوں کی جائز ضرورتیں پوری کرنا اچھی بات ہے اور اگر ایک آدمی ایک طرف سے لوٹنا شروع کر دے رشوت لینا شروع کر دے دوسری طرف کہے کہ میں غریبوں کو پال رہا ہوں تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔غریبوں کو پالنا ہے تو محنت کر کے حلال پیسہ کما کر پالے۔ ہر صفت اپنے مقام پر اچھی لگتی ہے۔غصہ اچھی صفت شمار نہیں ہوتا لیکن غصہ کا بھی مقام ہے جیسے کہ اللہ کی نافرمانی پہ غصہ کرے تو پھر یہ بھی خوبی ہو جاتا ہے۔جیسا کہ ارشاد باری ہے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ الفتح:29 کافروں کے مقابلے میں فولاد بن جاتے ہیں۔اللہ کی نافرمانی پر غصہ کرنا کمال ایمان ہے۔تو جب قوم نے توبہ کی موسیٰ کا غصہ فرو ہو گیا تو آپ نے تورات کی تختیاں اٹھا لیں۔

کتاب اللہ کے کمالات:

وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ تورات اللہ کی کتاب تھی۔اس میں دو کمال تھے۔ایک کمال تو یہ ہے کہ اس میں ہدایت تھی۔ھدیٰ کیا ہوتا ہے؟ عربی میں ھدیٰ کا معنی ہے کسی بھی کام کو کرنے کا صحیح طریقہ یعنی کہ ھدیٰ کسی ایک طریقے پہ نہیں ہوتا کہ عقیدے کی ہدایت ہوگئی یا کردار کی ہدایت ہوگئی یا علم کی ہدایت ہوگئی۔ نہیں۔ھدیٰ جامع ہے۔پوری زندگی کے ہر کام کو ہر کام کے کرنے کا جو صحیح طریقہ ہے وہ ھدیٰ کہلاتا ہے تو فرمایا تورات میں بھی ہم نے پورا نظام زندگی دیا تھا وہ بھی ھدیٰ تھی زندگی کے ہر کام کو کرنے کا صحیح طریقہ اس میں بتایا گیا تھا لیکن وہ بنی اسرائیل کے لئے تھی۔ایک خاص علاقہ تھا بنی اسرائیل کا ایک خاص قوم تھی اور اس کے باہر دوسری کتابیں دوسرے نبیؑ، دوسرے رسولؑ بھی موجود تھے۔جب محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور قرآن نازل ہوا تو قرآن بعثت عالی سے لے کر قیامت تک کی ساری انسانیت کے لئے کتاب ھدیٰ ہے دنیا میں جہاں جہاں قرآن کی نافرمانی ہوگی غضب الٰہی بھی ہوگا ذلت بھی ہوگی اور جہاں جہاں اس پر عمل ہوگا رحمت الٰہی ہوگی برکت ہوگی۔

تورات میں ہدایت کے علاوہ دوسری بات رحمت الٰہیہ کا نزول تھا وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ اللہ کی کتاب میں دو باتیں ہوتی ہیں تورات میں یہ دونوں باتیں موجود تھیں۔ایک تو ہر کام کو کرنے کا صحیح طریقہ اللہ کی کتاب بتا دیتی ہے دوسرا وہ رحمت الٰہی کے نزول کا سبب ہوتی ہے۔دونوں باتیں تورات میں موجود تھیں کہ وہ ہدایت بھی تھی یعنی ہر کام کے کرنے کا سلیقہ بھی بتاتی تھی اور باعث برکت بھی تھی کہ اسے دیکھنا اسے اٹھانا، اسے پاس رکھنا، اسے پڑھنا، اس کا مطلب سمجھنا، اس پر عمل کرنا یہ سارا کچھ رحمت الٰہی کو بھی

متوجہ کرتا تھا۔ رحمت الٰہی سے مراد یہ ہے کہ کسی نے نیکی کی جس کا اجر تو تھوڑا سا بنتا تھا لیکن رحمت شامل ہو گئی تو وہ پہاڑ سے بھی بڑا ہو گیا۔ ایک نیکی کی تو دس نیکیوں کی توفیق مزید عطا کر دی گئی۔ ایک نیکی کی اللہ نے دس گناہ معاف کر دیئے۔ دس گناہوں سے اس کی حفاظت فرمائی اسے بچانے کا سبب بنا دیا یہ سارے کیا ہیں مظاہر رحمت ہیں اس کا مطلب کیا ہے کہ اللہ کی کتاب کو پڑھنا چاہیے سمجھ آئے تو نورٌ علی نور نہ بھی سمجھ آئے تو پڑھنا رحمت الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ لہٰذا اگر تورات کو پڑھنا رحمت ہے تو قرآن کریم کو پڑھنا اس سے بڑی رحمت الٰہی ہے اس سے بڑی دعوت دیتا ہے۔ لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ دن کی ابتدا قرآن سے کرے اور دن کا اختتام قرآن پہ کرے۔ صبح اٹھ کر تلاوت کرے سونے سے پہلے کر لے تو کیا بات ہے؟ نورٌ علی نور ہو جائے اللہ اس کی زندگی اور موت سنوار دے۔ اس کی بیداری اور اس کی نیند کو بھی قبول فرما لے۔ اس کا سونا بھی عبادت میں شمار ہو جائے لیکن ہماری تو بدنصیبی یہ ہے کہ ہم پڑھتے نہیں۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ اَسّی اَسّی برس ہماری عمر ہو گئی ہم نے سورۂ فاتحہ اور سورہ اخلاص یاد کی اَسّی برس اسی طرح رہے اور اَسّی برسوں میں یہ نہ پوچھا کہ سورۂ فاتحہ کا معنی کیا اور سورہ اخلاص کا مفہوم کیا ہے۔ یعنی ہم نے دین کو وہ اہمیت ہی نہیں دی۔ ہماری بدنصیبی کہ ہم اسے جاننے کی کوشش نہ کریں اور اب تو ایسا وقت آ گیا ہے کہ اب تو جعلی اور نقلی اور بناوٹی پیروں نے (میں اہل اللہ کی بات نہیں کر رہا میں نقالوں کی بات کر رہا ہوں) نیا پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے کہ قرآن پڑھا ہی نہ کرو۔ قرآن پڑھنے سے تو بندہ گمراہ ہو جاتا ہے یعنی لوگ اگر قرآن پڑھیں گے تو جو رواج انہوں نے ایجاد کر رکھے ہیں وہ تو قرآن و حدیث میں کہیں نہیں ملتے۔ لہٰذا گمراہ ہو جاؤ گے یعنی وہ خود کو گمراہ نہیں سمجھتے بلکہ کہتے ہیں جو اللہ کی بات مانے گا وہ گمراہ ہو جائے گا جو ان کے رواج مانے گا وہ ہدایت پا جائے گا آج کل تو معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے تو اگر سمجھ سکے تو قرآن کا ترجمہ ضرور پڑھے ایک آیت مبارک پڑھ لے اس کا ترجمہ اس پر غور کر لے۔ روزانہ ایک آیت بھی پڑھتا رہے تو بڑی بات ہے۔ زیادہ پڑھ لے تو نورٌ علی نور ہے لیکن اگر بالکل ان پڑھ ہے قرآن کا ترجمہ نہیں پڑھ سکتا اس کو سمجھ نہیں آتی تو کم از کم تلاوت قرآن تو کرے۔ میں نے ایسے لوگوں کی باتیں بھی سنی ہیں جو پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن انہیں اللہ کے کلام سے محبت تھی ایک آدمی کو پڑھنا لکھنا آتا نہیں تھا۔ اسے کسی نے پڑھایا نہیں تھا لیکن اسے شوق اتنا تھا کہ وہ روزانہ قرآن لے کر بیٹھتا اور ہر سطر پر انگلی پھیر کے کہتا یہ بھی سچ ہے یہ بھی سچ ہے یہ بھی حق ہے۔ اس کا قرآن سے ایک تعلق تھا میں نے کہا ممکن ہے اللہ نے اس کا یہی قبول کر لیا ہو آخر اس کا قرآن کے ساتھ ایک تعلق تو تھا۔ وہ قرآن حکیم کو کھولتا تھا، دیکھتا تھا، باوضو ہو کر بیٹھتا تھا تصدیق کرتا تھا کہ ہر ہر حرف اس کا سچ ہے خواہ اسے اس کی سمجھ

آتی تھی یا نہیں۔

بہت سی دنیاوی مشکلات کا بھی یہ حل ہے کہ قرآن کی تلاوت کو روزانہ لازمی کریں تھوڑی کریں یا زیادہ کریں اللہ کے ذکر کو لازمی کرلیں اپنے چوبیس گھنٹوں میں سے کم از کم ایک گھنٹہ تو نکالیں آدھا گھنٹہ صبح آدھا گھنٹہ شام کو دنیا سے کٹ کر صرف اللہ کو یاد کیا جائے، اللہ اللہ کی جائے، اللہ کا ذکر اللہ کی رحمت کو دعوت دینا ہے۔قرآن بھی ذکر ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنا ایک ایسی عبادت ہے جو ہمیشہ قبول ہی ہوتی ہے۔ ہمارے پاس کسی نیکی کی کوئی رسید نہیں۔ اپنی طرف سے ہم نیکی کرتے ہیں وہ نیکی ہے یا نہیں اس میں ہمارا خلوص کتنا ہے، وہ قبول بھی ہوگی یا نہیں لیکن درود شریف قبول ہی ہوتا ہے کبھی نامنظور نہیں ہوتا یہ ایک ایسی نیکی ہے جو یقینا قبول ہوتی ہے۔ جو بندہ درود شریف پڑھتا رہے تو حدیث شریف میں وارد ہے کہ دنیا و آخرت کی ہر مصیبت کا علاج ہے۔ دنیا کی بھی اور آخرت کی بھی ہر پریشانی کا علاج ہے کہ بندہ درود شریف پڑھتا رہے۔حق یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کو مانا جائے یہ ھدیٰ ہے۔

تورات اپنے ماننے والوں کے لئے ھدیٰ تھی اور قرآن حکیم قیامت تک کی ساری انسانیت کے لئے کتاب ھدیٰ ہے وَّرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ هُمۡ لِرَبِّهِمۡ يَرۡهَبُوۡنَ اور اس میں رحمت ہے۔ یہاں ایک شرط لگا دی کہ رحمت کون لوگ پاتے ہیں۔جن لوگوں کو اللہ کریم کے خفا ہوجانے کا ڈر رہتا ہے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ کریم ناراض نہ ہوجائے جن کا دلی تعلق رب العالمین سے ایسا بن گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ کوئی بات منہ سے ایسی نہ نکلے جس سے اللہ کریم ناراض ہوجائیں۔کوئی کام مجھ سے ایسا نہ ہوجائے کہ جس سے اللہ کریم ناراض ہوجائیں۔فرمایا، جب ایسے لوگ میرا قرآن پڑھتے ہیں تو ان پر بے پناہ رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

وہ کسی نے بہت خوب کہا تھا کہ میں نیک لوگوں میں سے تو نہیں ہوں لیکن نیکوں کے لئے نیک آرزوئیں ضرور رکھتا ہوں اور تمنا رکھتا ہوں اللھم اھدنی رشدا کہ اللہ مجھے بھی صلاحیت اور نیکی عطا فرمائے۔تو نیکی از خود نہیں آتی اختیار کرنا پڑتی ہے۔نیکی اختیار کرنے کے لئے لازمی اصول ہے کہ پہلے بدی کو چھوڑیں۔ بدی کا راستہ ترک کریں اللہ اور اللہ کے رسول کا راستہ اپنائیں۔اللہ کریم ہے، وہ جتنا چاہے رحمت کرسکتا ہے۔اس کے سوا دنیا و آخرت میں کوئی چارہ گر نہیں۔اللہ کریم ہماری خطائیں معاف فرما کر ہمیں دین حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

موسیٰ ؑ کا ذکر خیر چل رہا ہے۔آپؑ کی قوم نے جب گوسالہ پرستی سے توبہ کی تو موسیٰ ؑ نے الواح

مبارک اٹھا کر قوم کو پیش کیں اور فرمایا کہ مجھے طور پر اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا ہے اور یہ کتاب تورات اللہ کریم نے الواح کی صورت میں لکھی لکھائی مجھے عطا فرمائی ہے لہٰذا اس کتاب الٰہی میں ارشاد کردہ نصاب زندگی کو اپنی ذات پر نافذ کرو۔ یوں تو وہ سب ہی موسیٰ ؑ کی رسالت اور اللہ کی توحید کے قائل ہو چکے تھے لیکن جب موسیٰ ؑ نے تورات پیش فرما کر اسے نصاب زندگی بنانے کا حکم دیا تو انہیں یہی کام بہت مشکل لگا اور کہنے لگے کہ کئی نسلوں سے ہمارا ایک طرز حیات چلا آرہا ہے لین دین کے طریقے، کاروبار و معیشت، رسومات و رواجات، ہمارا طرز زندگی ہے اور آپ اسی نصاب حیات کو بدلنے کا کہہ رہے ہیں؟

دراصل جو رسومات و رواجات عقیدے میں داخل ہو جاتے ہیں ان کو چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اللہ ہی جسے توفیق دے وہ اپنی اصلاح کرتا ہے ورنہ لوگ اسی پر زندگیاں بسر کر جاتے ہیں کہ ان کے باپ دادا ایسا کرتے تھے خواہ باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ شرکیات، بدعات اور کفریات کو لوگوں نے گلے لگا رکھا ہے۔ ہر نبیؑ نے دین کی بنیاد عقیدہ توحید باری پر رکھی ہے لیکن لوگوں کو جب راوجات دین سے عزیز ہو جائیں تو انہیں عقیدہ توحید باری کو ماننے سے زیادہ مشکل اپنا طرز حیات تبدیل کرنا لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، نماز، روزہ اور حج بھی کر لیتے ہیں لیکن معاملات میں لین دین میں، شادی غمی میں رسومات سے نکلنا پسند نہیں کرتے۔ اللہ کریم نے انبیاءؑ پر جو صحیفے یا کتابیں نازل فرمائیں اس میں ان انبیاءؑ کی اقوام کے لئے پورا نصاب زندگی مرتب فرما دیا کہ کون سے کام جائز ہیں، کون سے ناجائز ہیں، کون سا کام کس طریقے سے کرنا ہے یا کون سا کام کس حد تک جائز ہے اور کس حد تک ناجائز ہے؟ یعنی ہر شریعت میں معاملاتِ دنیا کی تمام حدود و قیود متعین فرما دی گئیں اور اصل ایمان ہی یہ ہے کہ عقیدے سے لے کر معاملات تک اپنے نصاب زندگی میں اپنے نبی و رسولؑ کی پیروی کی جائے۔

جب موسیٰ ؑ نے نصاب زندگی اپنانے کی بات کی تو قوم کے لوگوں نے کہا آپؑ چالیس دن طور پر رہے اب آپؑ واپس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے یہ باتیں لکھی لکھائی آپؑ کو دے دی ہیں لیکن ہمیں کیسے یقین آئے کہ نہ ہم میں سے کسی نے دیکھا اور نہ اللہ تعالیٰ کو سنا تو آپؑ ایسا کریں کہ ہمارے منتخب لوگ اپنے ساتھ طور پر لے جائیں۔ آپؑ اللہ تعالیٰ سے کلام کیجئے جب آپؑ کو آواز آئے گی تو یہ بھی سنیں اور آ کر یہ تصدیق کریں کہ واقعی آپؑ اللہ سے ہمکلام ہوئے ہیں اور یہ کتاب اللہ نے آپ کو دی ہے جس پر ہمیں عمل کرنا ہے تو پھر ہم مان لیں گے۔ تو موسیٰ ؑ نے اپنی قوم سے ستر آدمی چنے۔ بنی اسرائیل جب مصر سے نکلے تو ان کی تعداد چھ

سات لاکھ تھی۔ ان میں بارہ بڑے بڑے قبائل تھے۔ ان بارہ قبائل کی مختلف شاخیں تھیں جن میں کئی چھوٹے چھوٹے قبیلے اور خاندان تھے۔ ساری قوم سے آپؑ نے ستر آدمی منتخب فرمائے۔ کلام الٰہی سننا نبیؑ کو ہی سزاوار ہے لیکن ان لوگوں کو سنوانا موسیٰؑ کا معجزہ ہے۔

انسانی سماعت محدود ہے:

انسانی سماعت کی ایک خاص فریکوینسی ہے۔ اس سے نیچے ہو تو آواز سنائی نہیں دیتی۔ اس سے کم تر فریکوینسی پر جانور سن لیتے ہیں۔ مجھے ذاتی تجربہ ہے کہ شکار کے لئے جائیں تو جانوروں کی حس انہیں چوکنا اور ہوشیار کر دیتی ہے اگر کوئی خالی ہاتھ بغیر اسلحہ کے جنگل سے گزر جائے تو جنگلی جانور بھی چرتے پھرتے رہتے ہیں کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ کسی کے پاس بارہ بور کی بندوق ہو تو ان کے اندر گویا خطرے کا الارم بج جاتا ہے قدرت کا ایسا نظام ہے کہ وہ بھاگ کر اتنی دور چلے جاتے ہیں کہ جہاں وہ بندوق کی رینج سے باہر ہو جاتے ہیں اور پھر آرام سے چرنے لگتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس سات ایم ایم پکّے بور کی رائفل ہے تو وہ اتنی دور بھاگ جاتے ہیں کہ نظر ہی نہیں آتے۔ اللہ نے ان کو ایسی حس دے رکھی ہے کہ انہیں سمجھ آجاتی ہے۔ انسان اتنی کم آواز کو نہیں سن سکتا لیکن ایک شکاری دوسرے شکاری سے سرگوشی بھی کرے تو شکار بھاگ جاتا ہے یعنی وہ سن لیتا ہے۔ کئی برس پہلے امریکہ جانا ہوا تو وہاں ایک ایسی ریاست دیکھی جہاں جنگلی ہرن کی بہتات تھی تو ہر شام بہت سے جنگلی ہرن سڑکوں پر آجاتے تھے۔ وہاں کی گاڑیوں میں ایک ایسا ہارن فٹ کر دیا گیا تھا کہ جیسے ہی گاڑی اسٹارٹ کرتے ویسے ہی وہ ہارن بجنا شروع ہو جاتا جب تک سوئچ آن رہتا ہارن بجتا رہتا۔ یہ ہارن کسی انسان کو سنائی نہیں دیتا تھا صرف جنگلی ہرن سنتے تھے۔

کلام باری اور انسانی سماعت:

انسانی سماعت کا ایک درجہ ہے۔ کلام باری کو سننا عام انسانی استعداد سے باہر ہے۔

انبیاءؑ انسان ہوتے ہیں۔ انؑ کا جسم بھی لطیف ہوتا ہے اور روح بھی لطیف ہوتی ہے۔ اتنی پاکیزہ ہستیاں ہوتی ہیں کہ ان سے گناہ کا امکان بھی نہیں ہوتا لہٰذا انبیاءؑ کو اللہ نے یہ استعداد دی ہے کہ کلام الٰہی سنیں غیر انبیاءؑ کے لئے یہ ممکن نہیں لیکن اللہ کریم نے انبیاءؑ کو معجزات عطا فرمائے تاکہ اللہ کی قدرت وعظمت اور انبیاءؑ کی حقانیت واضح ہو جائے۔

نبی اکرم ﷺ کا ایک معجزہ:

بیان کیا جاتا ہے کہ ابو جہل کے ہاتھ میں کچھ کنکریاں تھیں۔ اس نے کہا اگر آپ نبی ہیں تو بتایئے کہ میری مٹھی میں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں بتاؤں تمہاری مٹھی میں کیا ہے یا جو تمہارے مُٹھی میں ہے وہ بتائے کہ میں کون ہوں؟ اور کنکریوں نے کلمہ پڑھ دیا۔ مولوی رومی نے اسے یوں منظوم کیا۔

لا الہ گفت الا اللہ گفت

جوہر احمد رسول اللہ سفت

یہ معجزہ کم نہیں ہے کہ پتھروں نے کلمہ پڑھا۔ علماء حق فرماتے ہیں کہ ہر شئے اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ درخت، پتھر، نباتات و جمادات کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جو اللہ کی تسبیح نہ کرتی ہو اِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ بنی اسرائیل: 44 اور کائنات میں جو چیز اللہ کا نام لینا چھوڑ دے وہ باقی نہیں رہتی فنا ہو جاتی ہے۔ پہاڑ ذکر اللہ چھوڑ دیں تو ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں، دریا چھوڑ دے تو خشک ہو جاتے ہیں، درخت چھوڑ دیں تو سوکھ جاتے ہیں، زمین چھوڑ دے تو شق ہو جاتی ہے، کوئی شئے باقی نہیں رہتی اور جو باقی رہتی ہے وہ اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ ہر شئے اللہ کی تسبیح کرتی ہے لیکن وہ کسی انسان کو تو سنائی نہیں دیتا، کسی مسلمان کو، کسی ولی اللہ کو بھی سنائی نہیں دیتا سوائے اس کے کہ اللہ خود کسی کو سُنوا دے تو نبی کریم ﷺ کا اصل معجزہ یہ تھا کہ ابو جہل جیسے سخت دل اور شقی القلب شخص کو پتھروں کی آواز سنوا دی، اللہ کا ذکر و تسبیح پتھروں سے سنوا دیا۔

موسیٰؑ کا معجزہ:

حضرت موسیٰؑ اللہ کے وہ اولوالعزم رسول تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے براہ راست کلام فرمایا۔ آپؑ کا معجزہ یہ بھی تھا کہ آپؑ نے غیر نبی کو کلام الٰہی سنوا دیا۔ اپنی قوم کے ستر منتخب افراد کو بھی کلام باری سنوا دیا۔

حق تو یہ تھا کہ وہ اس کی لذت سے آشنا ہوتے، اس پر فدا ہو جاتے، مر مٹنے کے لئے تیار ہو جاتے، کہتے کہ رسومات، رواجات کیا چیز ہیں ہم تو جان دینے کو تیار ہیں، کلام الٰہی کی لذت و شرینی کو محسوس کرتے لیکن وہ نہ کر سکے۔ اللہ کریم نے تو اتنا احسان فرمایا کہ انہیں بطفیل موسیٰؑ اپنا کلام سننے کی عظمت عطا کر دی مگر وہ ناشکرے تھے، انہیں اپنے آپ پر زعم تھا اس کی لذت کو محسوس نہ کر سکے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا کلام کانوں سے نہیں سنا جاتا بلکہ نبیؑ کے وجود کا ذرہ ذرہ سنتا ہے۔ نہ اس کی سمت ہوتی ہے کہ ایک سمت سے آواز ہو رہی ہو نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ کیا گونج رہا ہے لیکن

خطاب الٰہی سننے میں وجود کا ذرہ ذرہ کان بن جاتا ہے تو وہ کیسے بد بخت تھے انہیں کوئی کیف محسوس نہ ہوا، کوئی لذت محسوس نہ ہوئی۔ حق تو یہ تھا کہ سجدے میں گر جاتے کہتے کہ سن لیا، مان بھی لیا، اب کوئی عذر نہیں ہے لیکن وہ الٹے ہو گئے کہنے لگے ہم نے بات سن لی ہے لیکن کیا پتہ کہ یہ اللہ کی آواز ہے یا کسی اور کی۔ آپ اللہ کو ہمارے سامنے لایئے کہ ہم سامنے دیکھ کر بات کریں۔ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ پھر انہیں زلزلے نے آ پکڑا۔ جب کوئی اپنی حیثیت سے بڑھ کر دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہی انجام ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو گستاخی پر ایسی سزا ملی کہ زلزلے اور بجلی نے انہیں خاکستر کر دیا۔ موسیٰ ؑ نے عرض کی یا اللہ آپ تو انہیں پہلے بھی مار سکتے تھے، مجھے بھی موت دے سکتے تھے۔ آپ نے جو کیا وہ حق ہے۔ انہوں نے گستاخی کی اس کا یہی نتیجہ ہونا تھا۔ میری عرض یہ ہے کہ مجھے آپ نے اس قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ میری ذمہ داری لگائی۔ اب جب میں واپس جاؤں گا تو وہ کہیں گے کہ موسیٰ ؑ آپ تو انہیں مروانے کے لئے ہی کر گئے تھے آپ انہیں مار کر کہیں چھینک آئے ہیں اور وہ خود واپس آ گئے ہیں اور ہمیں کہتے ہیں کہ انہوں نے گستاخی کی تھی جس پر وہ ہلاک ہو گئے۔ یوں وہ لوگ ایک نیا فتنہ برپا کر دیں گے۔ یہ تو نیا تماشا بن جائے گا۔ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ موسیٰ ؑ نے عرض کی بارالٰہا تو قادر ہے تو چاہتا تو انہیں پہلے ہی ہلاک کر دیتا۔ مجھے بھی چاہتا تو اس دنیا سے اٹھالیتا تجھے کون روک سکتا ہے۔ میں بھی کیا اعتراض کر سکتا ہوں۔ تیرے دست قدرت میں ہے کہ انہیں بھی ہلاک کر دیتا اور مجھے بھی۔

سلوک کا ایک مسئلہ:

بعض لوگوں کو بڑا وہم ہوتا ہے کہ میں بہت عبادت کرتا ہوں میرے مراقبات وہاں تک ہونے چاہیں۔ بعض کو یہ وہم ہوتا ہے مجھے کوئی عہدہ ملنا چاہئے غوث قطب بننا چاہیے۔ ایسی تمنا رکھنے والے عموماً ہلاک ہو جاتے ہیں۔ استحقاق کا دعویٰ خودی کے مترادف ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ یہ تو میرا حق بنتا ہے۔ یہ جائز نہیں ہے۔ یہ چیزیں ثمرات ہیں، پھل ہیں اور پھل اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور وہی ہونا ہے۔ یہ اس کی مرضی کس کو کیا دیتا ہے۔ بندہ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جو زیادہ مجاہدہ کرتا ہے وہ اس بات کا شکر ادا نہیں کر سکتا کہ اللہ نے ہی اسے مجاہدے کی توفیق عطا کی۔ لہٰذا سالک کو دعویٰ نہیں کرنا چاہیے کہ مجھے یہ رتبہ ملنا چاہئے یہ غلط ہے۔ یہ مراقبہ یہ انعامات اللہ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ جسے وہ چاہتا ہے جب چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ تو انہوں نے اپنی ہستی سے بڑھ کر دعویٰ کیا کہ اللہ کو دیکھیں گے سنیں گے تب مانیں گے۔ وہی دعویٰ تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا کہ ہم دیکھ بھی سکتے ہیں بات کر سکتے ہیں تو تباہ ہو گئے۔ موسیٰ ؑ نے عرض کی بارالٰہا آپ تو

انہیں پہلے بھی مار سکتے تھے مجھے بھی موت دے سکتے تھے آپ کو کون روکنے والا ہے۔

اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ جو کچھ ہم میں سے چند بے وقوفوں نے کیا ہے اس کے بدلے ہم سب کو تو ہلاک نہ فرما۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ میری نبوت کا، آپ کے کلام کا انکار کر دیں گے۔ تباہ ہو جائیں گے۔ تو میں بجائے ہدایت دینے کے ان کی تباہی کا سبب بن جاؤں گا۔ اللہ کریم مہربانی فرما اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ یا اللہ یہ تیری آزمائش ہے۔ تیرے امتحان بڑے عجیب ہوتے ہیں اور تو قادر ہے تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ تیرے امتحانات بڑے سخت ہوتے ہیں تو جسے چاہے انہی سے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہے انہی امتحانات کو اس کی ہدایت کا سبب بنا دیتا ہے اور ہدایت دے دیتا ہے۔ اور سب کچھ تیرے دست قدرت میں ہے۔

دعا کا سلیقہ:

اَنْتَ وَلِیُّنَا اے اللہ تو ہی ہمارا مددگار ہے۔ دعا کا سلیقہ بھی یہاں سے سیکھ لینا چاہیے کہ پہلے اپنا جرم قبول کیا، جو لوگ ہلاک ہو گئے تھے فرمایا یہ ان کی جہالت اور بے وقوفی ہے اور چند لوگوں کی بے وقوفی کی اتنی بڑی سزا مت دیجئے کہ ساری قوم گمراہ ہو جائے، تباہ ہو جائے یا ہلاک ہو جائے۔ ہم پر مہربانی فرمایئے اور جو کچھ آپ کرتے ہیں وہ حق ہے اور یہ امتحان ہے۔ یہ امتحان میں مارے گئے، فیل ہو گئے، ناکام ہو گئے تو قادر مطلق ہے۔ تو جسے چاہے کامیاب کر دے اس لئے کہ ہمارا جو کچھ بھی ہے وہ تیرا ہے، کارساز تو اکیلا ہے۔ جو فائدہ ہمیں پہنچتا ہے، جو نیکی ہمیں پہنچتی ہے، جو بھلائی ہمیں پہنچتی ہے تو اکیلا کارساز ہے ہمارے ظاہری مادی رزق سے لے کر ایمان اور توفیق عمل تک سب کچھ تو ہی ہمیں دیتا ہے۔ فَاغْفِرْ لَنَا سو ہمیں معاف کر دے، ہم پر مغفرت نازل کر دے، ہمیں بخش دے، تو عطا کرتا ہے ہم خطا کرتے ہیں، تو دیتا ہے ہم شکر ادا نہیں کر سکتے، ہم سے کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں۔ اے اللہ ہمیں بخش دے۔ موسیٰؑ نے سب کو ساتھ رکھا فَاغْفِرْ لَنَا ان کو چھوڑا نہیں یہ نہیں فرمایا مجھے اکیلے کو بخش دے۔ فرمایا ہم سب کو بخش دے وَارْحَمْنَا کیسے بخشے گا جب ان کے اعمال تو بخشش کے لائق نہیں عرض کی ان پر رحم فرما تیرے کرم کی تو کوئی حد نہیں ہے۔ ان میں اہلیت نہیں ہے، ان میں استعداد نہیں ہے۔ یہ جاہل ہیں، یہ نالائق ہیں۔ انہوں نے خود اپنے ساتھ زیادتی کی ہے لیکن تیرے کرم کی تو کوئی حد نہیں ہے۔ ان پر کرم فرما دے۔ وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ اور تو ہی ایک ہستی ہے جو سب سے بہتر معاف کرنے والا ہے وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً یا اللہ ہمارے حق میں اس دنیا

میں بھی بھلائی کا فیصلہ فرما دے۔

ہمارے ہاں ایک رواج ہو گیا ہے کہ جہلا یہ کہتے ہیں کہ دنیا کی کوئی حیثیت نہیں۔ دنیا کا سامان نہیں کرنا چاہیئے۔ لوگوں کو سکھاتے ہیں نہیں لینا چاہیے، خود جمع کرتے رہتے ہیں اور دکھاوے کے لئے پھٹے پرانے کپڑے پہن لیتے ہیں۔ اسی طرح ایک پیر تھے وہ لوگوں کو دکھانے کے لئے اچھے بھلے نئے کپڑوں پر پیوند لگائے رکھتے تھے۔ حالانکہ یہ دنیا بھی اللہ کی تخلیق ہے اور اس میں بھی حسن اور نیکی ہے۔ اللہ سے یہ دعا کی جائے کہ اے اللہ یہ دنیا بھی خوبصورت عطا کر یعنی حلال جائز ہو۔ تیری رضا کے لئے ہو۔ اے اللہ اپنی راہ میں خرچ کرنے کے لئے اور نیکی پر قائم رہنے کے لئے ہمیں جائز اور حلال دنیا عطا فرما۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً دنیا میں بھی ہمارے لئے حسنہ، نیکی لکھ دے کہ دنیا کمانا بھی عبادت بن جائے۔

جب وہ شریعت کے مطابق ہو اور حضور اکرم ﷺ کے دیئے ہوئے نظام حیات کے مطابق ہو تو دنیا کا ہر کام دین بن جاتا ہے، دین کیا ہے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت۔ تو دنیا کا کام بھی جب اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت میں کیا جائے تو وہ دین بن جاتا ہے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن کی دنیا بھی دین ہے اور کافر کا دین بھی دنیا ہے۔ یعنی کافروں نے جو رسومات بنا رکھی ہیں تو ہر رسم کا حاصل یہ ہے کہ یہ کرو گے تو دنیا کی یہ چیز مل جائے گی یہ کام کرو گے تو اولاد مل جائے گی۔ اس بت کو پوجو گے تو پیسہ ملے گا، کافر کا دین بھی دنیا ہے جبکہ مومن کی دنیا بھی دین ہے۔

فرمایا وَّفِي الْاٰخِرَةِ اور صرف اس دنیا میں نہیں اس دنیا کی بھلائی سے کیا ہوگا آخرت میں بھی ہمارے لئے بھلائی لکھ دے۔ اس دنیا میں بھی ہمارے لئے بہتری لکھ دے آخرت میں بھی ہمارے لئے بھلائی لکھ دے۔ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ط اے اللہ ہم پورے خلوص سے تیری بارگاہ اور تیری ذات کی طرف رجوع کرتے ہیں، کسی سے ہمیں کوئی امید نہیں، نہ دنیا کی بھلائی کی، نہ آخرت کی بھلائی کی، ہم کلی طور پر اپنے آپ کو تیرے سپرد کرتے ہیں۔ یہاں دعا مانگنے کا سلیقہ سکھا دیا کہ پہلے اپنا جرم قبول کرے، بندہ اپنی کمزوری کا اعتراف کرے، اللہ سے مغفرت چاہے، دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی چاہے اور اس کے بعد اللہ کی شان بیان کرے۔ اس کی تعریف کرے۔ اللہ قبول فرماتے ہیں۔ اس دعا کا جواب آیا قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط اے میرے نبی میں جسے چاہوں عذاب کروں کوئی مجھے روکنے

والا نہیں۔اس کے باوجود میں نے انسان کو مہلت دی ہے، فرصت دی ہے اور اختیار دیا ہے کہ وہ کون سا راستہ چنتا ہے۔اب جو شخص عذاب وعتاب کا راستہ چنے گا اسے عذاب ہی ہوگا۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ کوئی چیز میری مخلوق میں ایسی نہیں جو میری رحمت سے متجاوز ہو۔کسی کے گناہ میری رحمت کو عاجز نہیں کر سکتے کوئی جرم ایسا نہیں جو میں معاف نہیں فرما سکتا۔لہٰذا ان کی تو معافی ہوگئی انہیں دوبارہ زندگی عطا ہوگئی۔لیکن جواب جب آیا تو بات آگے چل پڑی۔اللہ کریم نے فرمایا میری رحمت تو بہت وسیع ہے۔بے پناہ ہے۔یہاں بنی اسرائیل کی غلطی کی بات ہو رہی ہے اور اللہ کے اولوا العزم رسول موسیٰ ؑ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض گزار ہیں اور جواب آ رہا ہے بارگاہ الوہیت سے کہ میری رحمت بہت وسیع ہے۔یہ تو زندہ ہوگئے انہیں ساتھ لے جاؤ۔لیکن بات آگے چل پڑی فرماتے ہیں فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ میری رحمت تو بہت وسیع ہے لیکن اس کو لوٹنے والے کچھ لوگ ہوں گے سارے نہیں۔میں نے تو لٹا دی میں نے تو سر عام رکھ دی۔جس کا جی چاہے جھولیاں بھر بھر کے لے جائے اور رات دن سمیٹتا رہے اور اپنا گھر بھرتا رہے۔میری رحمت ختم نہیں ہوتی بہت وسیع ہے۔ فَسَاَكْتُبُهَا میں اسے لکھ دوں گا، ان کے نام کر دوں گا، جو تقویٰ اختیار کریں گے، میرے ساتھ بندگی کا ایسا تعلق بنا لیں گے کہ میری رضا پہ راضی ہوں گے اور میری ناراضگی سے ڈرتے ہوئے میری نافرمانی سے بچیں گے وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اور میں انہیں دنیا دوں گا تو دنیا کی محبت میں گرفتار نہیں ہوں گے۔دنیا کو میرے حکم کے مطابق خرچ کریں گے وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اور وہ میری آیات کو ماننے کا حق ادا کر دیں گے۔میرے ارشادات پر چوں و چرا نہیں کریں گے صرف بات سنیں گے اور اس پر سراپا عمل بن جائیں گے۔یا اللہ وہ لوگ کون ہوں گے؟ اتنے خوش نصیب کون ہوں گے؟ بات بنی اسرائیل سے اور موسیٰ ؑ سے ہو رہی ہے۔فرمایا اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے نبی کریم نبی اُمّی ﷺ کا اتباع کریں گے۔فرمایا، موسیٰ ؑ میری رحمت تو بڑی وسیع ہے لیکن اس کو لوٹنے والے ابھی دنیا میں نہیں آئے۔بنی اسرائیل میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ جتنی میری رحمت میں وسعت ہے اس سے وہ جھولیاں بھر لیں۔یہ تو اعتراض ہی کرتے رہتے ہیں میں نے انہیں بخش دیا آپ ؑ کی دعا پر انہیں دوبارہ زندگی عطا کر دی۔آپ ؑ انہیں ساتھ لے جائیے لیکن میری رحمت کو کون لوٹیں گے؟ فرمایا، وہ لوگ جن کا میرے ساتھ پیار ہوگا۔تقویٰ کیا ہے؟ اللہ کریم سے بندگی کا ایسا تعلق جس میں اللہ کی نافرمانی نہ کی جا سکے کہ میرا تعلق خراب

ہوگا۔ میرے رشتے میں دراڑ آ جائے گی وہ جو کسی نے کہا تھا۔

رشتہ الفت کو ظالم یوں نہ بیدردی سے توڑ

جڑ تو پھر یہ جائے گا لیکن گرہ رہ جائے گی

پھر جڑ جائے گا پھر توبہ کر لینا لیکن درمیان میں ایک گرہ آ جائے گی ایک بات آ جائے گی۔ اسے ٹوٹنے ہی نہیں دو۔ فرمایا یہ کام وہ کریں گے جو میرے نبی ﷺ اُمّی کو مانیں گے۔ ان میں سے کوئی نہیں ہوگا جو آیت سن کر کہے کہ باپ دادا تو ایسے کرتے تھے ہم ایسا کیوں کریں۔ وہ کہیں گے جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا وہ کرنا ہے بات ختم۔ فرمایا یہ بنی اسرائیل تو ہر بات پر اعتراض کر رہے ہیں لیکن چشم فلک ایسے لوگ بھی دیکھے گی اور صدیوں بعد حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے کئی صدیوں بعد پانچ سو سال کا عرصہ تو حضور اکرم ﷺ اور عیسیٰؑ کے درمیان تھا۔ عیسیٰؑ اور موسیٰؑ کے درمیان کتنا بڑا فاصلہ ہے اس وقت اللہ کریم آپ کے متبعین کی تعریف موسیٰؑ کو سنا رہے ہیں۔ اور آج کے لوگ صحابہ کرامؓ پر اعتراض کرتے ہیں کیسی عجیب بات ہے۔ وہ دنیا میں نہیں آئے تھے ابھی ان کا وجود نہیں تھا ان کے آباؤ اجداد نہیں تھے۔ ان کے اجزاء کہیں خاک میں پڑے تھے روحیں اللہ کے پاس تھیں۔ اللہ اس وقت اپنے اولوالعزم رسولؑ کو بتا رہا ہے کہ میرے نبیؑ میری رحمت تو بہت وسیع ہے لیکن ہر ایک کے بس میں جھولیاں بھرنا نہیں ہے۔ ہر ایک میں یہ استعداد نہیں ہے ہر ایک کلی طور پر میرے سامنے Surrender نہیں کرتا۔

کوئی کہتا ہے کہ میرے خاندان کی یہ بات ہے کوئی کہتا ہے کہ میرے باپ دادا کی یہ بات ہے ایسے لوگ بھی چشم فلک دیکھے گی کہ صرف میرے نبی ﷺ کے لب مبارک ہلیں گے اور وہ لوگ سراپا عمل بن جائیں گے۔ جان دینی پڑے گی تو دے دیں گے اُف نہیں کریں گے۔ وہ میرے، نبی اُمّی ﷺ کو ماننے والے میرے نبی ﷺ کے صحابہؓ ہوں گے اور فرمایا وہ بنی اسرائیل میں سے بھی ہوں گے اہل کتاب میں سے بھی ہوں گے الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ میرے نبی ﷺ کی تعریف تورات میں بھی لکھی ہے انجیل میں بھی لکھی ہے اور ایسے خوش نصیب بنی اسرائیل سے بھی ہوئے اور عیسائیوں میں سے بھی ہوئے جن کو جب حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو نور ایمان نصیب ہو گیا اور وہ اکابر صحابہؓ میں شامل ہو گئے۔ فرمایا کچھ لوگ ان میں سے بھی اس سعادت کو پائیں گے لیکن یہ رحمت وہی لوٹیں گے جو میرے نبی ﷺ کی اطاعت کریں گے۔

یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ دنیا کی ہر شئے اس کے اندر ہے لیکن ہم کیا

کرتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں اللہ معاف کرنے والا ہے۔ نماز پڑھ کر کیا کرنا ہے بھلا وہ صرف نمازیوں کو ہی بخشے گا؟ گویا کہہ رہے ہیں رحمت کا خزانہ بہت بڑا ہے ہم نے اس سے وصول کر کے کیا کرنا ہے، خود چل کر ہمارے گھر پہنچ جائے گا۔ کبھی ایسا ممکن ہوا؟ دنیا میں تو ہم کسی کام میں یہ رویہ نہیں اپناتے، صرف دین میں ایسا کرتے ہیں اور پھر ماننے والے تو وہ لوگ تھے جنہوں نے جانیں دیں، مال دیئے، گھر دیئے، اولاد قربان کر دی۔ ہم کلمہ گو تو سود کھا رہے ہیں جبکہ سود کھانا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ سود کا نام بدل کر منافع رکھ لینے سے کیا سود حلال ہو جائے گا؟ سود کھاتے ہیں پھر برائی میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ دل سیاہ ہو جاتے ہیں پھر نیکی کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ پھر کہتے ہیں جی کیا کریں نماز کو جی نہیں چاہتا۔

میرے پاس ایک آدمی آیا بڑی مشکل میں تھا اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف ہو رہی تھی کمزور تھا۔ میں نے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہنے لگا مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ میں نے سمجھا شاید اس نے کوئی وزن اٹھا لیا ہو گا میں نے پوچھا کیا غلطی ہو گئی؟ کہنے لگا مجھ سے بڑی غلطی ہوئی میں پانچ چھ دن نماز پڑھتا رہا بس میرا یہ حال ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ رحمت الٰہی تو بہت وسیع ہے کوئی خود کو رحمت کی بارش میں کھڑا بھی تو کرے۔

فرمایا، اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ز جو نبی ﷺ کا اتباع کریں گے یَتَّبِعُوْنَ جو اپنی رائے کو نبی امی ﷺ کے ارشاد کے تابع کرتے ہیں، قرآن میں دوسری جگہ ارشاد باری ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ جو فیصلہ فرما دے کسی مومن مرد اور عورت کو یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ دل میں بھی اس کے خلاف یہ خیال لائے کہ یہ فیصلہ صحیح نہیں ہے۔ دل میں بھی ایسا خیال آنا حرام ہے۔ اب ہمارے سامنے ہماری عملی زندگی بھی ہے اور اسوہ حسنہ رسول اللہ ﷺ بھی تو مجھے بھی اور آپ کو بھی ہر ایک کو یہ دیکھنا ہے کہ میں اس پر کتنا عمل کر رہا ہوں۔ فرمایا میرے نبی کریم ﷺ کی شان یہ ہے کہ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ہر اچھے کام کا حکم دیتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ جس کام کو کرنے کا حضور اکرم ﷺ نے حکم دے دیا وہی اچھا ہے۔ جہاں صلح کرنے کا، تلوار روکنے کا حکم دے دیں وہاں صلح اچھی ہے، جہاں تلوار چلانے کا حکم دے دیں وہاں جنگ اچھی ہے۔ جس کام کا حکم اللہ کا رسول ﷺ دے وہی کام اچھا ہے، وہی معروف ہے، جہاں رک جانے کا حکم دیں وہاں رک جانا اچھا ہے۔ جہاں آگے بڑھنے کا حکم دے دیں آگے بڑھنا اچھا ہے جہاں سونے کی اجازت دے دیں وہاں سونا بھی عبادت ہے۔ جہاں جاگنے کا حکم دے دیں وہاں جاگنا بھی عبادت ہے۔ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ اور میرا نبی کریم ﷺ ہر اس بات سے منع فرماتا ہے کہ جو اللہ کو ناپسند ہے جو منکر ہے برائی ہے۔ یعنی اچھائی اور برائی کا معیار کیا ہے؟ حضور اکرم ﷺ کا کام

کرنے کی اجازت دینا کہ یہ کام اچھا ہے۔ جس کام سے روک دیں وہ کام برا ہے۔ خواہ زمانے کی نظروں میں کوئی معیار ہو لیکن حق کا معیار یہ ہے وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ میرا نبی کریم ﷺ ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے جو چیزیں شرعاً حلال ہیں وہ ساری پاکیزہ اور ساری نظیف و لطیف ہیں وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ اور ان پر بری اور خبیث چیزیں حرام فرماتا ہے انہیں ناپاک چیزوں سے روکتا ہے۔ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ اور ان پر جو بوجھ لدے ہوئے ہیں وہ اتارتا ہے۔

بوجھ کیا ہیں؟ باپ دادا کی پیروی رسومات اور رواجات یہ بوجھ ہیں۔ یہ شادی بیاہ کی رسومات ہی دیکھ لیں غریب آدمی پر کتنا بوجھ ہے۔ زمینیں گروی رکھ کر قرض لیتا ہے۔ سود پر قرض لیتا ہے صرف اس لئے کہ باپ دادا کا نام اونچا ہو لوگ کہیں کہ کتنی شان والے لوگ ہیں فرمایا میرا نبی ﷺ ایسے بوجھ سے لوگوں کو آزاد کر دیتا ہے وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ اور جو طوق ان کے گلے میں تھے وہ کاٹ دیتا ہے۔

خوش نصیب وہ ہیں فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ جو میرے نبی ﷺ پر ایمان لائے۔ میرے نبی کریم ﷺ کی ہر بات کو جزو ایمان بنایا اور اپنے عمل کو اس کے مطابق ڈھال لیا وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ اور جو میرے نبی کریم ﷺ کی حمایت کرتے ہیں۔ جو نبی کریم ﷺ کے دوستوں کو دوست رکھتے ہیں۔ میرے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں جو میرے نبی کا دوست ہے وہ انہیں دوست سمجھتے ہیں۔ ان کی عملی زندگی ایسی ہوتی ہے کہ جو رسول اللہ کے دشمن ہیں وہ انہیں از خود اپنا دشمن سمجھتے ہیں وَنَصَرُوْهُ اور میرے نبی ﷺ کی مدد کرتے ہیں۔ کیا مدد کرتے ہیں؟ نبی کریم ﷺ کے اتباع میں اپنے نفس کو مسخر کرتے ہیں۔ دوسروں تک میرے نبی ﷺ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ دنیا میں میرے نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے نظام کو رائج کرتے ہیں وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو میرے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نازل ہوا۔ وہ نور ہے اللہ کا قرآن۔ دنیا ایک تاریک سمندر ہے۔ تاریکی کا ایک بحر بے کراں ہے۔ اس میں روشنی ہے۔ اللہ کا قرآن۔ روشنی کے پیچھے چلتے جاؤ کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ روشنی چھوڑ کر اندھیروں میں بھٹکو گے تو غرق ہو جاؤ گے۔ تباہ ہو جاؤ گے۔ تو فرمایا اتباع کرتے ہیں اس نور کا جو میرے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نازل ہوا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وہ لوگ ہیں جو جیت گئے۔ فلاح پا گئے کامیاب ہو گئے۔ اس کے علاوہ دنیا کا کوئی شخص کامیاب نہیں۔ اسے حکومت مل گئی تو کیا ہوا، اقتدار مل گیا تو کیا ہوا، دولت جمع ہو گئی تو کیا ہوا، دولت اقتدار حکومت سب کچھ چھوڑ کر خاک کی خوراک بن جائے گا۔ لیکن جس نے میرے نبی کریم ﷺ کا اتباع کیا، قرآن کا نور اس کی قبر کو بھی روشن کرے گا برزخ کو بھی روشن کرے گا۔ میدان حشر میں بھی اس کے آگے ہو گا۔ پل صراط میں بھی اس کے ساتھ ہوگا، جنت میں بھی اس کے ساتھ ہوگا۔

سورۃ الاعراف رکوع 20 آیات 158 تا 162

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَىْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۗ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۗ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۗ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۗ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۗ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْۤـٰٔتِكُمْ ۗ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں (وہ) جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی (حقیقی) حکومت ہے۔اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے

پیغمبر نبی اُمّی (حضرت محمد ﷺ) پر جو (خود) اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی پیروی کرو تاکہ تم راہ راست پر آ جاؤ۔ ﴿۱۵۸﴾ اور موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ ﴿۱۵۹﴾ اور ہم نے ان کو بارہ قبیلے، بڑی بڑی جماعتیں بنا دیا اور جب موسیٰ (علیہ السلام) سے ان کی قوم نے پانی طلب کیا تو ہم نے ان کو وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی پتھر پر ماردیں تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے تو ہر شخص نے اپنے پینے کی جگہ معلوم کر لی اور ہم نے ان پر بادل سے سایہ کیا اور ان پر من اور سلویٰ (ترنجبین اور بٹیریں) اتارا جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو بخشی ہیں اس میں سے کھاؤ اور انہوں نے ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کی ولیکن اپنے آپ کے ساتھ زیادتی کرتے تھے۔ ﴿۱۶۰﴾ اور جب ان سے کہا گیا کہ اس آبادی میں جا کر رہو اور اس میں جہاں سے جی چاہے کھاؤ اور ہاں (شہر میں جاؤ تو) حِطَّةٌ (توبہ ہے) کہتے جانا اور دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرتے ہوئے (جھکے جھکے داخل ہونا) ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے (اور خلوص سے) نیکی کرنے والوں کو عنقریب زیادہ دیں گے۔ ﴿۱۶۱﴾ سو ان میں سے ظالموں (غلط کاروں) نے اس بات کو جو ان سے فرمائی گئی تھی اور بات سے تبدیل کر دیا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا اس وجہ سے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔ ﴿۱۶۲﴾

تفسیر و معارف

فرمایا، اے میرے حبیب ﷺ اعلان فرما دیجئے کہ اے اولاد آدم میں تم سب کے لئے اللہ کا رسولؐ ہوں قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الناس سے مراد تمام انسان ہیں۔ تمام انسانیت کو آدمؑ کی نسبت سے آدمی کہا جاتا ہے۔ بہر حال انسان کہیں یا آدمی الناس سے مراد اولاد آدم ہے اور بعثت عالی سے لے کر قیامت تک جو انسان آئیں گے سب اس الناس میں شامل ہیں۔ لفظ الناس صرف اس زمانے کے لوگوں کے لئے نہیں ہے جو حضور اکرم ﷺ کے عہد زریں کے لوگ تھے یا حضور اکرم ﷺ کے

علاقے کے، جزیرہ نمائے عرب کے لوگ تھے بلکہ اولاد آدم جہاں تک ہوگی اور جب تک ہوگی سب اس میں شامل ہے۔

انسان اُنس ومحبت سے ہے۔ چونکہ اللہ نے آدمیت کا مزاج ایسا بنایا ہے کہ انہیں ایک دوسرے کی ضرورت رہتی ہے۔ اکیلا فرد زندگی بسر نہیں کرسکتا کاروبار زندگی ایسا ہے کہ بندہ معاملات کرنے پر مجبور ہے۔ انسانوں کی یہ ضرورتیں انہیں ایک دوسرے کے قریب لے جاتی ہیں۔ تعلقات بنتے ہیں جو آپس میں انس و محبت پیدا کرتے ہیں اس لئے آدمی کو انسان کہا جاتا ہے یعنی ایک دوسرے سے تعلقات رکھنے والے، ایک دوسرے سے انس رکھنے والے یہ اور بات ہے کہ آج کے دور میں اُنس کم اور دشمنی زیادہ ہے۔ اس کی وجہ انس نہ ہونا ہے۔ انس ختم ہوجائے تو انسان انسان نہیں رہتے درندے بن جاتے ہیں۔ شکل انسانوں کی ہوتی ہے کردار میں درندگی آجاتی ہے۔ جب تک انس رہتا ہے افراد انسانی حدود کے اندر رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کا احترام تعلقات کو قائم رکھتا ہے اور محبت برقرار رہتی ہے۔ اس آیہ کریمہ میں دو باتوں کا بطور خاص ذکر ہے۔ ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ بعثت عالی سے لے کر قیامت تک کے لوگوں کے لئے نبیؐ ہیں۔ آج سے صدیوں بعد بھی جب تک اللہ کریم نے اس کائنات کو باقی رکھنا ہے تب تک کلمہ اسلام یہی رہے گا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ کلمہ میں لفظ ''ہیں'' آیا ہے لفظ ''تھا'' نہیں آیا۔ آج بھی اللہ کے رسول ہیں، آج کے بعد بھی اللہ کے رسول ہیں اور قیامت تک یہی کلمہ اسلام رہے گا۔ جو بھی اسلام میں داخل ہوگا وہ یہ مانے گا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ منصب نبوت تو خالی نہیں ہے تو پھر کسی نئے نبی ورسول کی ضرورت کہاں رہی۔

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ میں اللہ کا رسول ہوں یعنی عظمت الٰہی بیان فرمائی۔ جو بندہ بھیجا جاتا ہے وہ کسی کا فرستادہ ہوتا ہے اس کی عظمت اس بھیجنے والے کی شان کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسے دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ اگر بزرگ، والد یا دادا کوئی پیغام بھیجتے ہیں تو پیغام لانے والے کا احترام بھیجنے والوں کے احترام کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر کوئی حکمران پیغام بھیجتا ہے تو قاصد کا احترام حکمران کے شایانِ شان ہوتا ہے اور جب اللہ کریم اپنے رسولؑ کو اپنا قاصد بنا کر بھیجے تو نبی ورسولؑ کی عظمت بارگاہ الوہیت کی شان کے لائق ہوتی ہے۔

یہاں پہلے اللہ کریم کی عظمت ارشاد فرمائی کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا میں تم سب کے لئے اللہ کا رسولؑ ہوں جو زمینوں اور آسمانوں کا اکیلا بادشاہ ہے الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرمایا، میں اس اللہ کا رسول ہوں جو آسمانوں اور زمینوں کا حقیقی بادشاہ ہے۔ ایسا بادشاہ ہے جس کی بادشاہی ہمیشہ سے

ہے، ہمیشہ رہے گی۔

مخلوق کی ملکیت عارضی ہے:

یوں تو دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی چیز پر حق ملکیت رکھتا ہے، کسی کے پاس جائیداد ہے، گاڑیاں ہیں، بینک بیلنس ہے، مال و دولت ہے تو اس کی ملکیت ہے، لیکن آج تو اس کی ملکیت ہے کل جب جان نکل جائے گی تو وہی شخص اباجی سے، پیر صاحب سے، بیٹے سے بھائی سے یکدم میت بن جائے گا۔ پھر کوئی اسے، اباجی، بیٹا نہیں کہے گا سب کہیں گے میت کو قبر میں اتارو۔ بندہ جب میت بن جاتا ہے تو جو کچھ اس کے پاس تھا وہ آگے والوں کو چلا جاتا ہے۔ اس کی ملکیت کا دعویٰ کہاں گیا؟ زمین تقسیم ہوگئی، جائیداد بٹ گئی، کپڑے اتر گئے جو بڑے شوق سے سلوائے اور بڑے اہتمام سے پہنے تھے۔ دو اَن سلی چادروں میں لپیٹ کر دفن کر دیا جتا ہے۔ دنیا کی ملکیت تو نظام کائنات چلانے کے لئے ایک عارضی انتظام ہے۔ آج جو چیزیں ہماری ملکیت ہیں یہ پہلے ہماری نہ تھیں ان کا مالک کوئی اور تھا۔ آج ہم ہیں، کل کوئی اور ہوگا لیکن اللہ ہی صرف وہ ذات ہے کہ ازل سے ابد تک ساری کائنات اس کی اپنی ہے، کوئی اس سے لے نہیں سکتا۔ وہ خود اس کا خالق ہے اور مالک ہے۔ اپنی مرضی سے جسے چاہتا ہے امانتاً دے دیتا ہے۔ اسی بات کا حساب ہوگا کہ امانت الٰہی کے ساتھ دیانتداری کا برتاؤ کیا یا بددیانتی کا۔

حقیقی مالک:

فرمایا، میں اس اللہ کا رسول ہوں جو آسمانوں زمینوں کا حقیقی بادشاہ ہے۔ یوں تو دنیا پہ بھی بڑے بڑے بادشاہ گزرے۔ ایسے بادشاہ بھی اس زمین پر آئے کہ روئے زمین پر ان کی ٹکر کا کوئی بادشاہ نہ تھا اور دنیا کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے بھی اُن کی اطاعت کی اور وہ روئے زمین کے حکمران کہلائے لیکن کہاں ہیں؟ آج تو ڈھونڈے سے ان کی قبروں کے نشان تک نہیں ملتے۔ ان کے محلات کھنڈر ہو گئے ان کے قلعے منہدم ہو گئے۔ اگرچہ بعض قلعے اور آبادیوں کے آثار دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن ان کے بارے بتانے والا آج کوئی نہیں کہ یہ کون تھے، کب یہاں رہے، کہاں چلے گئے، کوئی انہیں جانتا ہی نہیں تو بتائے کیسے؟ لیکن اللہ تعالیٰ ایسا بادشاہ ہے کہ جس کی بادشاہی ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی اور فرمایا میں اس کا فرستادہ اس کا رسول اس کا پیغمبر ہوں ﷺ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وہ ایسی ہستی ہے کہ اس کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کی عبادت کی جائے کوئی اس قابل ہی نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ایسی ہستی ہے یُحۡیٖ وَيُمِيۡتُ

وہی زندگی عطا کرتا ہے وہی بندے کو موت کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس کائنات میں اس کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کی عبادت کی جائے کوئی اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس کی عبادت کی جائے وہ وحدہٗ لاشریک ایسی ہستی ہے یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ۔ وہی زندگی عطا کرتا ہے وہی بندے کو موت کے سپرد کر دیتا ہے کوئی دوسرا ایسا نہیں جو کسی مرنے والے کو ایک لمحے کے لئے روک لے، ایک لمحے کی زندگی دے دے اور کوئی ایسا نہیں کہ جسے وہ زندہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اسے روک دے کہ وہ کائنات میں نہ آئے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا اِلَّا هُوَ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ۔ یہ نظام کائنات کیا ہے حیات و موت کا ایک تسلسل ہے۔ ایک دائمی عمل ہے کسی کی موت واقع ہو رہی ہے، کسی کو حیات مل رہی ہے۔ آپ جنگل میں چلتے ہوئے جانوروں کو دیکھیں درندے ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ مارے جاتے ہیں ان کی موت درندوں کی حیات کا سبب بن جاتی ہے ان کی غذا بن جاتی ہے۔ آپ نباتات کو دیکھیں بے شمار بوٹے پودے گل سڑ کر پتے مٹی میں مل جاتے ہیں، سبزہ گل سڑ جاتا ہے، بیلیں گل سڑ جاتی ہیں، وہی کھادیں بن جاتی ہیں، نئی پود، نیا گھاس، نئی بیلیں، نئے پھل پھول، درختوں پہ نئے پتے پھر آجاتے ہیں۔ حیات و موت کا ایک تسلسل ہے۔ پانی برستا ہے زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ سبزے چارے اُگا دیتی ہے، پھر دھوپ نکلتی ہے، بارش رک جاتی ہے، سردی آجاتی ہے، ہر چیز گل سڑ کر خاک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسان پیدا ہو رہے ہیں انسان مر رہے ہیں۔ ایک گاؤں میں روزانہ اموات بھی ہوتی ہیں روزانہ پیدائش بھی ہوتی ہے، لوگ آ بھی رہے ہیں جا بھی رہے ہیں۔ زندگی اور موت کا ایک تسلسل ہے جس سے یہ جہان آباد ہے۔ اگر موت نہ ہو تو زمین ایسے ضعیف العمر افراد سے بھر گئی ہوتی جن کا پرسان حال کوئی نہ ہوتا۔ ہزاروں نسلیں گزر چکی ہوتیں تو کون پوچھتا یہ کون تھا کس کا جد امجد تھا؟ یہ اس کی رحمت ہے کہ ایک خاص عرصے کے بعد بندے کو سنبھال لیتا ہے۔ پھر پتہ نہیں اس نے زمین کو کیسا بنایا ہے کہ بے پناہ نعمتیں زمین سے نکل رہی ہیں۔ تیل پیٹرول نکل رہے ہیں، گیسیں نکل رہی ہیں، سونا چاندی، جواہرات، ہیرے نکل رہے ہیں۔ زمین کے سینے پہ سمندر ہیں۔ سمندروں سے بے شمار چیزیں نکل رہی ہیں۔ ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ کب سے اولاد آدم زمین کو کرید کر اس کے سینے سے زراعت حاصل کر رہی ہے کب تک کرتی رہے گی وہ ختم ہونے میں نہیں آتی کمال ہے۔ چند کھیت کسی زمیندار کے ہیں اس کی نسلیں گزر گئی ہیں ان کھیتوں سے روزی حاصل کرتے وہ ختم ہونے میں نہیں آتے۔ ہر بار پھر فصل دے دیتے ہیں۔ پتہ نہیں اللہ نے کتنے خزانے رکھے ہوئے ہیں اس زمین میں۔ یہ اتنی نرم ہے کہ اسے کریدنا شروع کر دیں تو آپ کرید سکتے ہیں۔ کدال سے اکھیڑ دیں درانتی سے اکھیڑ دیں ایک لمحے میں آپ ایسے کھود کھاد کے رکھ دیں لیکن اتنی مضبوط بھی ہے کہ اس پہ سو سو، دو دو سو منزلہ

عمارتیں کھڑی ہیں وہ اٹھا کر کھڑی ہے۔تو انسانی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات ہے کتنا خزانہ زمین میں، دفن ہے کتنی انسانی غذا اس میں دفن ہے، کب سے دنیا کھا رہی ہے اور کب تک کھاتی رہے گی اور یہ دیتی چلی جارہی ہے۔ نہ پھل ختم ہوتے ہیں نہ غلہ ختم ہوتا ہے نہ ادویات اور جڑی بوٹیاں ختم ہوتی ہیں۔ ہر چیز اگتی ہے استعمال ہوتی چلی جاتی ہے۔ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ چیزوں کو حیات بھی دے رہا ہے موت بھی دے رہا ہے۔ایک ایسا نظام اس نے بنا دیا ہے اور کسی کی اس میں مداخلت نہیں اگر کوئی کہے کہ میری اس میں مداخلت ہے تو پھر وہ خود نہ مرے۔اپنے آپ کو بچا کے رکھے۔

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ دیوی دیوتاؤں کو ہندو پوجتے ہیں۔اب ان کی قصے کہانیوں میں یہ موجود ہے کہ فلاں دیوتا کو دوسرے برے دیوتا نے قتل کر دیا۔بھئی جو خود مارے جاتے ہیں وہ دوسرے کو زندگی کیا دیں گے تو ان کی پوجا کس لئے کرتے ہو۔جن کے بارے میں تمہارا خود یہ اعتقاد ہے کہ یہ مارے جاسکتے ہیں۔پھر ان کی بیویاں بچے ہیں پھر ایک دیوتا کا بچہ دوسرے نے اغوا کر لیا اس کی بیوی دوسرا اغوا کر کے لے گیا۔کمال ہے تم تو دیوتا کو بالکل ایک عام درجے پر لے آئے جن کی بیویاں اغوا ہو جاتی ہیں جو دوسروں کی بیویاں اغوا کر لیتے ہیں۔ایسے لوگوں کو تو لوگ انسانیت میں جگہ دینے کو تیار نہیں ہوتے وہ انسانی معیار سے گر جاتے ہیں تم ان کی پوجا کس خوشی میں کئے جارہے ہو۔یہ انسانی ذہن ہے جب بھٹک جاتا ہے تو بندوں کو پوجتا ہے، سانپ کی پوجا کرتا ہے، عجیب بات ہے مسلمان کے گھر میں سانپ نظر آتا ہے تو وہ لاٹھی پکڑ کے مار دیتا ہے اور ہندو کے گھر میں نکلتا ہے تو وہ اس کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔خدا بنا لیتے ہیں۔حالانکہ اس ایک وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی نہیں جس کی عبادت کی جائے۔

عبادت کیا ہے؟ ہم نماز روزے کو عبادت سمجھتے ہیں، صحیح ہے نماز بھی عبادت ہے، روزہ بھی عبادت ہے، حج بھی بڑی عبادت ہے لیکن عبادت کا مفہوم غیر مشروط اطاعت ہے۔زندگی کا ہر کام عبادت ہے آپ حلال روزی کمانے کے لئے اپنے کھیت میں ہل چلاتے ہیں اس لئے کہ اللہ کا حکم ہے، رزق حلال پیدا کرو تو وہ بھی عبادت ہے۔دکان چلاتے ہیں، حلال روزی پیدا کرنے کے لئے تو وہ بھی عبادت ہے۔مزدوری کرتے ہیں، رزق حلال کمانے کے لئے وہ بھی عبادت ہے۔ ملازمت کرتے ہیں دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دیتے ہیں اپنی اجرت وصول کرتے ہیں وہ بھی عبادت ہے۔یعنی مومن کی زندگی کا ہر کام عبادت ہے۔ بلکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بندہ مومن اپنی بیوی بچوں کو جو لقمہ کھلاتا ہے وہ بھی صدقہ شمار ہوتا ہے اس کا بھی اسے ثواب ملتا ہے۔عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ بیوی بچوں کا نان نفقہ تو اس کے ذمے تھا۔جب اس کا نکاح

ہوا تو بیوی کا خرچہ اس کے ذمہ آ گیا اور جب بچے ہوئے تو بچوں کو پالنا اس کی ذمہ داری میں داخل ہے۔ یہ تو اس کی ذمہ داری تھی تو فرمایا چونکہ ذمہ داری اللہ کی طرف سے ہے اس ذمہ داری کو پورا کرنا ہی تو عبادت ہے۔ جب وہ اپنے بچوں کو پالتا ہے اور شریعت کے مطابق حلال رزق کھلاتا ہے تو اللہ کی عبادت کر رہا ہے اللہ کی اطاعت کر رہا ہے۔ اطاعت ہی تو عبادت ہے۔ تو فرمایا مومن کی دنیا بھی دین ہے۔ مومن جو دنیا کے کام کرتا ہے وہ بھی دین ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت میں کرتا ہے اور کافر کا دین بھی دنیا ہے۔ کسی کافر مذہب کی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں تو ان کی عبادات کے ساتھ دنیا جڑی ہوئی ہے کہ آپ یہ کام کریں گے تو پیسے ملیں گے۔ یہ کام کرو گے تو صحت ٹھیک ہوگی، یہ کام کرو گے تو اولاد ہوگی، یہ کام کرو گے تو رزق ہوگا۔ یعنی انہوں نے عبادات کے نام پر جو رسومات گھڑ رکھی ہیں ان کے ساتھ بھی دنیا لگا رکھی ہے۔ یہی چیز آج مسلمانوں میں آ گئی ہے کہ شب برات پر جاگتے رہو عبادت کرو، تو روزی زیادہ ملے گی۔ ایسا سوچنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ جو اس کو مانتے ہی نہیں، ان کافروں کو روزی کون دے رہا ہے؟ حق یہ ہے کہ بیماری سے بچنا رزق کی کمی بیشی اس کے دست قدرت میں ہے۔ مومن کو بھی دے رہا ہے، کافر کو بھی دے رہا ہے کافروں کو حکومتیں سلطنتیں بادشاہتیں دے رکھی ہیں۔ جو وہ چاہتا ہے جس کو جو چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اس سے اتنے کا حساب ہوگا۔ کہ میں نے تمہیں یہ یہ نعمتیں دیں تم نے کتنی اطاعت کی اور ان کو کہاں کہاں خرچ کیا۔ یہ روزی، رزق، نوافل اور وظیفوں سے نہیں جڑا ہوا۔

عبادت کس لئے:

عبادت دو کاموں کے لئے ہے پہلا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کردار صحیح ہو جاتا ہے۔ عبادت کا جو سب سے پہلا نتیجہ بندے کو نقد ملتا ہے وہ ہے کہ اپنے دنیاوی امور میں وہ حق پر قائم ہو جاتا ہے اور باطل سے بچ جاتا ہے یہ بہت بڑا انعام ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کردار کی اصلاح کے نتیجے میں اس کی آخرت سدھر جاتی ہے۔ دائمی زندگی سدھر جاتی ہے اور اللہ کی رضا نصیب ہو جاتی ہے اور اس سے بڑی کیا بات ہوگی۔ فرمایا میں اس اللہ کا رسول ہوں جس کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت زیبا ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

یہ بت ہیں بنے ہوئے، چند روز ہیں پھر نہیں رہیں گے۔ اور وہ ایسی ہستی ہے یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ۔ وہی

زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ نظام کائنات کو وہ اکیلا چلا رہا ہے۔ اسے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں، کسی کی امداد کی ضرورت نہیں۔ اللہ کی عظمت کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ ہم بندے ہیں، مخلوق ہیں، وہ خالق ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اکیلا نظام کائنات چلا رہا ہے۔ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ سورج کا طلوع ہونا حیات ہے، غروب ہونا موت ہے۔ ستاروں کا آنا جانا موت وحیات ہے۔ چیزوں کا پیدا ہونا ختم ہونا موت وحیات ہے۔ انسانوں کا آنا جانا موت وحیات ہے۔ روزی کا آنا، روزی کا چلے جانا، فراخی کا آجانا، تنگی کا آجانا، ایک سلسلہ ہے موت وحیات کا جو کائنات کے ذرے ذرے میں رواں دواں ہے۔ سمندروں سے نئے جزیرے نکل آتے ہیں زمین کے ٹکڑے کو حیات مل گئی۔ سمندروں میں جزیرے ڈوب جاتے ہیں، موت آگئی، دریا بہہ نکلتے ہیں حیات آگئی خشک ہوجاتے ہیں موت آگئی۔ بڑے بڑے پہاڑ ہیں، گر کر ٹوٹ جاتے ہیں موت آگئی۔ پھٹ جاتے ہیں موت آگئی۔ پوری کائنات کے نظام کا جو سلسلہ ہے یہ سارا ہی موت وحیات کا ہے۔ اور وہ واحد لاشریک ہے جس کے دست قدرت میں سب کچھ ہے لہٰذا اللہ پر ایمان لاؤ اور نبی اُمّی ﷺ پر ایمان لاؤ۔

نبی اُمّی ﷺ:

آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر عیسیٰؑ تک کم وبیش سوالاکھ انبیاءؑ ورسلؑ اپنے اپنے وقتوں میں دنیا میں آئے۔ ہر نبیؑ اور رسولؑ اپنے متعلقہ لوگوں، متعلقہ قوم کی طرف مبعوث ہوا۔ مخصوص علاقے کے لئے، مخصوص وقت کے لئے، جب وہ وقت مکمل ہوا، اللہ کریم نے دوسرا نبیؑ دوسرا رسولؑ بھیج دیا۔ بعثت میں حضور اکرم ﷺ آخر تھے اور تخلیق میں اول ہیں تو تاریخ میں پہلی بار اور آخری بار ایسا ہوا کہ ایک ہی رسول ﷺ ساری انسانیت کے لئے ہے۔ ایک ہی رسول ﷺ سارے زمانوں کے لئے قیامت تک کے لئے ہے اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں بیٹھ کر اللہ کے اس رسول ﷺ نے کل انسانیت کے لئے راہ ہدایت واضح کر دی۔

کسی نے بڑا اچھا ایک شعر کہا تھا۔

یہ بھی اک معجزہ تھا سارے زمانے کے لئے
اُمّی تھے آئے تھے پڑھانے کے لئے

خود کسی سے ایک لفظ نہیں پڑھا کائنات کو قیامت تک کے لئے علوم وفنون کے خزانے عطا کر گئے۔

امریکہ آج کی سپر پاور کہلاتا ہے۔ میں تو نہیں کہتا میں تو اللہ کو سپر پاور مانتا ہوں بندہ کیا سپر پاور ہوگا۔ امریکہ کا قانون پاکستان میں چل سکتا ہے؟ برطانیہ بڑا پرانا ملک ہے۔ دنیا پہ برطانوی لوگوں نے حکومت کی ہے۔ کیا برطانیہ کا قانون پاکستان میں چل سکتا ہے، کیا برطانیہ کا قانون امریکہ میں چل سکتا ہے؟ نہیں۔ ہر قوم اپنے مزاج اپنی ضرورتوں کے لئے آئین و دستور بناتی ہے پھر جب اس پر عمل کرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں اس میں خامی رہ گئی، کمی رہ گئی لہٰذا ایک اور ترمیم لے آؤ۔ ہماری قوم نے بھی 1973ء میں متفقہ آئین بنایا تھا۔ تمام سیاستدانوں، دینی سیاسی جماعتوں اور علماء نے مل کر بڑی محنت کی لیکن آئے روز اس میں ترامیم کرنا پڑیں۔ آئین اصل ملتا ہی نہیں ترمیمیں، ترمیمیں ہی رہ گئی ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ انسان کے بنائے ہوئے دساتیر ناقابل عمل ہوتے ہیں۔ حال تو یہ ہے کہ جو لوگ آج زراعت کے لئے قانون بناتے ہیں انہوں نے کبھی خود زراعت نہیں کی، کبھی ہل نہیں چلایا،، ٹریکٹر پر نہیں بیٹھے، بیلوں کو ہل میں نہیں جوتا، کبھی انہوں نے ساون بھادوں کی دھوپ نہیں سینکی، کبھی انہوں نے کھیتوں کی منڈیروں پر بیٹھ کے کھانا نہیں کھایا، کبھی انہوں نے درانتی لے کر کھیتوں میں فصل نہیں کاٹی، کبھی انہوں نے دانے اور بھوسہ الگ نہیں کیا، اسلام آباد میں پیدا ہوئے، برطانیہ میں اور امریکہ میں پڑھتے رہے، واپس آکر زراعت کے وزیر لگ گئے۔ اب انہیں اس شعبے کا تجربہ ہی نہیں لیکن زراعت کے قانون بنا رہے ہیں۔ تقریباً ہر شعبہ زندگی کا یہی حال ہے کہ جو لوگ قانون بنا رہے ہیں وہ عملی زندگی میں، عملی طور پر اس چیز سے واقف نہیں ہیں۔ اور واقف ہوں بھی تو کیا کریں گے؟

وہ جس کی تعریف رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں وہ جو ہمارا خالق و مالک عبادت کا واحد مستحق، وحدہٗ لاشریک ہے جب اس نے اپنا رسول ﷺ ساری انسانیت کے لئے مبعوث فرمایا تو اسے ساری انسانیت کے لئے قانون اور دستور بھی دیا تھا اور آج ہمارے پاس قرآن مجید کی شکل میں موجود ہے اس کی ساری تشریح حدیث مبارکہ کی شکل میں موجود ہے اب آپ کہہ دیجئے کہ اس وقت بھی الحمد للہ زمین کے ہر گوشے میں مسلمان موجود ہیں جہاں جو اس پر عمل کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ تو ایک ایسا قانون بنانا کہ لوگوں کے مزاج الگ، شکلیں الگ، زبانیں الگ، غذا الگ، موسم الگ، دن رات الگ، کہیں دن ہوتا ہے کہیں رات ہوتی ہے اس سب کے باوجود پوری زندگی کا نظام دینا جو ہر جگہ قابل عمل بھی ہو، آسان بھی ہو اور اللہ کو مقبول بھی ہو پھر یہ وہی دے سکتا ہے جسے اللہ عطا کرے کہ اللہ ساری کائنات کا رب العالمین ہے اور اسی کا برحق رسول ﷺ اللہ سے لے کر یہ قانون عطا کر سکتا ہے۔ یہ بات طے ہوگئی اللہ کی عظمت بھی ظاہر ہوگئی ہم نے مانا کہ اللہ ارض وسماء کا بادشاہ ہے۔ ہم نے یہ بھی مانا کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہم نے یہ بھی مانا کہ زندگی اور موت اس

کے دست قدرت میں ہے۔ اس کے ساتھ اللہ کریم ارشاد فرمارہے ہیں فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ اللہ کے احکام کو بھی مانو۔ جو قانون اس نے عطا فرمایا ہے اس کو بھی مانو۔ جو کام کرنے کا حکم دے اس کو مانو، جس سے روکتا ہے اس سے رکو اس کو بھی مانو۔ لیکن ہمیں کیسے پتہ چلے اللہ کس بات پر راضی ہے کس پہ ناراض ہوتا ہے فرمایا وَرَسُوْلِهِ اللہ کے رسول کی اطاعت کرو یہ منصب رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ اللہ کیا کرنے کا حکم دے رہا ہے، کس کام سے روک رہا ہے۔ اب ماننے کی بات آئی۔ اب اگر تم یہ مانو تو تم نے اللہ کو معبود بھی مانا۔ اگر تم یہ مانو تو تم نے اللہ کے رسول ﷺ کو بھی مانا۔ اگر یہ مانو تو اللہ کو واحدہٗ لاشریک بھی مانا۔ لیکن اگر تم اللہ کے احکام کو نہیں مانتے تو تم نے کچھ نہیں مانا۔ آپ گھروں میں دیکھ لیجئے۔ سگا بیٹا باپ کا نافرمان ہو جاتا ہے کوئی بات نہیں مانتا تو وہ سگا باپ کہتا ہے کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے۔ حالانکہ دنیا کو معلوم ہے کہ باپ کے گھر میں پیدا ہوا۔ باپ نے اسے پالا پوسا، پرورش کی۔ پھر بھی کہتا ہے کہ اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔ یہ میرا بیٹا نہیں، اخبارات میں دے دیتا ہے۔ اس کے کسی کام کا میں ذمہ دار نہیں، یہ میرا بیٹا نہیں ہے، یہ میری جائیداد کا وارث بھی نہیں ہے۔ میرے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔ کیوں؟ کیا خونی رشتہ نہیں تھا، کیا اس کی اولاد نہیں تھا؟ سب کچھ تھا لیکن باپ کہتا ہے کہ میری بات نہیں مانتا۔ ایک باپ جسے اللہ نے ہمارے دنیا میں آنے کا سبب بنا دیا اسے اتنا حق ہے تو وہ ہستی جو ہماری خالق ہے جو ہمیں عدم سے وجود میں لائی اگر اس کی بات نہ مانی جائے تو وہ بھی فرما دیتا ہے یہ میرا بندہ نہیں ہے۔ یہ اپنی خواہشات کا بندہ ہے۔ پیدا میں نے کیا مانتا اپنی خواہشات کو ہے۔ نوحؑ نے بیٹے کے لئے دعا فرمائی یا اللہ جیسا بھی ہے گنہگار سہی تجھے نہ مانے کافر سہی لیکن میرا بیٹا تو ہے۔ بارالہا آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ تمہیں اور تمہارے خاندان کو محفوظ رکھوں گا۔ تو میرا سگا بیٹا ہے، میرے خاندان سے تو ہے اسے غرق ہونے سے بچا لیجئے۔ فرمایا، اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ ہود: 13 اے میرے نبیؑ وہ آپ کے خاندان سے نہیں ہے۔ بلاشبہ سگا بیٹا ہے لیکن اللہ فرماتا ہے وہ آپ کے خاندان سے نہیں ہے کیوں؟ فرمایا اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ ہود: 13 اس کے اعمال اچھے نہیں ہیں۔ وہ آپ کا نافرمان ہے۔ سگا بیٹا ہے اور تنبیہ فرمائی تم میرے محبوب ہو۔ اولوالعزم رسول ہو ایسی دعا پھر مت مانگنا۔ جن باتوں کو آپ نہ سمجھتے ہوں ان باتوں میں دخل نہ دیں اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ وہ آپؑ کے خاندان سے نہیں ہے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ کیوں؟ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ اس کے عمل اچھے نہیں ہیں۔ وہ بدکار ہے۔ بدکار اور نبیؑ کا کیا رشتہ؟

وہی بات یہاں آ گئی فرمایا تم کہتے ہو ہم نے اللہ کو بلاشرکت غیرے وحدہٗ لاشریک مانا، تم کہتے ہو ہم نے یہ بھی مانا کہ آسمانوں، زمینوں کی بادشاہت اسی کے لئے ہے، تم کہتے ہو ہم نے یہ بھی مانا کہ موت وحیات کا

سارا انظام اس کے دست قدرت میں ہے تو اب یہ بھی مان کر دکھاؤ کہ زندگی اس کے اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ڈھال لو۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ اس نبی کے حکم کی اطاعت کرو جس نے کسی انسان سے ایک لفظ حاصل نہیں کیا۔ اُمّی عام عبارت میں انپڑھ کو کہا جاتا ہے لیکن جب یہ لفظ آپ ﷺ کے لئے استعمال ہوتا ہے تو آپ ﷺ کی شان ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جو لفظ جس ہستی کے لئے استعمال کیا جائے اس کا معنی اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو اُمّی کہا جاتا ہے تو یہ آپ ﷺ کی فضیلت بن گیا بہت بڑی فضیلت کہ کسی بنی آدم سے آپ ﷺ نے ایک لفظ نہیں سیکھا لیکن مبعوث ہونے کے بعد قیامت تک کی انسانیت کو دنیا اور آخرت کے سارے علوم سکھا دیئے۔ یعنی اُمّی ہونا حضور اکرم ﷺ کی شان بن گیا۔ سیکھا کسی سے نہیں سوائے اللہ کے اور سکھایا کائنات کو۔ فرمایا پھر اتباع کرو بات مانو، پیروی کرو اس نبی ﷺ کی جو اُمّی تھے اور جس کی شان یہ ہے کہ وہ صرف تمہیں نہیں کہتا کہ اللہ کے حکم کی اطاعت کرو بلکہ جس کی ساری زندگی اس بات کی تصویر ہے کہ اللہ کے حکم کی اطاعت کس طرح کرنی ہے جس کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، بات کرنا، خاموش رہنا، دیکھنا، نظر پھیر لینا جس کی ہر ادا شریعت کا حکم ہے جس نے لب مبارک کھولے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ﴿۳﴾ تو وحی الٰہی سے کھولے اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴿۴﴾ النجم:-4 3 وہی بات میرا حبیب ﷺ ارشاد فرماتا ہے کہ جو میں اسے ارشاد فرمانے کا حکم دیتا ہوں۔ جس کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، صلح، جنگ، کاروبار، خرید و فروخت، جس کی زندگی کی ہر ادا دین کا ایک روشن مینار بن گیا۔ جس نے سیکھا کسی سے نہیں اور سکھایا پوری کائنات کو۔ اور فرمایا الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ جو تمہیں کہتا ہے مانو سب سے پہلے خود مانتا ہے اللہ کی ذات اس کی صفات جیسی ہے اس پر بھی یقین رکھتا ہے یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ اور اللہ کو بھی مانتا ہے وہ وَکَلِمٰتِہٖ اور اللہ کے احکام کو بھی میرے حبیب ﷺ نے حرف بحرف قدم قدم تسلیم کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک جلسے میں جانا ہوا سیرت النبی ﷺ کا جلسہ تھا۔ ایک آرمی نوجوان آفیسر تھا اس نے حضور اکرم ﷺ کے فضائل مبارک پہ کچھ باتیں کیں۔ برسوں بیت گئے، تیس چالیس سال پرانی بات ہے یاد رہ گئی۔ وہ شاید اب تک پوری نوکری کر کے ریٹائر بھی ہو گیا ہو۔ ان دنوں وہ لیفٹیننٹ تھا اب شاید جرنیل بن کر بھی ریٹائر ہو گیا ہوگا۔ اگر جرنیل بنا ہے تب بھی ریٹائر ہو چکا ہوگا اتنا عرصہ ہو گیا ہے۔ اس نے اتنی خوبصورت بات کہی۔ اس نے کہا کہ اگر آپ سچے رسول ﷺ نہ ہوتے تو لوگوں سے اپنی بات منواتے آپ ایسے سچے رسول ﷺ تھے کہ جو بندہ آیا اسے کہا میں بھی اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہوتا ہوں تم میرے برابر کھڑے ہو جاؤ اور تم بھی اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہو جاؤ اپنی پوجا نہیں کروائی ہر ایک کو اللہ کی عبادت پہ لگایا،

خود بھی اللہ کی عبادت کی اور دوسروں کو بھی یہی سکھایا اگر کوئی دنیا دار ہوتا، سچا نہ ہوتا تو لوگوں کو اپنے گرد جمع کرتا اس نے یہ بڑی پتے کی بات کی اور وہی بات یہاں قرآن کریم فرما رہا ہے میرے اس نبی اُمّی کی پیروی کرلو جو خود بھی اللہ کی ذات کو مانتا ہے اس کی صفات کو بھی مانتا ہے اور اس نے احکام کو بھی مان کر دکھا دیا۔ جس پر ظلم کیئے گئے تکلیفیں دی گئیں اس نے صبر کر کے دکھا دیا جب تک اللہ نے صبر کرنے کا حکم دیا اس نے صبر کر کے دکھا دیا۔ ہجرت کا حکم ملا اس نے اور اس کے پیروکاروں نے ثابت کر دیا کہ ہمارے نزدیک گھر بار مال و دولت زمین جائیداد کی کوئی حیثیت نہیں اللہ کے مقابلے میں چھوڑ کر چلے گئے اور جب جہاد کا حکم ملا تو دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہی بندے جو مکہ مکرمہ میں تیرہ برس مظلوم مجبور نظر آتے تھے اس جرات سے میدان جہاد میں اترے کہ دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ برصغیر میں ہندوستان میں بھی صحابہؓ کی قبور ہیں اور چین میں بھی صحابہؓ کی قبور ہیں اور صحابہ کرامؓ افغانستان کو فتح کرنے کے بعد جس درے سے چین میں داخل ہوئے تھے وہ اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے جس میں سارا سال برف رہتی ہے گرمیوں میں بھی نہیں پگھلتی بلکہ گرمیوں میں وہ خطرناک ہو جاتی ہے کہ کئی سوفٹ برف جمی ہوئی ہے اور اس میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ رات کو روزانہ ان پر برف پڑتی ہے تو دراڑوں کو اوپر سے ڈھانپ دیتی ہے سمجھ نہیں آتی اگر بندے کا پاؤں اس دراڑ پہ آ جائے تو وہ سینکڑوں فٹ نیچے برف میں چلا جاتا ہے، لاش بھی نہیں ملتی۔ وہاں سے جب لوگ گزرتے ہیں تو آگے جانور لگا لیتے ہیں گائے بیل گدھے گھوڑے وہ آگے جاتے ہیں جہاں سے برف ٹوٹے جانور گرے، بندے کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہاں سے بچنا ہے ورنہ اس پہ گرمیوں میں بھی کوئی نہیں گزرتا اور یہ عرب کے صحراؤں میں رہنے والے اتنی سردی میں سے اپنے گھوڑوں سمیت گزر گئے اور چین یخ ترین ملک ہے۔ چین اور جاپان میں مَیں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ ہمارے ہاں جتنی سردی ہو وہ وجود کو لگتی ہے لیکن چین اور جاپان میں ایسے لگتا ہے جیسے سردی ہڈیوں میں اتر رہی ہے، اتنی سردی ہوتی ہے۔ جب انہیں جہاد کا حکم ہوا تو یہ صحراؤں کے باسی افغانستان سے چین تک چلے گئے ہر حکم مان کر دکھایا۔ فرمایا میرا وہ رسول ﷺ جو اُمّی ہے خود بھی اللہ کی ذات اور اس کی صفات کو مانتا ہے اور اس کے احکام کو بھی مانتا ہے اب تمہارے پاس ایک ہی راستہ ہے وَاتَّبِعُوْهُ تم اس کی غلامی کرلو اس کا اتباع کرلو۔ اگر تمہیں حکومت ملی ہے تو نبی اُمّی ﷺ کے حکم کے مطابق کرو۔ اگر تم نے قانون بنانے ہیں تو حضور اکرم ﷺ کے بنائے ہوئے قانون نافذ کرو اگر تم کہتے ہو ہماری عدالتیں ہیں تو عدالتوں میں انصاف تب ہوگا جب ان میں قرآن و سنت کے مطابق فیصلے ہوں گے۔ اگر تم کہتے ہو ہماری فوج ہے تو اسے جہاد کی تربیت دو اور ان خطوط پر استوار کرو جن پر محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ وگرنہ تمہارا دعوائے ایمان بھی

جھوٹا ہو جائے گا لیکن ہمارا رویہ کیا ہے؟ یہاں ہم کہہ دیتے ہیں کلمہ بھی پڑھا نماز بھی پڑھتے ہیں باقی زندگی ہماری ہے جو جی چاہے گا کریں گے آج آپ جو جی چاہے گا کریں گے تو اس کو بھی جو پسند ہوگی وہ کرے گا۔ کیا آج بھگت نہیں رہے ہو، ہنستے بستے شہروں میں قتل و غارت ہو نہیں رہی؟ عدالتیں موجود ہیں، فوج موجود ہے، رینجرز ہیں، وزیر ہے وزیر داخلہ ہے، وزیر خارجہ ہے لیکن کیا پچاس پچاس جنازے ایک ایک شہر سے اٹھ نہیں رہے، کہاں ہے امن؟ مساجد میں بم پھوڑے جا رہے ہیں، عبادت گاہیں اڑائی جا رہی ہیں، امیر غریب بلاتفریق مارا جا رہا ہے، یہ کس بات کی سزا ہے؟ نافرمانی کی۔

فرمایا بات مانو اللہ کی ذات کو بھی مانو، اس کے احکام کو بھی مانو، میرے نبی ﷺ کی بات مانو جو اُمی ہے، اللہ کو مانتا ہے، اللہ کے احکام کو مانتا ہے، تم اس کی پیروی کرو لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝ تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ ہدایت صرف اتباع رسالت میں ہے جہاں سے دامن چھوٹے گا وہاں سے ہدایت کا رستہ گم ہو جائے گا۔

حق کی بات اور اس کے ساتھ انصاف:

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ۝ موسیٰ کی قوم میں ایسے لوگ بھی تھے۔ امۃ کی ایک جماعت ایسی بھی تھی يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ جو حق کے مطابق ہدایت کرتے تھے حق کی بات کرتے تھے۔ اللہ اور اللہ کے نبیؑ کی بات کو جیسا کہ اللہ کے رسولؑ نے فرمایا ہے بعینہٖ پیش کرتے تھے۔

حق کیا ہے، حق کا معیار کیا ہے، کس بات کو حق کہنا چاہیے اور کون سی چیز ناحق ہے؟ یاد رکھیں جو نبیؑ بھی مبعوث ہوا اپنی اُمت، اپنی قوم، اپنے زمانے کے لئے، ان لوگوں کے لئے پورا نظام حیات لایا۔ نبیؑ صرف اللہ کی توحید کی بات نہیں کرتا نبیؑ صرف اپنی رسالت نہیں منواتا بلکہ جہاں ہر نبیؑ نے توحید باری کا اقرار کروایا اپنی نبوت کو تسلیم کرنے کا حکم دیا وہاں ایک مکمل نظام حیات بھی دیا۔ جینا مرنا، سونا جاگنا، رشتے ناطے، ماں باپ، بہن بھائی سے برتاؤ، ملک و قوم، بین الاقوامی خرید و فروخت، بیع و شرع، عدالتیں انصاف عدل، سیاست، حکومت غرض ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی کرنا یہ فریضۂ نبوت تھا۔ بعد میں جب لوگوں میں اپنی خواہشات کا زور ہوا تو لوگ طریقہ یہ اختیار کر لیتے رہے کہ اس بات کو مذہب کے حوالے سے پیش کرتے حالانکہ وہ ان کی اپنی ذاتی بات ہوتی۔ نہ اللہ کا فرمان ہوتا نہ اللہ کے نبیؑ کی بات ہوتی۔ اپنی اغراض کے لئے دین کا سہارا لے کر اقتدار میں آنا دولت کمانا یہ سب ناحق ہے۔ حق وہ ہے جو اللہ نے فرمایا، جو اللہ کے رسولؑ نے فرمایا اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ناحق ہے۔ سادہ سی بات ہے کوئی لمبی بحث نہیں ہے۔ کوئی حکم کسی معاملے میں ہو، شرعی امور میں ہو، دنیاوی امور میں، عبادت میں، معاملات میں، سیاسیات میں، عدلیہ میں اگر وہ حکم

اللہ اور اللہ کے رسولﷺ کا ہے تو حق ہے اور جہاں اللہ اور اللہ کے رسولﷺ کے حکم کو چھوڑ دیا گیا ہے اور لوگوں نے اپنی خواہشات سے کوئی نظام بنالیا ہے وہ ناحق ہے۔

یہ مثال ہمارے لئے بھی ہے اور بڑی واضح بھی ہے کہ ملک کو آزاد ہوئے چونسٹھ برس ہو گئے، ایک طرح سے پون صدی ہے، اس برصغیر میں مسلمانوں کی مطلق العنان حکومتیں تھیں۔ بادشاہ تھے، جو جی چاہتا تھا کرتے تھے لیکن اس کے باوجود عظیم سلطنت اور بڑی بادشاہت کے باوجود علماءِ حق کا درجہ بادشاہ سے زیادہ ہوتا تھا۔ اور معاملات علماء کے مشورے سے اور دین کے مطابق طے ہوتے تھے۔ غلطیاں بھی ہوئی ہوں گی کوتاہیاں بھی ہوئی ہوں گی لیکن دین کو معاملات سے الگ نہیں کیا جاتا تھا۔ بہت خوبصورت تعلیمی نظام تھے عدلیہ علماء اور مفتیان کرام کے اختیار میں تھی۔ صاحب علم اور صاحب ورع وتقویٰ لوگ عدالتوں کے سربراہ ہوتے تھے اور شرعی حیثیت کے مطابق فیصلے ہوتے تھے۔ تعلیمی نظام یکساں تھا فقیر کے بیٹے سے لے کر بادشاہ کے بیٹے تک ایک طرح کے مدارس تھے۔ انہی سے جرنیل بھی آتے تھے انہی سے طبیب بھی آتے تھے انہی میں سے علماء بھی نکل کر آتے تھے انہی سے ہر شعبے کے ماہرین بھی آتے تھے۔ انہیں میں سے مورخ اور طبعیات کے ماہرین بھی آتے تھے وہ مدرسے یونیورسٹیاں تھیں جامعات تھیں۔ اور تعلمی نظام ایسا تھا کہ ہر مدرسہ خود کفیل تھا۔ بادشاہان وقت نے بڑی بڑی جاگیریں مدرسوں کو دے رکھی تھں ان کی آمدنی سے مدارس طالب علموں کو کتابیں، لباس مفت فراہم کرتے تھے۔ بچوں کو خوراک بھی مفت دیتے تھے، اساتذہ کو تنخواہ بھی دیتے تھے۔ انیسویں صدی کے وسط میں جب انگریز نے برصغیر پر قبضہ کیا تو خود انگریز کی گواہی موجود ہے کہ مسلمانوں میں تعلیم کی شرح چوراسی فیصد تھی یعنی چوراسی فیصد مسلمان پڑھے لکھے تھے اور باقی سولہ فیصد وہ تھے جو آبادیوں سے شہروں سے دور تھے یا جنہوں نے تعلیم میں دلچسپی نہیں لی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ نظام پورے کا پورا دینی نہ ہو لیکن پورے کا پورا دین کے خلاف بھی نہیں تھا انگریز نے اپنا نظام بنایا۔ اور لارڈ میکالے کو ہندوستان بھیجا۔ اس نے واپس جاکر برطانوی پارلیمنٹ میں جو رپورٹ پیش کی اس کی ایک کاپی میرے پاس بھی موجود ہے اس میں وہ کہتا ہے کہ میں نے ہندوستان کے مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک سفر کیا میں نے پورے ہندوستان میں کوئی گداگر نہیں دیکھا اور میں نے پورے ہندوستان میں کوئی چور نہیں دیکھا۔ نہ کوئی گداگری کرتا ہے نہ کوئی چوری کرتا ہے۔ یہ تھا مسلمانوں کا نظام حکومت۔

گداگری اور چوری دونوں کی بنیاد افلاس اور بھوک ہے جب غریب کو کچھ نہیں ملتا تو جو تگڑا ہے وہ

چوری کر لیتا ہے جو کمزور ہے وہ گداگری کرنے لگ جاتا ہے تو مسلمانوں کا ایسا مالیاتی نظام تھا کہ کسی بندے کو مانگنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ انگریز نے اسے ختم کر کے اپنا نظام بنایا۔ مدراس سے جاگیریں چھین لی گئیں اور جو عربی فارسی پڑھے لکھے لوگ تھے ان کو سرکاری عہدوں اور ملازمتوں میں جگہ نہ دی گئی۔ حکم کر دیا گیا کہ ان پڑھے لکھے لوگوں کو جگہ نہ دو بلکہ جو انگریزی پڑھے گا اسے جگہ دیں گے وہ سارا نظام تلپٹ کر دیا۔ اپنی عدالتیں اور اپنا عدالتی نظام بنایا، مالیاتی نظام اپنا بنایا اور ہندوستان میں پہلی بار سود رائج کیا۔ سیاسی نظام اپنا بنایا اور اسے سو سال تک چلایا ملک پر نافذ رکھا اور حکومت کی۔ پھر انگریز چلا گیا۔ اس کی وجوہات مختلف ہیں۔ ملک آزاد ہو گیا، لیکن ہماری یہ آزادی ایک دھوکا ہے۔ ہماری آزادی بالکل ایسی ہے جیسے آپ دیکھتے ہیں چوک پر راستے پر ریلوے سٹیشن پر طوطے والا بابا بیٹھا ہوتا ہے اور قسمت کے کارڈ طوطا نکال کر دکھا رہا ہوتا ہے وہ پنجرے کا دروازہ کھول دیتا ہے طوطا باہر نکلتا ہے ایک کارڈ اٹھاتا ہے واپس پھر پنجرے میں چلا جاتا ہے۔ وہ طوطا کہنے کو تو آزاد ہے کہ اس کے لئے پنجرہ کھول دیا جاتا ہے۔ طوطا باہر نکلتا ہے لیکن پھر وہ پنجرے میں ہی سکون پاتا ہے۔ ہماری آزادی یہی ہے کہ ہم آزاد ہوئے لیکن جو پنجرہ انگریز نے بنایا تھا ہم واپس اسی میں داخل ہو گئے۔ آج ہمارے کسی نظام سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں جو تعلیمی نظام انگریز نے بنایا تھا وہ آج اس سے بدتر ہو چکا ہے جو عدالتی نظام انگریز کے زمانے میں تھا آج اس سے بھی بدتر ہو چکا ہے۔ سیاسیات غنڈہ گردی، بے ایمانی اور بدمعاشی کے سوا کچھ بھی نہیں یہ سارا کیا ہے؟ ہم من حیث القوم اور پورا ملک ناحق میں مبتلا ہے۔

حق کیا ہے؟ جو اللہ کا حکم ہے اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔

تو فرمایا موسیٰؑ کی قوم میں بھی ایک جماعت ایسی تھی کچھ لوگ ایسے تھے جو حق کی بات کرتے تھے وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ اور اس کے ساتھ انصاف کرتے تھے۔ قرآن کریم کا انداز تخاطب بڑا محبوب، بہت وسیع اور بہت عام فہم ہے۔ بڑی عجیب بات ہے علماء جب علمی باتیں علمی انداز میں کرتے ہیں تو ان میں فصاحت و بلاغت بھی ہوتی ہے یعنی چند الفاظ میں معنی کا سمندر قید ہوتا ہے۔ لیکن وہ عام آدمی کے پلے نہیں پڑتیں وہ علماء کے لئے ہی رہ جاتی ہیں۔ قرآن کریم وہ کتاب ہے جس کی فصاحت و بلاغت بے مثل و بے مثال ہے۔ بہت وسیع معانی کو چند الفاظ میں قید کر دیا جاتا ہے لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ اسے عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ فرمایا

وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ وہ صرف حق کی بات نہیں کرتے تھے اس کے ساتھ انصاف بھی کرتے تھے۔ اب حق کی بات کے ساتھ انصاف یہ ہے کہ پورے خلوص دل سے اس پر عمل کیا جائے۔ وعظ تو میں بھی کہہ رہا ہوں بے شمار لوگ کہتے ہیں آپس میں ہم بیٹھتے ہیں تو ایک دوسرے کو اچھی بات کی تلقین کرتے ہیں لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو اس اچھی بات کو خود سے الگ کر دیتے ہیں۔ ہمارا عمل ٹھیک نہیں ہوتا۔ یہ کیا ہے؟ یہ حق کے ساتھ ناانصافی ہے۔ یعنی حق کو آپ جانتے ہیں اور اس کے ساتھ عدل نہیں کر رہے۔ عدل کا مقابل کیا ہوتا ہے؟ عدل کا مقابل ہوتا ہے ظلم یعنی آپ حق کو جانتے بھی ہیں بیان بھی کرتے ہیں پھر اس کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں اس پر عمل نہیں کر رہے۔ اگر کرتے ہیں تو دکھاوے کے لئے کرتے ہیں خلوص سے نہیں کرتے تو قرآن کریم فرماتا ہے کہ موسیٰؑ کی قوم میں ایک جماعت ایسی تھی جو حق کی بات کرتے تھے يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ حق کی ہدایت کرتے تھے۔ حق کی بات بیان کرتے تھے وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ اور اس حق کے ساتھ انصاف بھی کرتے تھے خود بھی خلوص دل سے اس پر عمل کرتے اور یہ وہی لوگ ہیں کہ جب انہیں حضور اکرم ﷺ کا زمانہ نصیب ہوا تو ایمان لے آئے مسلمان ہو گئے وہی خوش نصیب ہیں کہ جب موسیٰؑ کے دین پر تھے تو یہودیت پر قائم تھے جب انہیں بعثت نبوی ﷺ کا سنہری دور ملا تو وہ مشرف با اسلام ہو گئے اور اسلام میں بھی اللہ نے انہیں بڑے مدارج دیئے اور صحابیت کا اعلیٰ رتبہ دیا۔

حق کے ساتھ ظلم کیا ہے؟

اس ایک چھوٹی سی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رات دن ہمارے ٹیلی ویژن پہ چلتا ہے کہ فلاں بینک میں رقم جمع کروائیں اور ہر مہینے منافع پائیں یہ ہر مہینے جو منافع ملتا ہے ساڑھے آٹھ فی صد یا ساڑھے نو فیصد یہ کیا ہے؟ سود ہے۔ چونکہ قرآن کریم نے سود کو بڑی سختی سے منع کیا ہے اور فرمایا جو سود کھاتا ہے اس کا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ اب حق کے ساتھ ظلم یہ ہے کہ سود کا نام منافع رکھ کے مسلمانوں کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ کھاتے رہو اور بے شمار لوگ کھا رہے ہیں کہ ہم نے رقم دی ہوئی ہے اس پر منافع لے رہے ہیں حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ جو سود لیتا ہے وہ پہلے کوئی رقم دیتا ہے تو اس پر سود لیتا ہے۔ انہوں نے بھی رقم دی ہوئی ہے جس پر سود کھا رہے ہیں۔ جو حرام ہے لیکن حق کے ساتھ ظلم یہ ہے کہ اس کا نام بدل کر منافع رکھ دیا اور کھاتے رہے تو کیا اس طریقے سے کوئی اللہ کریم کو دھوکا دے سکتا ہے؟ یہ تو اپنے آپ کے ساتھ

دھوکا ہے۔ اس کا تب پتہ چلے گا جب آنکھ بند ہو گی۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ الناس نائمون او کماقال رسول اللہ ﷺ لوگ دنیا میں ایسے جی رہے ہیں جیسے سو رہے ہیں۔ سونے والوں کو گرد و پیش کا آگے پیچھے کا کوئی پتہ نہیں ہوتا۔ سو رہا ہے جب تک آنکھ نہیں کھلتی۔ بے خبر ہے۔ فرمایا جب آنکھ کھلے گی حیران رہ جائیں گے یعنی جب موت آئے گی تو یہ جاگیں گے اور حقائق سامنے آئیں گے تو پھر پتہ چلے گا کہ ہمیں کرنا کیا چاہیے تھا ہم کرتے کیا رہے ہیں؟ یہ ہم اپنے آپ کے ساتھ دھوکا کر رہے ہیں۔ یہ ناحق ہے۔ یہ ظلم ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جو حق کی بات کرتے تھے اور حق کے ساتھ انصاف کرتے تھے وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ ہم نے موسیٰ کی قوم کو بارہ قبائل میں تقسیم کر دیا۔ تقسیم الٰہی بھی عجیب ہوتی ہے۔ دنیا میں علاقوں، جگہوں اور زبانوں کے باعث لوگ تقسیم ہوئے ہیں۔ پھر اس سے آگے چلیں تو اقوام آ گئیں قومیں اپنی اپنی ہیں پھر قوموں سے آگے چلیں تو ہر قوم میں قبیلے اپنے اپنے ہیں جہاں کوئی نامور فرد ہوا ہے اس کے نام پر اس کی نسل کا نام چلنے لگ گیا تو بے شمار قبائل بن گئے اسی طرح بنی اسرائیل میں بھی اللہ کریم نے کوئی بارہ اشخاص ایسے مقرر فرمائے کہ پوری قوم بارہ قبائل میں تقسیم ہو کر بارہ حصے بن گئی۔ اب انہیں جب پانی کی ضرورت پیش آئی موسیٰ سے عرض کی کہ ہم آبادیاں چھوڑ کر سمندر پار کر کے ایک دشت میں آ گئے ہیں یہاں پانی نہیں ملتا وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ جب موسیٰ کی قوم نے پانی کی درخواست کی تو ہم نے موسیٰ کو حکم دیا اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ اپنا عصاء پتھر پر ماریئے فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ فرمانے کی دیر تھی کہ اس پتھر میں سے بارہ چشمے الگ الگ پھوٹ نکلے۔ اللہ قادر مطلق ہے چاہتا تو بارش برسا دیتا، چاہتا تو اپنی قدرت کاملہ سے دریا بہا دیتا، دریا جاری کر دیتا، چشمہ جاری کر دیتا لیکن دنیا عالم اسباب ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کام کاج کچھ نہ کرو یہ توکل ہے ان کے لئے اس میں سبق ہے کہ قدرت دنیا میں جتنے کام کرتی ہے ان کا ظہور اسباب سے ہوتا ہے۔ قادر مطلق بھی دنیاوی اسباب کے اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ہر کام کے پیچھے ایک دنیاوی سبب ہوتا ہے یہ قدرت کا اپنا بنایا ہوا قانون ہے کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ ہر ایک نے اپنے نصیب کی روزی کو پالینا ہے کام اس لئے کرنا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے یہ سبب اختیار کرنا ہے۔ جائز اور حلال محنت کرے، مزدوری کرے، کاروبار کرے اور پھر اللہ سے دعا کرے کہ اس میں مجھے حلال روزی بھی دے اور

میری روزی میں برکت بھی دے۔

چنانچہ حکم دیا کہ پتھر پر عصا مارو یعنی سبب اختیار کیجئے۔ آپؑ نے عصاء مارا تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اب بارہ قبائل تھے اللہ نے بارہ چشمے جاری کر دیئے۔ بعض مفسرین کے نزدیک وہ ایک چٹان تھی جو پہاڑ میں تھی اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ وہ ایک گول مٹول سا پتھر پانی کے ایک مٹکے جتنا تھا اس پر موسیٰؑ نے عصا مارا تو اس میں سے بارہ چشمے جاری ہو گئے جب انہیں پانی کی ضرورت ہوتی چشمے جاری ہو جاتے جب وہ دشت کا علاقہ چھوڑ کر کہیں آگے جاتے تو اپنا پتھر اٹھا لیتے وہاں جا کے رکھ دیتے جب وہاں ضرورت ہوتی لوگ پانی کے لئے آتے تو اس میں سے چشمے جاری ہو جاتے تو بہر حال دونوں باتیں درست ہو سکتی ہیں اللہ قادر ہے ویسے بھی تو اس نے اپنی قدرت کاملہ سے اس سے پانی جاری فرما دیا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ ہر آدمی کو اپنا پانی لینے کا مقام بتا دیا۔

معاشرتی تنظیم کا ایک اصول:

دنیا کے نظام کی طرف اشارہ ہے کہ ہر آدمی اپنی ذمہ داری اور اپنے کام سے مطلب رکھے۔ بارہ قبائل تھے۔ بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ اب دوسرے چشمے میں کیا آ رہا ہے۔ اس کا پانی ٹھنڈا ہے یا میٹھا ہے اس کا پانی گدلا ہے یا صاف ہے اس سے دوسرے کو تعلق نہیں تم اپنے چشمے سے پانی بھرو۔ دنیا میں بے شمار مصیبتیں ہماری وہ ہیں جو ہم نے زبردستی اپنے گلے چمٹا رکھی ہیں وہ ہمارا دردسر ہی نہیں کسی اور کی ذمہ داری ہے اور ہمارا طرز زندگی یہ ہو گیا ہے کہ جو کام اپنے ذمے ہے اس کی فکر ہی نہیں اور یہ فکریں لاحق ہیں کہ فلاں نے یہ کر دیا اور فلاں نے یہ نہیں کیا۔ یعنی دوسروں کی ذمہ داریوں کے بارے سوچتے رہنا اپنی ذمہ داریوں سے غافل کر دیتا ہے۔ یہ بیماری ہے جس میں آج ہم مبتلا ہیں۔ دوسروں کی فکر ہر ایک کو ہے۔ کسی کے پاس دس منٹ بیٹھ جاؤ تو کتنے بندوں کا شکوہ کر دے گا۔ اس نے یہ کیا اس نے یہ کیا فلاں ٹھیک نہیں کر رہا۔ اپنی بات کوئی نہیں کرے گا کہ میں نے اپنی ذمہ داری پوری کی ہے یا میں اپنا کام ٹھیک کر رہا ہوں۔ سو معاشرے میں تنظیم تب آتی ہے اعتدال تب آتا ہے انصاف تب ہوتا ہے معاشرہ خوشحال تب ہوتا ہے جب ہر آدمی اپنی ذمہ داری سے کام رکھے۔ اپنی ذمہ داری پوری کرے۔

پھر فرمایا، انہیں دھوپ نے ستایا وحشت ناک جنگل تھا اور صحرا نما جگہ تھی کہیں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں کہیں ریت تھی۔ سایہ دار جگہیں کم تھیں۔ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ پھر انہوں نے موسیٰ ؑ سے درخواست کی موسیٰ ؑ نے دعا فرمائی ہم نے بادلوں کو حکم دے دیا ان پر سایہ کردو جدھر جدھر یہ سفر کرتے رہیں تم ان پر سائبان بنے رہو۔ جدھر جاتے سایہ ساتھ ہوتا اور سورج کی گرمی سے انہیں بچاتا دن بھر سائبان بنا رہتا پھر انہیں بھوک کی شکایت ہوئی۔ اس جنگل میں تو شکار بھی بہت کم ہے پھل دار درخت بھی بہت کم ہیں پانی عام جنگل میں تو ملتا نہیں کہ کہیں کوئی پھل ہو یا کوئی کھانے کی چیزیں اناج وغیرہ ہو کہ ہم کھائیں۔ فرمایا، وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ط ہم نے وہاں ان پر من وسلویٰ میٹھا اور نمکین دونوں طرح کا کھانا آسمانوں سے نازل کرنا شروع کر دیا یعنی کھانے کی جتنی قسمیں بھی ہوں پچاسوں قسمیں آپ گن لیں دو میں سے ایک قسم میں وہ آئے گی یا وہ میٹھی ہوگی یا نمکین ہوگی۔

تو فرمایا ہم نے دونوں طرح کے کھانے ان پر نازل فرما دیئے میٹھے بھی نمکین بھی بنے بنائے کھانے۔ آسمانوں سے نازل ہو جاتے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کوئی میٹھی سی چیز رات کو جھاڑیوں پر لگ جاتی تھی جسے اتار کر وہ کھا لیتے تھے اب بھی ہمارے جنگلوں میں جنگلی زیتون پایا جاتا ہے جسے ہم ٹوؤ کہتے ہیں یہ جنگلی زیتون ہے اور اس پر اصلی زیتون پیوند کیا جاتا ہے تو اس پہ پھل بھی پڑتا ہے ان چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کے ساتھ سفید رنگ کی تاریں جمع ہو جاتی تھیں۔ جو نہایت شریں نہایت میٹھی ہوتی تھیں اور ہم یہ سوچا کرتے تھے کہ یہ شاید بنی اسرائیل کے اسی من کا حصہ رہ گیا ہے جو جھاڑیوں پہ لگا کرتا تھا یا شاید اس طرح کا ہوتا ہوگا بہر حال اللہ ہی کو حقیقت حال معلوم ہے۔

یہ بات قرآن کریم ارشاد فرما رہا ہے وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ط ہم نے ان کو دونوں طرح کے کھانے عطا فرمائے میٹھے بھی نمکین بھی۔ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ط وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ اور ہم نے انہیں کہا کہ بہت پاکیزہ چیز ہم نے آسمانوں سے نازل کی ہے نہ اس میں کسی دکاندار کا کوئی ہاتھ لگا نہ کسی کاریگر کا ہاتھ لگا نہ اس میں کسی برتن کا استعمال ہوا کہ وہ صاف تھا یا نہیں یا ہاتھ پاکیزہ تھے یا نہیں تھے یا بندہ باوضو تھا یا بے وضو تھا یا اس کی کمائی جائز تھی یا ناجائز تھی کچھ بھی نہیں براہ راست اللہ نے اپنی بارگاہ سے تمہیں پاکیزہ رزق دے دیا۔

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ شکار کیا کرتے تھے تو کسی نے ان پر اعتراض کیا کہ آپ عالم دین ہیں اور مقتدا و پیشوا ہیں تو شکار جیسی فضول بات پہ آپ دن ضائع کر دیتے ہیں یہ کیا بات ہوئی آپ جانور شکار کرتے پھرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ جانوروں کو شغل کے لئے مارنا جائز نہیں ہے کہ آپ جائیں اور دس دس بیس بیس جانور مار کر چھوڑ دیں یہ درست نہیں ہے لیکن کھانے کے لئے شکار کرنا اللہ نے جائز قرار دیا ہے اور حلال ہے اور اس میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ ہے کہ جہاد کی تربیت ہوتی رہتی ہے بھاگ دوڑ بھی ورزش بھی ہو جاتی ہے نشانہ بازی کی مشق بھی ہو جاتی ہے جہاد کی اعلیٰ تربیت جو ہے وہ شکار میں ہے دوسرا یہ الطیب الرزق ہے پاکیزہ ترین رزق ہے کہ شکار کو گولی مارتے ہیں یا تیر مارتے ہیں یا نیزہ مارتے ہیں جانور گر گیا اللہ کا نام لے کر اسے ذبح کر لیا تو براہ راست اللہ کے ہاتھ سے رزق لے لیا۔ درمیان میں نہ کوئی منڈی آئی نہ مارکیٹ نہ کوئی سوداگر آیا نہ تاجر آیا کسی کا درمیان میں کوئی واسطہ نہیں پاکیزہ ترین رزق ہے، الطیب الرزق ہے۔ تو اللہ فرماتے ہیں انہیں بھی ہم نے یہ فرمایا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ ہم نے نہایت پاکیزہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں، کھاؤ، پیٹ بھر کے کھاؤ، جتنا جی چاہے کھاؤ لیکن ایک دوسرے سے چھپانا نہیں روزانہ تازہ مل جاتا ہے۔ آسمانوں سے نازل ہو رہا ہے اللہ کریم دے رہے ہیں تو پھر چھپا کے رکھنے کی کیا ضرورت ہے تو اللہ کریم نے منع کر دیا کہ چھپانا نہیں لیکن وہ باز نہ آئے جس کے قابو جو آتا وہ کھانے سے زیادہ لے جاتا پھر جو بچ جاتا اسے چھپا کے کہیں رکھ دیتے جب صبح دیکھتے تو وہ گلا سڑا ہوا ہوتا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے تو انہیں فراوانی سے رزق دیا وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ترجمے والے حضرات نے تو الفاظ کا ہی ترجمہ کرنا تھا تو انہوں نے ترنجبین اور بٹیریں لکھا ہوا ہے لیکن قرآن کریم کا جو براہ راست مفہوم ہے من و سلویٰ سے مراد میٹھا اور نمکین دونوں طرح کا تھا۔ بہرحال اللہ کریم نے انہیں کیا کھانے دیئے کیا نعمتیں دیں وہ رب جانے اور اس کا کام جانے لیکن یہ فرمایا کہ اب اس میں ہیرا پھیری نہ کرنا یہ تو تمہیں اللہ کی طرف سے مفت مل رہا ہے تو یہ نہ ہو کہ اپنے حصے سے زیادہ جمع کر لو دوسروں کے لئے رہنے نہ دو لیکن لوگ باز نہ آئے چھینا جھپٹی پہ آ گئے اٹھا لیتے، چھپا لیتے وَمَا ظَلَمُوْنَا فرمایا، انہوں نے ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کی ہماری نافرمانی کر کے کوئی بندہ ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کرتا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ وہ اپنے آپ کے ساتھ ظلم کرتا ہے اس کا نتیجہ ان کے حق میں کوئی اچھا نہیں ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نعمتیں بند ہو گئیں۔ جو اُن کو بطور انعام ملی تھیں۔

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ بچہ پیدا ہوتا تو اسے وہ جو لباس پہناتے جوں جوں وہ بچہ بڑا ہوتا جاتا

لباس از خود بڑا ہوتا جاتا تھا۔ بدلنا نہیں پڑتا تھا۔ میلا نہیں ہوتا تھا۔ صاف رہتا تھا بچہ جوان ہو جاتا تو وہی لباس اس جوان پہ بھی پورا ہوتا تھا۔ ساتھ ساتھ بڑھتا جاتا تھا۔ بے شمار سہولتیں اللہ نے دیں لیکن جب نافرمانیاں کیں تو بند ہو گئیں اور یہ انہوں نے اپنے آپ کے ساتھ ظلم کیا۔ اسی آیت سے دور حاضر کے مسائل کے حل کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ آج کل ہمارے ہاں امن کے بڑے دعوے ہو رہے ہیں قیام امن کی میٹینگیں ہو رہی ہیں قیام امن کا سادہ سا طریقہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات مان لو اس پر عمل کرو۔ امن ہو جائے گا۔ حق کے ساتھ عدل کرو امن ہو جائے گا اور اگر نہیں مانو گے اور اپنی ہی ٹھونسنا چاہو گے تو امن کیسے ہوگا، ممکن نہیں ہے۔

فرمایا یہ تو ایسے بدنصیب لوگ تھے کہ ہم نے انہیں حکم دیا کہ چلو یہ نعمت تو تم نے زیادتی کر کے گنوادی اب بھی چارہ یہی ہے کہ موسیٰ ؑ کے پاس جاؤ۔ موسیٰ ؑ نے پھر دعا فرمائی کہ یا اللہ یہ نادان تھے، جاہل تھے۔ انہوں نے ظلم کیا، زیادتی کی۔ لیکن تو مہربان ہے مہربانی فرما۔ ایسا کرو یہ بہت بڑا شہر ہے اس میں گھس جاؤ۔ اس شہر کے باسی تمہارے آنے سے بھاگ جائیں گے۔ دولت و نعمت سے بھرے گھر مال و منال سمیت چھوڑ جائیں گے تو تم وہاں جا کر بس جاؤ اور کھاؤ پیو تمہارے لئے وہ حلال کر دیا، تمہارے لئے وہ مال غنیمت ہے وہ تم سے لڑیں گے بھی نہیں بھاگ جائیں گے وَاِذۡ قِیۡلَ لَهُمُ اسۡكُنُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ تمہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر میں بس جاؤ وَكُلُوۡا مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ نعمتوں سے بھرا پرا آباد شہر ہے کھاؤ پیو یہ سب تمہارے لئے حلال ہے۔ تمہارے لئے یہ مال غنیمت ہے۔ اللہ کا انعام ہے لیکن دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ ہے وَقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ ''حِطَّةٌ'' کہتے ہوئے داخل ہونا۔ حِطَّةٌ اس زبان میں توبہ کو کہتے ہیں۔ فرمایا وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا اور دروازے سے سر جھکا کر سجدے کی کیفیت میں ہو کر اللہ کے سامنے سر جھکا کر اور توبہ کرتے ہوئے گزرو۔ یہ شہر تمہارے لئے حلال ہے ساری نعمتیں تمہارے لئے ہیں کھاؤ پیو موج کرو اور صحرا کی بجائے بڑے بڑے گھروں میں بس جاؤ۔ اگر تم توبہ کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے، سر جھکاتے ہوئے دروازے سے داخل ہوئے تو شہر تو تمہیں مل ہی گیا نعمتیں بھی مل گئیں گھر بھی مل گئے نَّغۡفِرۡ لَكُمۡ خَطِيۡٓـٰٔتِكُمۡ ؕ ہم تمہارے سارے پچھلے گناہ بھی معاف کر دیں گے۔ جو غلطیاں تم کر چکے ہو جو کوتاہیاں تم سے ہوئی ہیں۔ گاؤ سالے کو پوجنے لگ گئے وہاں سے جان چھوٹی تو صحرا میں آ کے بھی تم نے ناشکری کی نعمتوں کی ناشکری کی وہ تم پر بند ہو گئیں۔ اب اس شہر میں داخل ہو جاؤ سر جھکا کر توبہ توبہ کرتے ہوئے چلے جاؤ۔ تمہارے گناہ بھی معاف کر دیں گے اور

تمہارے لئے یہ نعمتیں بھی حلال ہیں ۔فرمایا سَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۶۱﴾ اور نیکی کرنے والوں کو مزید دیں گے ۔ محسنین سے مراد قلبی کیفیت ،خلوص کے حامل لوگ ہیں ۔جس میں جتنا خلوص ہوگا اس کو اتنا زیادہ انعام دیں گے اور انعام بڑھا دیں گے فَبَدَّلَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ قَوۡلًا غَيۡرَ الَّذِىۡ قِيۡلَ لَهُمۡ لیکن ان میں ایسے ظالم بھی تھے کہ جو بات انہیں کہی گئی تھی وہ انہوں نے بدل دی ۔انہیں کہا گیا تھا ''حِطَّةٌ'' وہ کہنے لگے حنطة ۔ اور حنطة کرتے ہوئے داخل ہوئے ''حِطَّةٌ'' کا مطلب توبہ تھا ان کی زبان میں حنطة گندم کو کہتے تھے ۔تو وہ بھوک بھوک ،غلہ غلہ ،روٹی روٹی کرتے ہوئے گھس گئے ۔فَبَدَّلَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ قَوۡلًا غَيۡرَ الَّذِىۡ قِيۡلَ لَهُمۡ جو ان میں ظالم تھے انہوں نے جو لفظ کہنے کا حکم دیا تھا اسے دوسرے لفظ سے بدل دیا نتیجہ کیا ہوا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ ہم نے ان پر آسمان سے مصیبتیں بھیج دیں ۔بعض علماء فرماتے ہیں طاعون پہلی دفعہ بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا ۔اس جرم میں ان میں طاعون کی وباء پھیل گئی اور ڈھیروں کے ڈھیر مرنے شروع ہوگئے اور ہم نے آسمان سے ان پر مصیبتیں نازل کردیں بِمَا كَانُوۡا يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۶۲﴾ کہ وہ زیادتی کرتے تھے ۔ظلم کرتے تھے ۔تو آپ اندازہ کرلیجئے ۔

آیہ مبارکہ کا حاصل:

قرآن کریم یہ حکایات حکائیت کے لئے بیان نہیں کرتا بلکہ اس سے سبق سیکھنے کے لئے ارشاد فرماتا ہے ۔آج ہم اپنا کردار دیکھیں ارشاد باری کیا ہے ۔فرمان رسول اللہ ﷺ کیا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں اور کس طرح سے ہم حق کو بدل کر دین کے نام پر دنیا کماتے ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ہر بندہ جو برائی کرتا ہے اس کا ایک جواز تراش لیتا ہے ڈاکو سے پوچھیں تو کہتا ہے کہ اور کیا کریں روزگار تو ملتا نہیں اور کوئی راستہ بھی نہیں گویا ڈاکہ حلال ہوگیا ۔برائی کا جواز تراشنا ہے ۔جب یہ برائی کا جواز تراشے جاتے ہیں تو آسمانوں سے بھی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں ۔تو پھر کیا ان مصیبتوں کو سیاسی جماعتیں روک لیں گی یا حکمران روک لیں گے نہیں ۔ہم سب کو اجتماعی طور پر عام آدمی سے لے کر حکمرانوں تک علماء سے کر سیاستدانوں تک اللہ کی بارگاہ میں واپس آنا ہوگا ۔اللہ کے قانون کو اختیار کرنا ہوگا ۔اللہ کے نبی کریم ﷺ کا اتباع کرنا ہوگا تو یہ ساری چیزیں راحت میں تبدیل ہوجائیں گی ۔نہیں کریں گے تو طرح طرح کے عذاب جنم لیتے رہیں گے اور ہم ان کا مداوا کرتے رہیں گے اور یہ مصیبتیں بڑھتی رہیں گی ۔اللہ کریم ہم سب کو یہ شعور بھی بخشے ۔عمل کرنے کی توفیق بھی دے اور جو گناہ ہم کرچکے ہیں ان سے خلاصی بھی عطا فرمائے ۔

سورۃ الاعراف رکوع 21 آیات 163 تا 171

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا

الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧١﴾

اور ان سے اس بستی کے بارے پوچھئے جو سمندر کے کنارے واقع تھی۔ جب وہ لوگ ہفتے کے بارے میں (شرعی) حد سے باہر نکلنے لگے جب ان کے پاس ہفتے کے دن مچھلیاں سامنے آنے لگیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں اس طرح ان لوگوں کی نافرمانیوں کے سبب ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا۔ ﴿۱۶۳﴾ اور جب ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والے ہیں یا ان کو سخت عذاب دینے والے ہیں انہوں نے کہا اس لئے کہ تمہارے پروردگار کے سامنے معذرت کر سکیں اور ہوسکتا ہے کہ وہ پرہیز گاری اختیار کر لیں۔ ﴿۱۶۴﴾ پس جب انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی جس کی ان کو نصیحت کی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو اس برے کام سے منع کرتے تھے اور جو ظلم کرتے تھے ہم نے ان کو بُرے عذاب سے پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ برائی کرتے تھے۔ ﴿ ۱۶۵ ﴾ پس جب انہوں نے اس کام میں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا سرکشی کی تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔ ﴿۱۶۶﴾ اور جب آپ کے پروردگار نے (یہود کو) آگاہ فرمادیا کہ وہ ان پر قیامت کے دن تک ضرور ایسے لوگ مسلط کرتا رہے گا جو ان کو شدید تکلیف پہنچاتے رہیں گے بے شک آپ کا پروردگار بہت جلد عذاب کرنے والا ہے اور یقیناً وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿۱۶۷﴾ اور ہم نے ان کو زمین پر جماعتیں بنادیا کچھ ان میں نیک تھے اور کچھ اور طرح کے (بد) اور ہم ان کی آسائشوں اور تکلیفوں (دونوں طرح) سے آزمائش کرتے رہے تاکہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔ ﴿۱۶۸﴾ پھر ان کے بعد ایسے لوگ (اُن کے) جانشین ہوئے جو کتاب کے وارث بنے یہ دنیائے دُنی کا مال (حرام) لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں عنقریب ہماری بخشش ہوجائے گی اور اگر ان کے پاس پھر ایسا ہی مال (دین فروشی کے بدلے) آنے لگے تو اس کو لے لیتے ہیں کیا (اس) کتاب

میں ان سے (یہ) عہد نہیں لیا گیا تھا کہ اللہ کے بارے سوائے سچ کے کچھ نہ کہیں گے؟ اور اس (کتاب) میں جو تھا انہوں نے پڑھ بھی لیا اور آخرت کا گھر پرہیز گاروں کے لئے بہترین ہے۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں؟ ﴿۱۶۹﴾ اور جو لوگ کتاب کو مضبوط پکڑتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ ﴿۱۷۰﴾ اور جب ہم نے ان کے اوپر (سروں پر) پہاڑ کو سائبان کی طرح معلق کر دیا اور یہ سوچنے لگے کہ یہ ان پر گر پڑے گا (تو ہم نے فرمایا) جو کچھ ہم نے دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑو اور جو اس میں (تحریر) ہے اس کو (خوب) یاد رکھو (عمل کرو) تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ ﴿۱۷۱﴾

تفسیر ومعارف

بنی اسرائیل کے پاس ان کی کتاب میں بہت سی تبدیلیوں اور تحریف کے باوجود جو تاریخی واقعات گزر چکے تھے ان کا علم بھی ان کے پاس تھا جس سے ان کے علماء اچھی طرح واقف تھے بلکہ یہاں تک کہ ان تاریخی واقعات کی بابت علمائے یہود ہی مشرکین مکہ کو سوال سکھایا کرتے تھے کہ جا کر حضور اکرم ﷺ سے یہ سوال کرو کہ اس کا جواب بجز نبیؐ کوئی نہیں دے سکے گا جیسے روح کے بارے میں پوچھا گیا حضرت یوسفؑ کے بارے پوچھا گیا تو پوری سورہ یوسف نازل ہوئی اسی طرح اصحاب کہف کے بارے سوال ہوا تو ارشاد ہوا وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴿۱۶۳﴾ اے میرے حبیب ﷺ آپ ان سے بستی والوں کے بارے پوچھیئے۔ ان سے سوال کریں۔ یہ اس معاملے کو خوب جانتے ہیں ان کے پورے علم میں ہے ان کے پاس یہ تاریخی حقائق موجود ہیں۔

حضرت جیؒ مناظر بھی تھے اور تمام فرقہ باطلہ کے خلاف آپؒ نے ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں سمیت سب سے مناظرے کئے تو حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگلا سوال کرتا رہے اور آپ جواب دیتے رہیں تو آخر کب تک دیں گے۔ یہ تو مثال ایسی ہے کہ کوئی ایک شخص لاٹھیاں برساتا رہے دوسرا بات کرتا رہے تو برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ اس کا سوال ٹھنڈے دل سے سنے اور سوال کا جواب دے

لیکن سنتا ہی نہ رہے اس پر سوال بھی کرے۔ طریق مناظرہ یہ ہوتا ہے کہ ایک بندہ اعتراض کرتا ہے اس کی بات سنیں اس کا تسلی بخش جواب دیں اس کے بعد آپ بھی اس پہ سوال کریں اسے بھی سوچنا پڑے اسے بھی بتانا پڑے۔ یہی طریق یہاں کتاب اللہ سے ماخوذ ہوتا ہے کہ یہ تو بار بار سوال کرتے ہیں، میرے حبیب ﷺ آپ بھی ان سے سوال کیجئے وَسۡئَلۡهُمۡ آپ ﷺ ان سے پوچھیئے یہ اس گاؤں اور اس آبادی کے بارے جانتے ہیں جو حاضرہ البحر کنار سمندر پہ تھی۔ دریا کے کنارے یا سمندر کے کنارے یہودیوں کی ایک بستی تھی اوران پر اللہ نے ایک آزمائش ڈال دی۔ یہودیوں کا متبرک دن ہفتہ ہے جیسے ہمارے ہاں دنوں میں جمعہ متبرک دن شمار ہوتا ہے یہودیوں کے ہاں ہفتہ شمار ہوتا ہے عیسائیوں کے ہاں اتوار۔ ہے تو اللہ نے ان پر آزمائش یہ ڈال دی کہ فرمایا ہفتہ تمہارا متبرک دن ہے تو ہفتے کے دن تم مچھلیاں نہ پکڑا کرو یہ لوگ کنارِ سمندر تھے ان کا روزگار ہی مچھلیاں پکڑنا تھا۔ خوراک مچھلیاں کھانا تھی۔ بیشتر حصہ خوراک کا مچھلی تھی۔ مچھلی فروخت کر کے دوسری ضروریات کپڑا، جوتا وغیرہ گھر کا دوسرا سامان پورا کرتے تو فرمایا تم ہفتے کے دن ناغہ کیا کرو اور باقی ہفتے کے سارے دن مچھلیاں پکڑا کرو اب اللہ کی شان اللہ کی آزمائشیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ نیک لوگوں پہ جب مہربانی فرماتا ہے تو ان کے لئے مزید نیکی آسان کر دیتا ہے۔ گو بظاہر وہ کتنی مشکل ہو لیکن وہ کام وہ آسانی سے کر لیتے ہیں یہ اس کا احسان ہوتا ہے۔ جب بدکاروں پہ ابتلا آتی ہے تو ان کے لئے گناہ کے مواقع آسان کر دیتا ہے اور یہ بڑا سخت امتحان ہے کہ کسی کے لئے گناہ کے مواقع کھول دیئے جائیں اور کوئی اسے روکنے، ٹوکنے والا نہ ہو تو وہ بندہ بے دھڑک کئے چلا جاتا ہے جیسے آج کل ہمارے ارباب اقتدار کو کوئی پوچھنے والا نہیں جو جی میں آتا ہے کرتے چلے جاتے ہیں لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ پوچھنے والا موجود ہے۔ جس کی کائنات ہے۔ جس کی مخلوق ہے، جس نے حساب لینا ہے وہ موجود ہے، وہ ہر حرکت وسکون کو خود دیکھ رہا ہے، ملاحظہ فرما رہا ہے، اس کے فرشتے لکھ رہے ہیں، کوئی روکنے والا نہ ہو تو وہ روکنے والا تو موجود ہے۔ اگر اس نے مہلت دی ہے تو یہ بڑا سخت امتحان ہے۔ جب انہیں یہ حکم ہوا۔ اِذۡ یَعۡدُوۡنَ فِی السَّبۡتِ اِذۡ تَاۡتِیۡهِمۡ حِیۡتَانُهُمۡ یَوۡمَ سَبۡتِهِمۡ شُرَّعًا جب انہیں ہفتے کے دن شکار سے روک دیا گیا تو اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ہفتے کے دن مچھلیاں کنارے پہ آجاتیں جدھر دیکھو پانی میں مچھلی ہی مچھلی نظر آنا شروع ہو جاتی۔ مچھلیاں ڈاروں کی ڈار پھرتی تھیں۔ اب انہیں شکار منع تھا اور جب ہفتہ کا دن گزر جاتا تو مچھلیاں بھی گہرے پانی میں چلی جاتیں۔ پھر بڑی محنت کرنی پڑتی کبھی کوئی شکاری خالی لوٹتا کبھی کسی ے ہاتھ دو چار مچھلیاں لگتیں کوئی دس بارہ پکڑ لیتا لیکن محنت اور مجاہدے سے ہاتھ آتیں اور ہفتے کے دن تو گویا ساری مچھلیاں کنارِ سمندر آجاتیں اور کم گہرے پانی میں آ

جاتیں یہاں تک کہ نظر آنے لگتیں کہ مچھلیوں کے ڈار پھر رہے ہیں تو انہوں نے بھی ایک طریقہ ایجاد کیا جیسا ہم نے آج کل ایجاد کر لیا ہے کہ ہم سود کو سود نہیں کہتے منافع کہہ کر کھا جاتے ہیں۔ انہوں نے بھی کہا ہم ہفتے کو نہیں پکڑیں گے لیکن سمندر کے کنارے بڑے بڑے حوض جیسے گڑھے بنا دیئے اور ایک پانی کی نالی سمندر سے نکال کر ان حوضوں میں پہنچا دی اور وہ مچھلیاں اس پانی کے راستے ان حوضوں میں بھی چلی جاتیں وہ حوض بھر جاتے۔ جب وہ حوض بھر جاتے تو درمیان میں کوئی سل وغیرہ رکھ کے وہ نالی بند کر دیتے اور پھر دوسرے دن پکڑ لیتے اور پھر انہوں نے حوضوں سے کہاں جانا ہے سب پکڑی جاتیں تو اللہ کریم اس واقعے کا ذکر ارشاد فرماتے ہیں کہ اے میرے حبیب ﷺ ان سے پوچھیئے کہ تم وہ لوگ ہو کہ جب تم پر ہفتے کا امتحان ڈالا گیا تو تم شرعی حد سے نکلنے لگے۔ ہفتے کے دن تو بے شمار مچھلیاں آ جاتیں تھیں وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ اور جس دن ہفتہ نہیں ہوتا تھا تو مچھلی نظر نہیں آتی تھی۔ ڈھونڈنے سے تلاش کرنے سے ملتی تھی۔ مشکل ہو جاتا تھا كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ انہیں اس آزمائش میں کیوں ڈالا گیا؟ فرمایا، اس لئے کہ یہ بدکار قوم تھی تو بدکاروں کو جب مزید آزمائش میں ڈالا جاتا ہے تو ان کے لئے گناہ کے مواقع آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر یہ نیک ہوتے، اطاعت گزار ہوتے تو اللہ کریم انہیں گناہ سے بچنے میں مدد فرماتے لیکن یہ اللہ کے نافرمان تھے۔ فاسقین تھے۔ فاسق کہتے ہیں نافرمان کو تو اللہ کے نافرمان تھے فاسق تھے بدکار تھے سو اللہ نے ان پر یہ آزمائش ڈال دی کہ جس دن شکار پکڑنا منع تھا بے شمار مچھلیاں کنارے پر آ جاتی اور جب پکڑنا منع نہیں تھا ان دنوں میں غائب ہو جاتیں تو فرمایا یہاں پر آزمائش تھی اس لئے کہ وہ اللہ کے نافرمان تھے اور یہ بڑی سخت آزمائش ہے کہ کسی کو اللہ کی نافرمانی کی یہ سزا دی جائے کہ اس پر گناہ کے مواقع آسان کر دیئے جائیں یہ بہت سخت آزمائش ہے۔ تو جب انہوں نے اس طرح پکڑنی شروع کیں تو سب لوگ اس میں شامل نہیں تھے۔ لوگوں کے تین طبقے بن گئے ایک وہ جو مچھلیاں قید کر لیتے پھر ہفتہ بھر ان کو پکڑ کر کھاتے رہتے۔ دوسرے وہ لوگ جو انہیں اس سے روکتے کہ یہ ظلم نہ کرو یہ زیادتی ہے۔ جب تم نے پتھر رکھ کے راستہ بند کر دیا تو وہ پکڑی تو گئیں یہ بہانہ کر کے کہ ہم نے پکڑی نہیں پانی میں ہیں تو اللہ کے نزدیک اس طرح کے بہانے تو نہیں چلتے جب تم نے انہیں قید کر لیا تو وہ پکڑی گئیں تو اللہ کی نافرمانی کر رہے ہو اور اس پر عذاب آئے گا ایسا نہ کرو۔ درمیان میں کچھ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ تمہیں کیا؟ پکڑتے ہیں تو پکڑتے رہیں وہ جانیں اور اللہ جانے تم انہیں منع کیوں کرتے ہو۔ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وہ تیسرے طبقے والے جو منع کرتے تھے

دوسرے ان کو کہنے لگے لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ ایسے لوگوں کو کیوں وعظ کرتے ہو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ تباہ کرنا چاہتا ہے۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس کا نتیجہ عذاب الٰہی ہوگا۔ اللہ ان کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو تم لوگ ان کو کیوں چھیڑتے ہو ان کو کرنے دو اللہ انہیں کو تباہ کرے گا اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ یا ان پر کوئی بہت سخت عذاب نازل فرمائے گا تو انہیں تبلیغ کیوں کرتے ہو، وعظ کیوں کرتے ہو انہیں کیوں سمجھانے کی کوشش کرتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ سمجھیں یا نہ سمجھیں یہ تو ان کے نصیب کی بات ہے ہم انہیں اس لئے روکتے ہیں قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ کہ ہمارے پروردگار کے سامنے ہمارا عذر قبول ہو جائے کہ اے اللہ ہم نے خود بھی نہیں پکڑیں اور پکڑنے والوں کو بھی اس سے روکا۔

نصیحت کا مقصد اور طریقہ:

ہم یہ ذمہ داری سمجھتے ہیں کہ جائز کو جائز اور ناجائز کو ناجائز کہا جائے۔ ناجائز کرنے والے کو پیار سے سمجھایا جائے کہ بھئی یہ کام جو کر رہے ہو یہ درست نہیں ہے۔ یہاں اللہ کریم نے قرآن حکیم میں جو لفظ استعمال فرمایا ہے وہ ہے 'تعظون' یہ وعظ سے ہے وعظ کا معنی نصیحت ہے اور نصیحت خیر خواہی کے جذبے سے کی جاتی ہے گویا جس بندے کا آپ بھلا چاہتے ہیں اسے نصیحت کریں تو اس کا مطلب ہے گناہ گار کو اس کے گناہ سے روکنے سے اس کی خیر خواہی مقصود ہونی چاہیے کہ اس کا بھلا ہو جائے اللہ کا بندہ ہے اللہ کے عذاب سے بچ جائے اللہ کا بندہ ہے تو اللہ کی نافرمانی سے بچ جائے۔ یہاں ایک قصور ہم سے یہ ہو جاتا ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے فلاں کو توبہ کرا کے چھوڑی گویا میری فتح ہوگئی اور وہ ہار گیا تو یہ واعظ کی یا عالم کی یا پیر صاحب کی یا نصیحت کرنے والے کی فتح وشکست کا معاملہ نہیں ہے یہ معاملہ عظمتِ الٰہی کا ہے۔ جب اس غرض سے وعظ کیا جائے اور دل میں یہ جذبہ ہو کہ اللہ کرے لوگوں کو فائدہ ہو اس سے ان کے حالات اور بہتر ہو جائیں اور وہ اللہ کی نافرمانی سے نکل جائیں تو اللہ کریم مہربانی فرماتے ہیں اگلوں کو فائدہ ہوتا بھی ہے اور جب اپنا رعب جمانے کے لئے لچھے دار تقریریں کی جائیں اور بڑے بڑے مشکل الفاظ استعمال کئے جائیں اور جگہ جگہ شعروں سے اس کو سجایا جائے اس سے غرض یہ ہو کہ سننے والے کہیں کہ کیا تقریر کی کمال کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب سامعین تقریر سُن کے باہر نکلتے ہیں تو بیشک تجربہ کر لیجئے گا یا کسی سے پوچھئے گا کہ تقریر کیسی تھی تو کہے گا بڑی غضب کی تقریر تھی بہت اچھی تھی یہ پوچھ لو کہ اس نے کہا کیا کہے گا یار یہ تو مجھے نہیں پتہ یعنی تقریر کی تعریف کریں گے اس کا مفہوم کیا ہے، اس کا ماحصل کیا ہے، کیا کہا، انہوں نے کس کام سے روکا، کس کام کے

کرنے کو کہا؟ یہ کسی کو پتہ نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ تقریر کرنے والا اپنے مقرر ہونے کا رعب ڈال رہا ہوتا ہے۔ نصیحت کا مقصد یہ نہیں ہونا چاہیے۔

نیکی کی توفیق ہوتو خود کو پارسا نہیں سمجھنا چاہیے:

مقصد یہ ہونا چاہیے یہ اللہ کی مخلوق ہے اللہ اسے اپنے عذاب سے بچالے یہ بھی انسان ہے میرا بھائی ہے تو کوئی ایک اللہ کا بندہ اگر میری نصیحت سن کر بچ گیا تو شائد اس کے طفیل اللہ مجھے بھی معاف فرما دیں گے۔ میں بھی انسان ہوں میں بھی خطا کار ہوں۔ دنیا میں کوئی ایک بندہ ایسا نہیں ہے جس کا جنت پر حق بنتا ہو۔ کسی کا کوئی حق نہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سوائے اللہ کی رحمت کے کوئی داخل نہیں ہوگا۔ وہی داخل ہوگا جسے اللہ انعام میں جنت دیں گے اپنی رحمت فرمائیں گے تو حبیبہ حبیب کبریاء ام المومنین حضرت عائشہ الصدیقہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ بھی؟ فرمایا میں بھی۔ تو وہ بڑی حیران ہوئیں۔ انہوں نے عرض کی اللہ کی مخلوق تو آپ ﷺ کی شفاعت سے جنت میں جائے گی آپ ﷺ کے طفیل جنت میں داخل ہوگی تو آپ ﷺ نے فرمایا تو کیا یہ رحمت الٰہی نہیں؟ اگر اللہ نے مجھے یہ مقام بخشا ہے تو یہ بھی تو اس کی رحمت ہے رحمت کے بغیر تو کوئی کام نہ بنا۔ سو بندہ جتنی بھی اطاعت کرلے وہ اس سے زیادہ اجر پہلے حاصل کر چکا ہے۔ وہ مالک الملک جس نے چھوٹے چھوٹے سیلوں کو روئے زمین پر جمع کر کے سلب پدر میں، شکم مادر میں جمع کر دیا اور اس سے ایک جیتا جاگتا انسان بنا دیا پھر اسے اتنی نعمتیں دیں دماغ، حواس خمسہ، عزت و آبرو، مال و دولت، جوانی، زندگی، اولاد، گھر بار اتنی نعمتیں دیں کہ قرآن کریم فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ البقرہ: 21 لوگو اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں عدم سے وجود دیا خَلَقَكُمْ تم کو پیدا کیا بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں اور مسلسل عطا فرمائے جا رہا ہے رَبَّكُمُ اب بھی تمہارا رب وہی ہے پروردگار وہی ہے ساری نعمتیں وہی دے رہا ہے لہٰذا اس کی عبادت کرو تو عبادت جو ہے یہ ان نعمتوں کا شکر ہے جو اللہ نے ہمیں دی ہیں مزید جو عطا فرمائے گا۔ جنت عطا فرمائے گا یہ اس کی مزید رحمت ہوگی ہمارا حق نہیں بنتا کوئی بندہ جو کچھ لے چکا ہے اپنی عبادت سے اس کا حق بھی ادا نہیں کر سکتا لہٰذا ہر بندے کو وہ پیر صاحب ہوں، مولانا صاحب ہوں، مفتی صاحب ہوں عام آدمی ہو ہر بندے کو یہ احساس رہنا چاہیے کہ میں اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں اللہ مجھ پر رحم فرمائے تو بات بنے گی اور پھر یہ توفیق عمل اور نیکی کی توفیق، روزہ رکھنے کی توفیق، تراویح پڑھنے کی توفیق، شب بیداری کی توفیق، سجدے کرنے کی توفیق یہ سب بھی تو وہ توفیق عطا کرتا ہے تب ہی وہ کام ہوتا ہے۔ جن سے توفیق لے لیتا ہے ان کے بارے لوگ کہتے ہیں یہ نماز نہیں پڑھتا

میں کہتا ہوں جو نہیں پڑھتے وہ انہیں پسند نہیں کرتا کہ یہ میرے دروازے پہ سجدہ ریز ہوں۔ پتہ نہیں انہوں نے کیا گستاخی کی، کیا گناہ سرزد ہوا، کون سا جملہ ان کی زبان سے نکل گیا کہ اللہ نے توفیق سلب کر لی تو ایسے لوگوں کو توبہ کرنی چاہیے، اللہ سے معافی مانگنی چاہیے اور دعا کرنی چاہیے کہ اللہ مجھے توفیق دے میں تیری بارگاہ میں سجدہ کر سکوں۔ مجھے توفیق دے میں تیرا حکم پورا کر سکوں، روزہ رکھ سکوں، مجھے توفیق دے میں راتوں کو اٹھ کر تجھے یاد کروں، مجھے توفیق دے میں تنہائی میں بیٹھ کر تیرا نام لوں۔ تجھ سے اپنے دکھ سکھ کہوں اپنی باتیں کہوں اپنے دل کی باتیں کروں اے اللہ مجھ پر مہربانی فرما۔

تو کچھ لوگوں نے کہا یہ کیا کرتے ہو ہم تو پکڑتے نہیں تم بھی نہیں پکڑتے تو جو پکڑتے ہیں انہیں پکڑنے دو ان پر اللہ کا عذاب آجائے گا تم کیوں منع کرتے ہو؟ انہوں نے کہا منع اس لئے کرتے ہیں قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰی رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴿۱۶۴﴾ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک ہمارا عذر تو قبول ہو جائے گا اے اللہ ہم نے خود بھی گناہ نہیں کیا اور گناہ کرنے والوں کو بھی سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ گناہ نہ کریں تو اللہ ہمارا یہ عذر قبول فرمائیں اور دوسری بات کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ یہ بھی نیک ہو جائیں کیوں جہنم میں جائیں، کیوں عذاب الٰہی کا شکار ہوں؟ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ تو یہ بھی اللہ کی مخلوق ہے ہمارے بھائی ہیں آدمؑ کی اولاد ہیں تو اللہ انہیں اپنے عذاب سے بچا لے تو اے اللہ ہمارا دل یہ بھی چاہتا ہے کہ یہ بھی بچ جائیں تو اس کا مطلب ہے قرآنی اصول یہ ہے کہ گناہ سے تو نفرت کی جائے گنہگار سے نہیں، گنہگار سے ہمدردی ہونی چاہئے۔ جیسے ڈاکٹر کو یا گھر والوں کو بیماری سے تو نفرت ہوتی ہے بیمار سے نہیں۔ بیمار کی تو وہ حفاظت کرتے ہیں علاج کرانے کی کوشش کرتے ہیں، دوائیں دیتے ہیں چاہتے ہیں کہ بیماری نکل جائے تو گناہ سب سے بڑی بیماری ہے۔ گناہ سے ضرور نفرت کی جائے لیکن گنہگار ہماری ہمدردی کا مستحق ہے پیار کا مستحق ہے۔ اگر ہم اسے طعنے دیں گے تو وہ مزید دور جائے گا۔ اگر ہم اس سے پیار کریں گے تو ایک بندہ دن میں دس غلطیاں کرتا ہے دس گناہ کرتا ہے۔ اگر وہ ایک بھی چھوڑ دے تو یہ بھی آجائے تو کچھ بھلا تو اس کا ہو گیا ہمیں چاہیے کہ سارے لوگ بایزید بسطامی بن جائیں تو یہ تو ممکن نہیں ہے سارے لوگ پارسا نہیں ہو جاتے لیکن اگر دس گناہوں سے کوئی ایک گناہ بھی چھوڑ دے تو شائد اللہ اس پر رحم فرمائے اور وہ مزید ایک ایک کر کے چھوڑنے لگ جائے۔ ایک وقت ایسا آئے کہ وہ سارے چھوڑ دے تو گنہگار ہماری دعا کا بھی مستحق ہے ہماری ہمدردی کا بھی مستحق ہے حتیٰ کہ زندگی میں کافر کے لئے بھی ہدایت کی دعا کرنا یہ بہت اچھی بات ہے کہ یا اللہ یہ بھی انسان ہے یہ بے چارہ کفر میں پھنسا ہوا ہے اسے ہدایت دے۔ ہاں یہ مر جائے پھر وہ دعا کا حقدار نہیں۔ کفر پہ مر جائے تو مرنے کے بعد اس

کے لئے بخشش کی دعا جائز نہیں اس کا اسے حق نہیں ہے کیونکہ اس نے زندگی بھر اللہ کی عظمت کو قبول نہیں کیا تو اگر کفر پہ مرگیا تو پھر دعا سے محروم ہوگیا لیکن کافر کے لئے بھی یہ تمنا کرنا کہ یہ توبہ کرلے یہ اچھی بات ہے تو اب اگر اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اسلام میں کہاں گنجائش ہے کہ آپ کسی کو قتل کرتے پھریں یہ کافر ہے اس کو گولی ماردو گولی مارنے کا حق نہیں ہے اور اب تو کافر کی بات تو جانے دو مسلمان ایک دوسرے کو گولیوں سے اڑا رہے ہیں کہ یہ اچھا آدمی نہیں ہے اسے ماردو یہ فلاں ہے اسے ماردو۔ مساجد میں بم پھٹ رہے ہیں یہ بریلویوں کی ہے یہ دیوبندیوں کی ہے جبکہ ارشاد باری ہے وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ الجن:18 یقیناً مسجدیں اللہ کی ہیں نہ کوئی مسجد دیوبندیوں کی ہے نہ بریلویوں کی ہے نہ اہلحدیثوں کی ہے۔ خوامخواہ انہوں نے بورڈ لگا رکھے ہیں۔ ہر مسجد اللہ کی ہے۔ اللہ کا گھر ہے۔ اللہ کا کوئی بھی بندہ اس میں آسکتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے پاس عیسائیوں کا وفد آیا تو آپ ﷺ کا تو عبادت خانہ بھی مسجد نبوی تھی اور تخت عالی بھی مسجد نبوی کا مصلیٰ ہی تھا۔ سفیر آتے تھے تو مسجد نبوی میں ملاقات ہوتی تھی۔ قوم کے فیصلے، صلح و جنگ کے فیصلے، مسجد نبوی میں ہوتے تھے، قانون نافذ کرنے کی بات ہوتی تھی تو مسجد نبوی میں ہوتی تھی۔ وحی آتی تو تو مسجد نبوی میں، ارشاد فرمایا جاتا تھا کہ یہ حکم آیا ہے اور سب کے لئے یہ حکم ہے۔ مسجد صرف نماز کے لئے نہیں ہوتی مسجد مسلمانوں کا ایک مرکز ہے تمام درد اور دکھ کی دوا وہاں ہوتی ہے۔ تعلیم و تعلم مسجد میں ہوتا تھا، پڑھائی مسجد میں ہوتی تھی، قوانین مسجد میں بنائے جاتے، نافذ کئے جاتے تھے۔ سفیر مسجد میں آکر ملاقاتیں کرتے اور ٹھہرتے تھے۔ کافروں کے سفیر مسجد نبوی میں حضور ﷺ ٹھہراتے تھے۔ عیسائیوں کا ایک وفد آیا اسے حضور ﷺ نے مسجد میں ٹھہرایا رات کو ان میں سے کوئی شخص اٹھا اس نے صحن مسجد میں پیشاب کردیا۔ اب وہ عیسائی تھا اس کے ذہن میں مسجد کا وہ تصور تھا ہی نہیں یا شرارتاً اس نے ایسا کیا اللہ ہی بہتر جانے لیکن ایسا کیا۔ صبح پتہ چلا سیدنا فاروق اعظمؓ بہت غصے میں آگئے فرمایا اس کا سر اڑا دینا چاہیے اس نے شرارت کر کے مسجد نبوی کی توہین کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا نہیں جتنی جگہ پیشاب سے آلودہ ہوئی ہے وہاں سے مٹی کھود کر ساری مٹی باہر پھینک دو اور جگہ برابر کردو اسے کچھ نہ کہو اسے مسجد کے احترام کا پتہ نہیں ہے اس کے لئے دعا کرو اللہ اسے بھی سکھا دے۔ اس حد تک تو اسلام نے برداشت کی تربیت دی ہے۔ آج ہم ذرا ذرا سی بات پر بندے کو کافر بنانے پر لگے ہوئے ہیں۔ یار کافر کو مسلمان بنانا تو کوئی بات ہے۔ کوئی کہتا بھی ہے مسلمان ہوں وہ جانے اس کا رب جانے آپ اس کے پیچھے کیوں لگ گئے ہیں کہ نہیں تم مسلمان نہیں تم کافر ہو۔ ہاں! کوئی ضروریات دین کا انکار کرے، اللہ کی عظمت کا انکار کرے، قرآن کی حقانیت کا انکار کرے، حضور اکرم ﷺ آپ کے اہل بیت آپ ﷺ کے صحابہ کرام کی

توہین کرے، احکام اسلامی کا انکار کرے، فرشتوں کے وجود کا انکار کرے، جنت و دوزخ کا انکار کرے، آخرت کے حساب کتاب قیامت کا انکار کرے تو وہ کافر ہے۔ لیکن اگر یہ سب کچھ نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہے لیکن گناہ گار سہی مسلمان تو ہے بیچارے کو کیوں کافر بناتے ہو؟ کوشش کرو کہ گنہگار کو گناہ سے نیکی کی طرف لے آؤ نہ یہ کہ اسے دھکا دے کر کفر کی طرف پھینک دو اور یہ قتل عام جو ہمارے ملک میں ہو رہا ہے اس کا تو کوئی جواز ہی نہیں کوئی شخص اس کے جواز کی بات نہیں کر سکا یہ سراسر ناجائز اور حرام ہے۔ بے گناہ اور معصوم لوگوں کو سر راہ قتل کرنا کون سا دین ہے بہرحال انہوں نے دو باتیں کیں ہم ایک تو اس لئے انہیں منع کرتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک ہمارا حق تو ادا ہو جائے ہماری طرف سے تو ہو جائے کہ اللہ ہم نے مچھلیاں پکڑی بھی نہیں اور پکڑنے والوں کو روکا بھی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا دل یہ چاہتا ہے کہ یہ بھی نیک ہو جائیں اور گناہ کو چھوڑ دیں فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ اب قرآن کریم نے عجیب انداز اپنایا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے جب وہ بالکل ہی رب کی بات بھول گئے انہیں پرواہ ہی نہیں رہی کہ اللہ نے ہمیں منع کیا ہے یا نہیں تو گناہ پہ بے دریغ دلیر ہو گئے فرمایا، تو ہم نے جو لوگ برائی سے روکتے تھے ان کو بچا لیا اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے اور انہیں روکتے تھے ان کو تو نجات دے دی ان کو تو عذاب سے بچا لیا وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَىِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ اور جو لوگ ظلم کرتے تھے ہفتے کو مچھلیاں پکڑتے تھے ان کو ہم نے ایک بڑے سخت عذاب میں پکڑ لیا اس لئے کہ وہ بدکار تھے برائی کرتے تھے۔

قرآن کریم نے بڑا خوبصورت انداز اپنایا ہے۔ جو مچھلیاں پکڑتے بھی نہیں تھے اور پکڑنے والوں کو منع بھی نہیں کرتے تھے ان کا ذکر ہی نہیں فرمایا۔ یعنی انہیں قابل ذکر ہی نہیں سمجھا ایک بندہ خود گناہ نہیں کرتا لیکن دوسرے کو گناہ کرنے سے روکتا بھی نہیں تو قرآن کریم نے اسے اس قابل نہیں سمجھا کہ اس کا ذکر کیا جائے۔ اب یہ رب ہی جانے کہ وہ منع نہ کرنے والے ہلاک ہو گئے یا بچ گئے قرآن نے ان کا ذکر نہیں کیا تیسرے طبقے کو چھوڑ دیا دو طبقوں کا ذکر کیا۔ جو منع کرتے تھے ان کو بچا لیا اور جو باز نہیں آتے تھے ان کو ایسا عذاب دیا کہ ذلیل کر کے رکھ دیا۔ کیا عذاب دیا فرمایا فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾ جب وہ اس سے باز نہ آئے اور حد سے بڑھ گئے تو انہیں ذلت آمیز عذاب نے آلیا۔ ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ کسی بہت بڑی کشتی میں آپ ایک ایک کنکر ڈالنا شروع کر دیں ڈالتے جائیں ڈالتے جائیں آخر ایک وقت آئے گا کہ وہ اتنے کنکر ہو جائیں گے کہ وہ کشتی ان کے بوجھ سے ڈوب جائے گی

کہنے کو کنکر ہے لیکن مسلسل ڈالتے رہنے سے ڈوب گئی۔ گناہ کی یہی مثال ہے مسلسل کرتے رہنے سے آخر بندہ تباہ ہو جاتا ہے۔ غلطی ہو جائے، جہالت سے ہو جائے تو، توبہ کا دروازہ کھلا ہے اللہ کی طرف رجوع کرے، آئندہ وہ غلطی کرنا چھوڑ دے، گزشتہ کی معافی طلب کرے اللہ کریم ہے، نیکی کی توفیق دے دیتا ہے۔ لیکن مسلسل گناہ اصرار علی الذنب ہے یعنی مسلسل گناہ کرتے رہنا گمراہی ہے۔ فرمایا جب حد سے گزرے تو ہم نے حکم دیا كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕیْنَ تم ذلیل بندر بن جاؤ بعض مفسرین نے تفاسیر میں یہ لکھا ہے کہ وہ جو مچھلیاں پکڑتے تھے جب وہ ان کے وعظ نصیحت سے تنگ آئے تو انہوں نے کہا ایسا کرتے ہیں ہم ایک محلے میں ہو جاتے ہیں درمیان میں ایک اونچی دیوار بنا دو یہ نہ ہمیں دیکھیں نہ بات کریں۔ ان پرہیز گاروں کو ایک طرف کر دو۔ انہوں نے درمیان میں بڑی اونچی چھ سات فٹ اونچی دیوار کھینچ دی اور اپنا محلہ الگ کر لیا اللہ نے فرمایا اب تو یہ حد سے گزر گئے۔ اب تو یہ بات سننا بھی نہیں پسند کرتے۔ اللہ نے حکم دیا ذلیل بندر بن جاؤ۔ جب صبح وہ لوگ اٹھے تو دوسری طرف کوئی آواز نہیں آ رہی تھی انسانی معمولات کا کوئی شور شرابا یا بچوں کا شور وغیرہ سنائی نہ دے رہا تھا۔ انہوں نے دیوار سے جھانکا تو بندر اُچھل کود کر رہے تھے اور وہ چیخ رہے تھے، چلا رہے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندر ان مُعذّب یہودیوں سے بنے ہیں۔ بندر پہلے سے موجود تھے بعد میں بھی ہیں یہ ایک ذلیل سی مخلوق ہے۔ غلاظت کھاتی ہے۔ شرارتیں کرتی ہے تو اللہ نے انہیں بھی ذلیل بندر بنا دیا پھر وہ بندروں کی زندگی نہیں جی سکے۔ ایک ایک کر کے دو تین دنوں میں سب مر کر تباہ ہو گئے۔ ان کی اولاد وغیرہ نہیں ہوئی اور نہ وہ آباد ہوئے۔ پھر وہ برباد ہو گئے اور چیختے چلاتے ایک، دو تین دنوں میں جتنا رَبّ نے چاہا سب کے سب مر کر تباہ و برباد ہو گئے لیکن یہ تو دنیا کا عذاب تھا اس پر بات ختم تو نہ ہوئی اصل عذاب تو پھر مرنے کے بعد برزخ کا اور پھر قیامت کے بعد آخرت کا ہے۔ جس طرح وہ گناہ میں مسلسل ترقی کرتے گئے تھے اسی طرح سزا میں بھی درجہ بدرجہ ترقی ہوتی چلی جائے گی۔ اللہ کریم اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ اس مصیبت سے بھی بچائیں کہ بندہ اپنی نیکی پہ ناز اور فخر کرنے لگے۔ اللہ اس مصیبت سے بھی بچائے کہ بندہ خود کو پارسا اور دوسروں کو بدکار سمجھنے لگے۔ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ اگر کوئی بھائی غلطی بھی کرتا ہے تو اس سے ہمدردی سے بات کریں اسے پاس بٹھائیں، اس کی بات سنیں، سمجھانے کی کوشش کریں، باز آ گیا تو اجر آپ کو بھی ملے گا، نہیں باز آیا تو بتلانے کا اجر اللہ آپ کا ضائع نہیں فرمائے گا، آپ کے گناہ معاف کر دے گا، آپ کا بھلا ہی بھلا ہے۔ اللہ کریم ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے گناہ معاف فرمائیں اور خاتمہ بالایمان نصیب فرمائیں۔

سنت اللہ:

بنی اسرائیل کا ہی ذکر چل رہا ہے اور ارشاد ہوتا ہے وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کہ پروردگار نے یہ بات ارشاد فرمادی تھی، یہ بتلا دیا تھا کہ ان پر کسی نہ کسی کو قیامت تک مسلط رکھا جائے گا۔ نزول قرآن کے وقت یہ بتایا گیا کہ اللہ نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ یہودیوں پر ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے قیامت تک کسی نہ کسی ایسے شخص کو مسلط رکھا جائے گا مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ جو انہیں برے سے برے عذاب میں مبتلا کرتا رہے گا۔ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ آپ کا پروردگار بہت جلد حساب لینے والا ہے وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ اور یہ بھی یقینی بات ہے، پکی بات ہے کہ وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے اللہ کریم ... نے ایک دائمی عذاب ان پر مسلط کر دیا کہ کوئی نہ کوئی شخص ان پر ہمیشہ مسلط رہے گا جو انہیں مصیبت میں مبتلا رکھے گا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تب سے لے کر یعنی نزول قرآن کے پہلے سے لے کر آج تک ایسا ہی ہوتا رہا انہیں ہر طرف دنیا میں مار پڑتی رہی لیکن اب تو یہ دنیا پہ حکمران ہیں اور ان کی حکومت بن چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل کی حکومت تو بس دکھاوے کی ہے دراصل یہ جنگ عظیم کے اتحادیوں برطانیہ، فرانس اور امریکہ کی ایک چھاؤنی ہے۔

ان اتحادیوں نے اپنے مفاد کے لئے اور مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے یہودیوں کی ایک برائے نام حکومت بنا رکھی ہے اس کو فنڈز وہ دیتے ہیں، کھانے کو وہ دیتے ہیں، اسلحہ وہ دیتے ہیں اور جہاں ضرورت پڑتی ہے وہاں ان کو قتل کراتے ہیں، مرواتے ہیں مفتی محمد شفیع نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں بڑی ہی ایک خوبصورت بات لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں یہ ان کی حکومت نہیں بنی اللہ کریم کی سنت یہ ہے کہ وہ جہاں کسی کو تباہ کرنا چاہتا ہے قتل کرنا چاہتا ہے، مروا دینا چاہتا ہے، عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو انہیں دور دور سے چلا کر ایک جگہ اکٹھا کر دیتا ہے۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ نزول عیسیٰ ؑ چونکہ دمشق میں ہوگا تو قدرت انہیں دنیا سے ہانک ہانک کر ایک جگہ جمع کر رہی ہے۔ یہ ایک ہی جگہ سارے مارے جائیں گے۔ علماء کے علوم انہیں من جانب اللہ عطا ہوتے ہیں اور ان کے ساری عمر کے مجاہدوں کے سبب ان کے اندازے فضول نہیں ہوتے۔ یہودیوں کی بات ہے کہ دنیا میں منتشر تھے تو مار کھاتے رہے، قتل ہوتے رہے تباہ ہوتے رہے ہر ملک میں ذلیل ہوئے رسوا ہوتے رہے پھر دوسری جنگ عظیم کے بعد عربوں سے فلسطین کا مبارک علاقہ چھین کر ان اتحادیوں نے ان کی حکومت بنا دی اور وہ حکومت بھی طفیلی ہے اس کا نام تو حکومت ہے لیکن درحقیقت برطانیہ کی ایک چھاؤنی ہے جسے وہ خود اپنی مرضی سے نہیں چلا سکتے اور دوسروں کی مرضی کے مطابق انہیں سب کچھ کرنا

پڑتا ہے مرنا جینا پڑتا ہے۔ یہ تو بات یہودیوں کی ہوگئی۔ ہمارے لئے اس میں درس عبرت کیا ہے؟

مسلمانوں کے لئے درس عبرت:

فرمایا جب کوئی قوم برائی میں حد سے بڑھتی ہے تو اللہ نے یہ بات بتا دی ہے وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اللہ قیامت تک یعنی ہمیشہ نافرمان قوموں پر ایسے لوگ مسلط کرتا رہے گا جو انہیں روز نئی مصیبتوں میں گرفتار کرتے رہیں گے۔ کہیں ہم بھی اسی عذاب الٰہی کا شکار تو نہیں ہیں؟ رمضان المبارک ہے آج جمعۃ المبارک کا دن ہے خبر ہے کہ اب تک کراچی میں گیارہ قتل ہو چکے ہیں شام تک چالیس پچاس کی تعداد پہنچ جائے گی۔ حکومت بھی ہے، حکمران بھی ہیں، محکمے بھی ہیں، خفیہ ادارے بھی ہیں، پولیس بھی ہے، فوج بھی ہے، تھانے بھی ہیں، سب کچھ ہے۔ گزشتہ دنوں چالیس قتل ہوئے اٹھتیس اغوا کئے گئے تو یہ بھی قتل ہی ہو جائیں گے یعنی ایک دن کی تعداد اسّی تھی تو جس قوم کے ایک آباد، مرکزی بنیادی تجارتی اور مہذب شہر میں اوسطاً سترا سّی بندے قتل ہو جائیں اور حکومت کو بھی فکر نہ ہو کوئی قاتل بھی نہ پکڑا جائے تو یہ عذاب الٰہی نہیں تو کیا ہے؟ جس عذاب کے مستحق یہودی ٹھہرے تھے کیوں ٹھہرے تھے؟ وہ موسیٰؑ کی نافرمانی کرتے تھے اور اپنے رسولؑ کو ایذا دیتے تھے ہمیں بھی حکم دیا گیا۔ ہے کہ اپنے نبی ﷺ کو اس طرح کے دکھ نہ دو جس طرح کے دکھ یہودیوں نے موسیٰؑ کو دیئے تو آج ہمارا کردار کیا ہے؟ میں اور آپ حکومت کو حکمرانوں کو دوسروں کو چھوڑ دیں میں اور آپ اپنے کردار پر غور کریں کہ ہم سحری سے رات سونے تک جو کچھ کرتے ہیں کیا وہ حضور ﷺ کے حکم کے مطابق ہے؟ من حیث القوم ہم میں اکثریت دو طبقوں کی ہے ایک طبقہ وہ ہے جو دین سے بیزار ہے مغرب کا دلدادہ ہے۔ خواتین بھی برائے نام لباس کے ساتھ سر کھولے ہوئے پھرتی ہیں اور مرد بھی شراب خانوں میں اور کلبوں میں ناچتے گاتے پھرتے ہیں۔ ایک وہ طبقہ ہے جو کلی طور پر دین سے بیزار ہے دین کے خلاف ہے۔ دین سے دور ہو چکا ہے۔ دوسرا بہت بڑا طبقہ وہ ہے جس نے محمد ﷺ کے دین پر اپنی بنائی ہوئی رسومات کو جاری کر دیا ہے۔ انہیں اپنے دین دار ہونے کا زعم بھی ہے وہ جنت کے امیدوار بھی ہیں انہوں نے داڑھیاں بھی رکھی ہوئی ہیں انہوں نے لباس بھی بڑے، اچھے پہنے ہوئے ہیں لیکن سارا دن جو کام وہ عبادت کے نام پر کرتے ہیں اس کی اصل شریعت میں نہیں ملتی۔ اپنے پاس سے عبادتیں گھڑ رکھی ہیں اور اس طرح کی رسومات ہیں کہ کہیں طبلے پر گانا ہو رہا ہے، وہ بھی عبادت ہے کہیں قوالی ہو رہی ہے وہ بھی عبادت ہے، کہیں کوئی دیگیں پکائی جا رہی ہیں اور چندے کئے جا رہے ہیں پتہ نہیں کیا کیا تماشے بن گئے

ہیں تو وہ دین جو محمد رسول اللہ ﷺ لائے تھے وہ بات جو قرآن بتاتا ہے وہ کہاں گئی؟ الحمد للہ ایک تیسرا طبقہ ایسا بھی ہے اگر چہ ایسے لوگ تعداد میں تھوڑے ہوں گے جو کتاب وسنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اصل بات یہی ہے کہ اپنے شب وروز کو قرآن اور سنت کے مطابق کیا جائے۔ قرآن بتاتا ہے کیا کام کرنا ہے۔ سنت سے پتہ چلتا ہے اس کام کے کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ قرآن نے بتا دیا نماز قائم کرو بات ختم ہوگئی۔ اب نماز کیسے پڑھنی ہے اس کی شرائط کیا ہیں، اس کے اوقات کیا ہیں، اس کے لئے وضو کیسے کرنا ہے، لباس کیسا ہونا چاہئے، قبلہ رخ ہونا ہے، کس کس وقت کتنی رکعت پڑھنی ہے، ان رکعات کے اندر کیا پڑھنا ہے، رکوع وسجود میں کیا پڑھنا ہے؟ یہ ساری تفصیل سنت بتاتی ہے۔ یہ ساری تفصیل رسول اللہ ﷺ بتاتے ہیں۔ قرآن بتا دیتا ہے کہ صاحب حیثیت پر حج فرض ہے، اب حج کیسے کرنا ہے، اس کے سفر کی شرائط کیا ہیں؟ پچھلوں کو خرچ دے کر جانا ہے اپنا زادِ راہ لے کر جانا ہے، راستہ صاف ہے وہاں جا کر کس دن، کس تاریخ کو کیا کرنا ہے یہ سارا سنت مطہرہ میں متعین ہے۔ اگر کوئی اس سب کو چھوڑ دے اور کہے کہ، میں فارغ ہوں جمعے کو آپ دو فرض پڑھاتے ہیں مجھے اور کوئی کام نہیں ہے میں تو چار پانچ پڑھوں گا، آٹھ پڑھوں گا تو اس کے وہ دو رکعت بھی قبول نہیں ہوں گے۔ اللہ کا حکم ہے نماز پڑھنے کا اور محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے کہ کس طرح پڑھنا ہے۔ جب کوئی جمعے کی جماعت کے ساتھ دو ہی فرض پڑھے گا تو قبول ہوں گے ورنہ ایک بھی قبول نہیں ہوگا تین بھی قبول نہیں ہوں گے۔ اگر اس شرط کو ہم روز مرہ کے معمولات پر لگا کر Apply کر کے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم دین کے نام پر کیا کیا کرتے ہیں کیا یہ عہد رسالت میں ہوتا تھا، کیا حضور ﷺ نے اس کے کرنے کا حکم دیا، اس کی اجازت دی؟ نہیں دی تو احکام کی تعمیل کو بگاڑ کر اپنی طرف سے اس میں چیزیں داخل کرنا یہ اس سے بڑا ظلم ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ فرمایا آخرت کی بات تو آخرت میں دیکھیں گے۔ دنیا میں، میں تم پر ایک سے ایک بڑا ظالم مسلط کر دوں گا۔ تم مرتے رہو گے، کٹتے رہو گے، لٹتے رہو گے تمہیں سزا ملتی رہے گی حکمران بیٹھ کر عیش کرتے رہیں گے چین کی بانسری بجاتے رہیں گے اور وزارتیں بانٹتے رہیں گے اور دولت بانٹتے رہیں گے تم یہ لے لو تم مجھے وہ دے دو۔ کوئی نہیں پوچھے گا یہ عجیب عذاب ہے تمہارے پروردگار نے بتا دیا کہ تم پر قیامت تک ایسا بندہ مسلط کر دوں گا جو تمہیں نت نئے عذاب میں مبتلا کرتا چلا جائے گا۔ گیس مہنگی ہوگئی، بجلی ہے نہیں بجلی کی قیمت بڑھائی جا رہی ہے، تیل کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں اشیائے ضرورت نہیں ملتیں۔ زرعی ملک ہے لیکن کھانے کو آٹا نہیں ملتا۔ پیسے پاس ہیں ضرورت کی اشیاء نایاب

ہیں یہی تو عذاب الٰہی ہے فرمایا یقینی بات ہے کہ آپ کا پروردگار بڑا جلدی پکڑتا ہے بھاگنے نہیں دیتا لیکن یہ بات بھی یقینی ہے کہ جو کچھ بھی ہو چکا ہے اس سے توبہ کرلو تو یہ بھی یقینی بات ہے کہ وہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ہم میں سے کوئی تو توبہ کرلے میں تو کروں آپ تو کریں۔توبہ کا مطلب ہوتا ہے یہ عہد کرنا کہ جو گناہ میں کر رہا ہوں آئندہ یہ نہیں کروں گا اور آئندہ اسے چھوڑ دینا اسے توبہ کہتے ہیں۔زبانی توبہ توبہ کہنے سے توبہ نہیں ہوتی۔توبہ کا مطلب ہے کہ جو غلطیاں میں کر رہا ہوں میں انشاءاللہ آئندہ یہ نہیں کروں گا اور یا اللہ جو ہو چکا مجھے معاف فرمادے تو فرمایا پکی بات ہے اللہ کی گرفت بھی بڑی سخت ہے فوراً پکڑتا ہے کوئی اس سے بھاگ نہیں سکتا لیکن وہ بخشنے والا بھی ہے۔رحم کرنے والا بھی ہے۔اس سے بخشش مانگ لو اس سے رحمت طلب کرلو توبہ کر کے واپس آجاؤ۔

یہود کو سزائیں:

انہیں دوسری سزا یہ دی وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ ہم نے ان کو زمین پر جماعتیں جماعتیں، فرقے فرقے بنادیا۔یہ ایک نئی مصیبت تھی کہ یہ لوگ باوجود اس کے کہ اللہ کو مانتے تھے موسیٰؑ کو نبی مانتے تھے تو رات کو اللہ کی کتاب مانتے تھے لیکن فرقے فرقے بن گئے۔ہر فرقہ کہتا تھا دوسرا کافر ہے میں جنتیوں میں سے ہوں یہ دوزخی ہیں۔یہ کیا تھا عذاب الٰہی تھا ہمیں اپنا حال دیکھنا چاہیے ہم پر تو نہیں ہے نا! کہیں ہم بھی فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کو کافر کافر تو نہیں کہتے پھرتے؟ اگر کہتے پھرتے ہیں تو پھر وہ دوسرا عذاب جو یہودیوں پر تھا وہ بھی ہم پر آگیا۔اس کا مطلب ہے ہمارا کردار انہیں یہودیوں کی طرح ہے وہ موسیٰؑ کی ایذا کا سبب بنتے تھے ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی ایذا کا سبب بن رہے ہیں لہٰذا ہمیں بھی اللہ نے فرقوں میں بانٹ دیا ہر فرقہ ایک دوسرے کو کافر کہتا ہے اس کے قتل کے درپے ہے اسے ماردینا چاہتا ہے وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ ہم نے ان کو زمین پر فرقے فرقے جماعتیں جماعتیں بنادیا۔

مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ لیکن کچھ لوگ ان میں نیک بھی تھے جو ظلم سے بھی بچے رہے کوئی ظالم بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور جو تفرقہ بازی سے بھی بچے رہے نہ کسی فرقے کا انہوں نے ساتھ دیا نہ کسی کی مخالفت کی ہاں حق بات کرتے رہے اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے نبیؑ کی رضا کے لئے کسی کی مخالفت یا موافقت کے لئے نہیں وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ اور ان میں کچھ لوگ نیک تھے تو کچھ بدکار بھی تھے۔وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ تو ہم نے دونوں طرح کے امتحان ان پر بھیجے خوشحالی بھی بھیجی تنگدستی بھی

بھیجی وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ ہم نے ان کو حسنات یعنی فراخی بھی دی تنگی بھی دی لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ غرض یہ تھی کہ یہ ان مسائل سے سبق حاصل کریں۔ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور اپنے مرکز بارگاہ رسالت میں واپس آجائیں۔ واپس آجائیں اپنے نبیؑ کے در پر اور اپنے نبی علیہ السلام کا دامن تھام لیں اور ہر کام اس طریقے سے کریں جس طریقے سے کرنے کا حکم نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے لیکن ہوا کیا فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ ان کے بعد آنے والے ان کی کتاب کے وارث ہوئے ان کے پاس کتاب آگئی دین آگیا دینی مسائل آگئے۔ وہ مفتی بن گئے، عالم بن گئے، پیر بن گئے، مقرر بن گئے يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ انہوں نے یہ طریقہ اپنا لیا کہ جدھر سے پیسے ملے لے لئے اور اللہ کی کتاب میں تبدیلی کر دی۔ فتوے بیچنے شروع کر دیئے جس نے پیسے دیئے اس کے حق میں فتویٰ دے دیا خواہ وہ اللہ کی کتاب کے خلاف ہی ہو۔ یعنی اللہ کی کتاب میں تحریف کر دی، احکام تبدیل کر دیئے اور اس پر یقین بھی تھا کہ ہم بخشے بھی جائیں گے۔

اللہ کریم معاف کرے جتنی بدعات ہیں یہ ساری کتاب یا سنت میں تحریف کر کے بنتی ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ان پر عمل کرنے والے کو اپنے جنتی ہونے کا بھی گمان ہوتا ہے یہ کام کر کے مجھے جنت ملے گی تو فرمایا بعد میں جو ان کے جانشین ہوئے ان کے پاس جب کتاب آئی تو وہ دنیا اور دنیا کی دولت لے کر اس میں تبدیلیاں کرنے لگے اور کہتے ہیں ہم بخشے بھی جائیں گے وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اور پھر اگر کوئی پیسے دیتا تو لے لیتے اور لوگوں کی خواہش کے مطابق فتویٰ دے دیتے۔ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ انہیں اللہ کی کتاب کا یہ وعدہ بھول گیا تھا جو کتاب میں یہ میثاق لیا گیا تھا کہ اللہ پر سوائے حق کے کچھ نہ کہنا ایک چیز دین نہیں ہے نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم نہیں دیا سلف صالحین نے اس پر عمل نہیں کیا خلفائے راشدینؓ نے نہیں کیا صحابہؓ نے نہیں کیا تابعین تبع تابعین نے نہیں کیا آئمہ امت نے اس کو دین نہیں مانا آج کوئی بندہ کہتا ہے یہ کام ثواب ہے اس کا مطلب ہے اس نے متقدمین پر بھی جھوٹ بولا سلف صالحین پر بھی جھوٹ بولا نبی کریم ﷺ پر بھی جھوٹ بولا اور اللہ پر بھی جھوٹ بولا کیونکہ کسی چیز کو دین قرار دینا یہ منصب الٰہی ہے بتانا منصب رسالت ہے۔ ماننا امت کا منصب ہے تو جنہوں نے دین میں اپنی رائے داخل کی انہوں نے متقدمین پر بھی بہتان لگا۔ اللہ کے نبی ﷺ پر بھی بہتان لگا یا خود اللہ پہ بھی جھوٹ بولا۔

فرمایا کیا یہ کتاب میں جگہ جگہ نہیں پڑھتے کہ اللہ پر سوائے سچائی کے کچھ نہ کہو۔ وہی کہو جو حق ہے جس

کے کہنے کا اللہ کریم نے حکم دیا ہے اور جو کتاب میں ہے اس کو پڑھو بھی محض اپنے اندازے سے فتوے نہ دو اللہ کی کتاب کو پڑھو، سمجھو، سمجھنے کی کوشش کرو اور اس پر عمل کرو یہاں اس عہد کو یاد دلایا جا رہا ہے جو تورات میں لکھا ہوا تھا کہ اللہ پر سچ کے سوا کچھ نہ کہیں گے۔ انہوں نے یہ پڑھا بھی تھا اور اسے خوب جانتے بھی تھے۔ فرمایا، آخرت کا گھر تو پرہیزگاروں کے لئے بہترین ہے تو (اے یہود) کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

اگرچہ خطاب یہود سے ہو رہا ہے لیکن قرآن کا حکم ہر زمانے کے لئے عام ہے اور ہر ایک کو کہا جا رہا ہے کہ آخرت کا گھر تو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہے۔

قرآن کریم اللہ کی واحد کتاب ہے جس کے پائے کا کوئی ادب پارہ ایک آیت کوئی نہیں لکھ سکا۔ بڑے بڑے دانشور، بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ، بڑے بڑے شعراء، بڑے بڑے ادیب ہر زمانے میں ہوئے قرآن نے اپنے نزول کے وقت چیلنج کیا تھا کہ اس جیسی ایک آیت لکھ کر لاؤ آج تک وہ چیلنج موجود ہے آج پندرہویں صدی ہجری ہے ابھی تک کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں بھی ایسا کلام لکھ لایا ہوں بلکہ اب تک جتنے ادیب تھے انہوں نے اپنے عاجز ہونے کا اظہار کیا جو کچھ قرآن نے بتایا ہے وہ یقینی حتمی ہے اور اس میں کس طرح کا کوئی شبہ نہیں اس جیسی تو کوئی دوسری کتاب ہے ہی نہیں۔ اس پر تحریف کی کوشش کیوں کی جائے؟ کوئی کہے کہ میں قرآن کی آیات بدل دوں تو وہ بدل نہیں سکتا چونکہ اللہ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے کوئی زیر زبر نقطہ تبدیل نہیں کر سکتا لیکن غلط تاویلیں کر کے قرآن کے احکام بدل دے تو کتنا بڑا ظالم ہے کتنا بڑا ظلم ہے اور جتنے لوگ یہ تبدیلیاں کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہیں۔ دولت کمانے کے لئے، شہرت کمانے کے لئے، اپنے پیچھے لوگوں کو لگانے کے لئے یہ تماشا کر رہے ہیں اور قرآن کا حکم یہ نہیں ہے اس آیت کی روشنی میں مسلمانوں کے لئے سبق یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی اطاعت اور نبی ﷺ کا اتباع اختیار کرتے ہیں، جو لوگ نبی ﷺ کی پیروی پہ جان لگا دیتے ہیں اگر دولت دنیا ان کے پاس نہ بھی ہو تو کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ انہیں آخرت سے سرفراز فرماتا ہے اور آخرت دنیا سے بے بہا بہتر چیز ہے۔ جسے ہمیشہ رہنا ہے دنیا کی دولت تو چند سکے ہیں جمع کرتے رہیں اور چھوڑ کے مر جائیں گے تو کیا ہوگا؟ کتنے لوگوں نے جمع کئے اور چھوڑ کر مر گئے، کسی کو کفن نصیب ہوا کسی کو وہ بھی نہیں۔ کسی کو قبر نصیب ہوئی اور کسی کو قبر بھی نصیب نہیں ہوئی۔ تو دنیا تو کوئی بڑی چیز نہیں ہے۔ اللہ کی اطاعت خلوص کے ساتھ، نبی کریم ﷺ کی پیروی پورے خلوص کے ساتھ، یہ تقویٰ ہے۔ جس طرح یہود سے کہا گیا اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ لوگو تم میں اتنی عقل بھی نہیں ہے کہ اس بات کو

سمجھ سکو اسی طرح ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم عقل سے کام لیں اور اپنے نبی ﷺ کا دامن تھام لیں۔ یاد رہے کسی پیر صاحب، کسی مولانا حتیٰ کہ جنہیں ہم امام مانتے ہیں آئمہ فقہ، آئمہ تفسیر، آئمہ حدیث یہ اپنی طرف سے ایک لفظ بتانے کے مجاز نہیں ہیں۔ اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں فرمائے ان کا امت پر احسان ہے کہ انہوں نے زندگیاں صرف کر دیں اور اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کا پیغام امت تک پہنچایا لیکن یہ منصب انہیں اس لئے نصیب ہے کہ خالص وہ بات پہنچاتے ہیں جو قرآن کی ہے جو حدیث کی ہے۔ اگر اس میں وہ اپنی بات داخل کرنا چاہیں تو نہیں مانی جائے گی ماوشما اور آج کل کے مولوی صاحب اور پیروں کی حیثیت کیا ہے کہ پیر صاحب نے فرما دیا۔ پیر صاحب ہوتے کون ہیں فرمانے والے یہ فرمانے کا حق اللہ کو ہے اللہ کے رسول ﷺ کو ہے تیسرا بندہ صرف اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچا سکتا ہے اپنی طرف سے اس میں مداخلت نہیں کر سکتا۔

فرمایا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تم لوگوں میں اتنی عقل بھی نہیں ہے۔ اتنی سی بات کو بھی نہیں سمجھ سکتے وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ یاد رکھو جو لوگ اللہ کی کتاب کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں پکڑ لیتے ہیں وہ کتاب اس وقت تورات تھی اور قیامت تک کے لئے قرآن ہے۔ ہر بات میں قرآن کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ کی اطاعت کرتے ہیں وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ عبادات کو جاری رکھتے ہیں ہر اطاعت عبادت ہے۔ الصَّلٰوۃَ اگرچہ مختص ہو گیا نماز کے لئے لیکن صلوٰۃ سے مراد عبادت ہے ہر عبادت صلوٰۃ ہے اور ہر حکم کی تعمیل عبادت ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے مومن کی دنیا بھی دین ہے مومن جو دنیا کے کام کرتا ہے وہ بھی عبادت ہے اس لئے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کرتا ہے اور اللہ کے حکم کے مطابق کرنا ہی عبادت ہے تو مومن کی دنیا بھی دین ہے۔ فرمایا جن لوگوں نے کتاب کو يُمَسِّكُوْنَ خوبصورتی، مضبوطی سے پکڑ لیا اور اللہ کی اطاعت پر کاربند ہو گئے ہم ایسے نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے انہیں کروڑوں گنا زیادہ دیتے ہیں ان کے اجر میں کمی نہیں کرتے۔ فرمایا، بنی اسرائیل تو ایسی عجیب قوم ہے کہ ان کے نبی نے جب انہیں اللہ کے احکام سنائے تو انہوں نے کہا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا النسا :46 ہم نے بات تو سن لی ہم مانیں گے نہیں۔ اللہ کریم نے پورا پہاڑ اٹھا کر ان پر معلق کر دیا فرمایا وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ ہم نے پہاڑ اٹھا کر ان پر مسلط کر دیا اس نے ان کو ڈھانپ لیا پوری یہودی قوم اس کے نیچے آ گئی وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ یہ ابھی دیکھ رہے ہیں کہ یہ گرے گا اور

ہم کچلے جائیں گے ہم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا اور حکم دیا خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۱۷۱﴾ یہ جو کہہ رہے ہونا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا یہ چھوڑ دواور اللہ کے نبیؑ کی بات کو قبول کرواور اس کے بعد اپنی اصلاح کرو ورنہ اسی پہاڑ کے نیچے کچل دیئے جاؤ گے۔

آج کل ہر بندے کو یہ آیت یاد ہے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ البقرۃ:256 دین میں کوئی سختی نہیں ہے اوراس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ کوئی دین پر عمل کرے یا نہ کرے اس پر سختی نہیں کرنی چاہیے۔ اس آیت کا مفہوم یہ نہیں ہے۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی عیسائی ہے، ہندو ہے، یہودی ہے، سکھ ہے، بدھ مت سے ہے کسی مذہب میں ہے تو اس کے سینے پر بندوق نہیں رکھی جائے گی کہ کلمہ پڑھو نہیں تو ماردوں گا یہ جائز نہیں ہے۔ اللہ نے اس کو اختیار دیا وہ چاہے تو ایمان لائے نہ چاہے تو نہ لائے لیکن جو کلمہ پڑھ لے اس نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا۔ لہٰذا اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اسلام پر عمل کرے یہودیوں نے نبیؑ کو مان لیا تھا اللہ کا اور اپنے نبیؑ کا کلمہ پڑھ لیا اور کہنے لگے ہم سے اطاعت نہیں ہوتی اللہ نے ان پر پہاڑ معلق کر دیا کہ اطاعت نہیں ہوتی تو پہاڑ گرادوں گا پس جاؤ گے۔ وہ مان گئے کہ یا اللہ پہاڑ ہٹا دے ہم اطاعت کرتے ہیں۔

اس کا مطلب ہے جو دین کو اپنی مرضی سے قبول کرلے پھر حکومت وقت مکلف ہے کہ دینی احکام پر عمل کرنے پر اسے پابند کرے اور جو نہ کرے اسے سزا دی جائے۔ آپ صرف نماز کا دیکھ لیں تو آئمہ فقہ میں سے تین امام، امام احمد، امام احمد بن حنبل، امام شافعی تین امام سوائے امام ابوحنیفہ کے باقی تینوں آئمہ کرام یہ کہتے ہیں کہ حکومت کے ذمے ہے کہ جو شخص نماز ادا نہیں کرتا اسے سرکاری کارندے نماز پڑھنے کو کہیں اگر وہ کہتا ہے کہ پڑھوں گا لیکن پڑھتا نہیں تو دوسری بار پھر کہیں تیسری بار پھر تلقین کریں۔ اگر تینوں بار کہہ دیتا ہے پڑھوں گا پڑھتا نہیں تو پھر اسے قتل کر دیا جائے اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ اگر کوئی صلوٰۃ کا انکار کرتا ہے اور انکار کر کے نہیں پڑھتا۔ پھر تو کافر ہو گیا پھر تو ویسے مارا جائے گا مرتد ہو کر۔ اگر کہتا ہے پڑھوں گا اور عملاً پڑھتا نہیں تو چوتھی بار اسے کہنے کی ضرورت نہیں حکومت قتل کرا دے اور اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس جگہ دوسرا راستہ نکالا ہے فرمایا اسے قتل نہ کیا جائے اسے جیل میں ڈال دیا جائے اور اسے موقع دیا جائے شائد کبھی

وہ توبہ کرلے۔لیکن اگر جیل میں بھی وہ نماز کی پابندی اختیار نہ کرے اور مرجائے تو پھر وہ فرماتے ہیں پھر اس کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں بھی دفن نہ کیا جائے یہ رعایت اکیلے امام ابوحنیفہ دیتے ہیں کہ اسے زندہ رکھا جائے جیل میں بند کردیا جائے کبھی شائد توبہ کرلے اسے موقع دیا جائے لیکن اگر بغیر توبہ کے مرجائے تو پھر اس کا وہی علاج ہے ورنہ تینوں امام اس پر متفق ہیں۔آپ اپنے اردگرد دیکھ لیں کتنے ایسے لوگ ہیں جو واجب القتل ہیں۔ہم ایک دوسرے کو کیوں قتل کررہے ہیں ہم ایک دوسرے کو کیوں ماررہے ہیں۔مارنے والا کوئی نہیں جانتا میں نے کس کو ماردیا۔مرنے والا نہیں جانتا اسے کس نے ماردیا۔یہ نافرمانی کی سزا ہے،عذاب الٰہی ہے۔ہم ہیں ہی واجب القتل۔اگر ہم توبہ نہیں کرتے تو پھر ہم ہیں ہی واجب القتل پھر ہمارے ساتھ یہی ہوگا۔اگر ہم نمازیں پڑھتے ہیں تو دکھاوے کے لئے،اپنی پارسائی جتانے کے لئے،عبادت کرتے ہیں تو اس میں بدعات شامل کرلیتے ہیں۔اپنی رسومات شامل کرلیتے ہیں۔سو بڑے تھوڑے لوگ ہیں جو خلوص سے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کو تلاش کر کے ان کی پیروی کرتے ہیں فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۳﴾ النحل:43 یار تمہیں پتہ نہیں ہے تو جن کو پتہ ہے ان سے پوچھو مسائل کو تلاش کرو احکام کو پوچھو،روزمرہ کے احکام کو پوچھ کر یاد کرلو۔اللہ کریم ہمیں معاف فرمائے۔

قرآن کریم کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے اور کوئی قصے بیان نہیں کرنا چاہتا۔قرآن کریم جس قوم کے جو واقعات بیان فرماتا ہے اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو اس آئینے کے سامنے کھڑا کرکے دیکھو کہیں تم بھی یہی جرم تو نہیں کررہے اگر یہ جرم کررہے ہو تو پھر سزا بھی وہی ہوگی جو اس قوم پر آئی۔ان آیات مبارکہ میں ہمارے لئے درس عبرت ہے کہ اللہ سے رجوع کریں،توبہ کریں،حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اللہ سے دعا کریں کہ اللہ ہمارے گناہ معاف کردے،توفیق عمل عطا کر،ہم پوری دیانتداری سے پوری کوشش کریں گے کہ تیری اطاعت کریں تیرے حبیب ﷺ کا اتباع کریں۔

سورۃ الاعراف رکوع 22 آیات 172 تا 181

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ؗ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ؗ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾

اور جب آپ کے پروردگار نے بنی آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا تو ان سے خود ان کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ کہنے لگے کیوں نہیں! ہم (اس بات کے) گواہ ہیں (کہ آپ ہمارے پروردگار ہیں) کہیں قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہیں۔ ﴿۱۷۲﴾ یا یہ کہو کہ یقیناً شرک تو ہمارے بڑوں نے (ہم سے) پہلے کیا تھا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے تو کیا آپ جو کام اہل باطل کرتے رہے اس کے بدلے ہمیں ہلاک کرتے ہیں؟ ﴿۱۷۳﴾ اور ہم اسی طرح (اپنی) آیات کھول کر بیان کرتے ہیں اور تا کہ یہ باز آ جائیں۔ ﴿۱۷۴﴾ اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیں جس کو ہم نے اپنی نشانیاں عطا فرمائیں تو وہ ان میں سے نکل گیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا پس وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔ ﴿۱۷۵﴾ اگر ہم چاہتے تو ان (آیات) سے اس (کے درجات) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو زمین کے ساتھ لگ گیا (دنیا کی طرف مائل ہو گیا) اور اپنی خواہش کی پیروی کی سو اس کی مثال تو کتے کی سی ہو گئی کہ اگر اس پر سختی کرو تو بھی ہانپے (زبان نکالے) یا یونہی چھوڑ دو تو بھی ہانپے۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہو سو آپ حال بیان فرما دیں تا کہ وہ کچھ سوچیں۔ ﴿۱۷۶﴾ ان لوگوں کی مثال (حالت) بہت بری ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا۔ ﴿۱۷۷﴾ جس کو اللہ ہدایت فرماتے ہیں سو وہی ہدایت پانے والا ہوتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دیں سو ایسے ہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ﴿۱۷۸﴾ اور بے شک ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا فرمائے ہیں ان کے دل ہیں کہ ان سے یہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں سو یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۱۷۹﴾ اور اللہ ہی کے لئے سب اچھے نام

ہیں پس اُس کو ان (ناموں) سے پکارا کرو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کجروی اختیار کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو عنقریب ان لوگوں کو ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی ﴿۱۸۰﴾ اور ہماری مخلوق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اسی کے مطابق انصاف کرتے ہیں۔ ﴿۱۸۱﴾

تفسیر و معارف

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ فرمایا جب آپ کے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں ان کے اپنے آپ پر بھی گواہ بنایا یہ سوال بھی ارشاد فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے کہا بے شک۔ آپ کی ذات کے علاوہ اور کون پروردگار ہو سکتا ہے اور ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ فرمایا کل قیامت کے دن یہ نہ کہنا کہ یہ بات تو ہمیں یاد ہی نہیں رہی اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ یا پھر یہ کہو کہ ہم تو جب پیدا ہوئے تو ہمارے جو باپ دادا تھے وہ شرک میں مبتلا تھے ہم نے تو وہی سیکھا ہمیں تو کوئی سمجھ ہی نہیں آئی تو اے بار الٰہی آپ ہمیں اس کام کی سزا دینا چاہتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا ہم تو ان کے گھروں میں پیدا ہوئے اور ویسے ہی ہو گئے۔

اللہ کریم نے انسان کو تخلیق فرما کر اسے دنیا میں بھیجنے سے پہلے سب سے بنیادی اور سب سے پہلی بات جو ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ دیکھو سوچ سمجھ کر جواب دو کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ یہ سوال نہیں فرمایا کہ میں تمہارا اللہ نہیں ہوں؟ تمہارا معبود نہیں ہوں؟ یہ نہیں پوچھا۔ پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ یہ کیسے ہوا، کہاں ہوا۔ مفسرین کرام میں سے بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ آدمؑ جب عرفات پہنچے حضرت اماں حوا سے ملاقات ہوئی تو اس کے بعد اس وادی میں یہ واقعہ پیش آیا۔ دوسری روایات یہ ہیں کہ یہ واقعہ آسمانوں کا ہے جب آدمؑ کو زمین پر بھیجے جانے کی تیاری ہوئی تو اس وقت کا یہ واقعہ ہے۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا

یادر ہے اولاد باپ سے ہوتی ہے وراثت باپ سے پاتی ہے اور اس کا اصل بیج اصل تخم اصل بنیاد جو ہے وہ باپ سے ہوتی ہے جو ہر شخص کے سلب میں محفوظ کر دی جاتی ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا **یخرجوھم بین الصلب و ترائب** صلب سے اور پسلیوں سے۔ بچہ اگر چہ ماں کے سینے سے دودھ کے ذریعے سے غذا حاصل کرتا ہے لیکن اصل بنیاد صلب پدر سے ہے اور وہ ایسا قادر ہے کہ ہر وجود کی بنیاد یا بنیادی جرثومہ، جین صلب میں محفوظ ہوتا ہے۔ جتنے لوگوں سے دنیا میں اولاد ہونی تھی ان سب لوگوں کی پشتوں میں سے ان کی اولاد کو نکالا اور تمام انسان جمع فرمائے جو صرف وجود نہیں تھے چونکہ صرف وجود تو انسان کام کا نہیں اس کا مطلب ہے ان سب کے ساتھ ارواح بھی ملائی گئیں۔ انسان مکلف بھی جب ہوتا ہے یا ذریت یا اولاد آدم یا آدمی تب ہی کہلاتا ہے جب روح اور جسم مل کر ہوتے ہیں اور وہ ایسا قادر ہے کہ اس نے آدمؑ کے پہلے بیٹے یا پہلی اولاد سے لے کر قیامت تک آنے والے ہر آدمی کو اس کے باپ کی پشت سے نکالا اس میں روح ڈالی اور اسے اپنے روبرو کھڑا کر لیا۔ لوگوں کو خیال آتا ہے کہ قیامت کو کیسے زندہ ہوں گے۔ قیامت کو تو زندہ ہوں گے لیکن بڑی حقیقت یہ ہے کہ اللہ ان سب کو پہلے حاضر کر چکا ہے جنہوں نے وجود میں اب آنا تھا وہ پہلے حاضر کئے گئے اور پھر **وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ** ان کو ان کی جانوں پر گواہ بنایا یعنی سب کو ہوش دلایا کہ اپنے آپ کو پہچان رہے ہو تم فلاں ابن فلاں ہو۔ تم فلاں آدمی ہو دنیا میں تمہارا یہ نام ہوگا تمہاری یہ پہچان ہوگی تم ہی وہ ہو۔ سب نے اپنے آپ کو بھی پہچانا سب ذاتی طور پر حاضر ہوئے اس وقت یہ سوال کیا **اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ** کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

رب صرف اللہ ہے:

پروردگار، پالنہار رب ہوتا ہے جو ہر شئے کی ہر ضرورت ہر جگہ ہر وقت پوری کر رہا ہو۔ یہاں الٰہ اس لئے نہیں فرمایا کہ ربوبیت سے انکار ربوبیت کی نافرمانی وہ بندہ کرتا ہے جو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے سے امید وابستہ کر لیتا ہے اور پھر اللہ کی اطاعت کو چھوڑ کر اس کی اطاعت کرتا ہے۔ جو بھی اللہ کے حکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا حکم اس امید پر مانتا ہے کہ مجھے نفع ہوگا یا نہیں مانوں گا تو نقصان ہوگا تو وہ مشرک ہے وہ شرک کرتا ہے۔ اسی لئے ربوبیت کا عہد لیا کہ دنیا میں جا کر تمہیں بے شمار ضرورتیں ہوں گی تم چاہو گے کہ کوئی غیبی طاقت تمہاری حفاظت کرے تم چاہو گے کہ کوئی میرے رزق کا انتظام کرے، کہ کوئی مجھے بیماری سے تکلیفوں سے بچانے والا ہو کوئی میرے علاج معالجے کا ذمہ دار ہو کوئی میری ہر شعبۂ زندگی میں مدد کرے تو یہ سارے کام تو

ربوبیت سے متعلق ہیں۔ فرمایا سب کے لئے میں اکیلا رب ہوں کیا یہ بات سمجھتے ہو، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ قَالُوْا بَلٰى ۚ سب نے کہا بے شک تو ہمارا رب ہے۔ شَهِدْنَا ۚ سب نے کہا ہم اس بات پر گواہ ہیں۔ ہم بقائمی ہوش وحواس اپنے آپ کو بھی پہچان رہے ہیں کہ ہم کون ہیں اور ہم آپ کی ذات ستودہ صفات کو بھی پہچان رہے ہیں کہ آپ ہی ہمارے واحد ولاشریک پروردگار ہیں۔ ہماری ساری امیدیں آپ کی ذات سے وابستہ ہیں فرمایا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ تم لوگ کل قیامت کو یہ نہ کہنا کہ ہمیں یہ بات بھول گئی، ہمیں تو یاد ہی نہیں تھا، ہمارے تو خیال میں ہی نہ رہی۔ یہ بات کیسے بھول سکتی ہے بڑی عجیب بات یہ ہے کہ انسان گمراہ ہوجاتے ہیں گمراہی میں بسر کرجاتے ہیں لیکن گمراہی میں بھی ان کا کوئی نہ کوئی مذہب کوئی نہ کوئی عقیدہ اور کچھ نہ کچھ رسومات مذہب کے نام پر ہوتی ہیں۔ دنیا میں ایسے قبائل پائے گئے جو بڑے وحشی تھے بے لباس رہتے تھے زندہ جانور کو کھا جاتے تھے مارتے بھی نہیں تھے ہر طرح کی تہذیب انسانی سے دور تھے لیکن ان کے ہاں بھی کچھ رسومات مذہب کے نام پر رائج تھیں۔ ایک طبقہ دنیا میں ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کوئی اللہ کوئی خالق کوئی مالک ہے ہی نہیں۔ لیکن یہ انکار بھی تو ایک مذہب ہے۔ کسی مذہب کو نہ ماننا بھی تو ایک مذہب ہے۔ مذہب تو طرز حیات ہے۔ زندگی کا راستہ ہے، چلنے کا راستہ۔ تو زندگی کا انکار بھی تو زندگی کا ایک راستہ ہے یعنی مذہب سب کے پاس ہے کیوں ہے؟ اس لئے کہ ازل کو یوم الست کو اس نے دلوں میں درج کردیا تھا۔ لکھ دیا تھا۔ ثبت کردیا تھا۔ اب جو انسان بھی دنیا پر آتا ہے اپنی باری پر آتا ہے۔ صدیاں گزر گئیں شائد کروڑوں سال گزر گئے ہوں گے۔ شائد دنیا آگے کروڑوں سال چلے گی یا صدیاں چلے گی یا ہزاروں سال چلے گی یا شائد آج ختم ہوجائے لیکن جب تک باقی ہے جو لوگ پیدا ہورہے ہیں یہ سارے عہد الست میں موجود تھے جو آج تک گزر چکے ہیں یہ سارے عہد الست میں موجود تھے اور رب کریم نے یہ وعدہ لیا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا تمہاری ساری ضرورتیں پوری کرنے والا اکیلا میں نہیں ہوں؟ کل کو ایسا نہ ہو کہ دنیا میں جاؤ تو اس عہد کو بھول جاؤ۔ کسی سے دولت ملنے کی امید پر میرا حکم چھوڑ دو اور اس کے پیچھے لگ جاؤ، کسی کے عہدہ ملنے کی امید پر میری اطاعت چھوڑ دو، اس کے پیچھے لگ جاؤ، شیطان تمہیں ورغلانے لگ جائے اور تم میرے احکام چھوڑ دو۔ شیطان کی بات ماننے لگ جاؤ۔ کل کلاں ایسا کرو گے تو پھر یاد رکھنا جس نے تم سب کو آج جمع کیا قیامت کو پھر اسی طرح تمہیں جمع کرے گا، اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ قیامت کے دن یہ نہ کہنا کہ ہمیں تو یہ بات بھول گئی تھی۔ بھول کیوں گئی تھی۔ یہی ایک بات تو یاد رکھنے کی تھی جو تم نے بھلا دی۔

انسان کسی حال میں بھی ہے اس کے اندر یہ احساس موجود ہے۔اس کے اندر سے مٹتا نہیں اگر چہ وہ اس کی خانہ پری کر لیتا ہے۔کوئی بت اندر بٹھالیا، شیطان کو اپنا پیشوا بنالیا یا کسی انسان کو معبود بنالیا یا کسی پتھر کو معبود مانا لیکن بغیر معبود کے زندگی نہیں گزارتا یہ وہ ازلی حقیقت ہے، وہ عہد ہے جو اللہ کریم نے یوم الست پہ لیا تھا۔

بیعت کا ثبوت:

اس کو بیعت کہتے ہیں۔ بیعت کا معنیٰ ہے بک جانا، بیعت ہوتی ہے اپنے آپ کو دوسرے کے اختیار میں دے دینا جو وہ کہے گا وہ میں کروں گا میرا اپنا اختیار ختم ہو گیا۔ اسی پر انبیاءؑ نے بیعت لی اسی پر آقائے نامدار علیہ ﷺ نے بیعت عقبیٰ واولی لی۔ انصار مدینہ رضوان اللہ علیھم اجمعین سے وہیں عقبیٰ ثانی ہوئی۔ بیعت کی اور بھی کئی اقسام ہیں۔ گناہ سے توبہ بیعت ہے، رہنمائی کیلئے بیعت ہے کہ مسائل پوچھ کر بندہ عمل کرے۔ اصلاح احوال کی بیعت ہے، امارت کی بیعت ہے کہ یہ ہمارا امیر ہوگا۔ جسے آج ہم نے بدل کر ووٹوں کی پرچی کی شکل دے دی ہے۔ اس سے مراد ہے کہ ہم اس کی بیعت کرتے ہیں اور بیعت کا معنیٰ ہوتا ہے کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ بندہ اس عہدے کا اس منصب کا امین بھی ہے اور یہ کام کر سکتا ہے اب یہ ہماری گواہی کہاں تک سچ ہوتی ہے ہم کتنا جھوٹ بولتے ہیں یہ تو اللہ ہمیں معاف کرے یہ تو قیامت کو پتہ چلے گا۔

اسی طرح معرفت حق کے لئے کیفیات قلبی کے لئے بیعت ہے جو صوفیاء اولیا کرتے ہیں ہر بیعت کا ایک مقصد ہے بیعت اصلاح کا ایک مقصد ہے کہ اس بندے سے بیعت کی جائے جس کی اپنی اصلاح ہو اور ہماری اصلاح کر سکے جو خود مسائل سے واقف ہو اور ہماری رہنمائی کر سکے تو حضرتؒ نے بھی لکھا ہے اور دیگر علماء نے بھی لکھا ہے کہ یہ بیعت اصلاح اس بندے سے بھی کی جاسکتی ہے جو روزمرہ کے مسائل سے آگاہ ہو اور ہمیں آگاہ کر سکتا ہو اس کے لئے کسی بڑے فاضل کی ضرورت نہیں۔ بیعت جہاد ہے جو کسی امیر جہاد سے کی جائے گی۔ بیعت امارت ہے وہ حکمرانوں سے کی جائے گی۔ موت پر بیعت بھی حضور اکرم علیہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر لی جو جانثار ساتھ تھے سب نے بیعت کی۔ اس بات پر بیعت کی کہ میدان سے کوئی نہیں بھاگے گا فتح ہوگی یا سب شہید ہوں گے۔ آخری بندے تک ہم لڑتے رہیں گے۔ سب شہید ہوں گے یا اللہ کریم فتح دیں گے۔

صوفیاء کی بیعت کی حضرت نے بھی شرط لکھی ہے اور متقدمین صوفیاء نے بھی کہ بیعت تصوف اس بندے سے کی جاسکتی ہے جو کم از کم فناء فی الرسول تک منازل کرا سکتا ہو صرف یہ نہ ہو کہ خود فناء فی الرسول ہو

بلکہ فناء فی الرسول تک دوسروں کو کرا سکتا ہو اس سے کم تر سے بیعت تصوف جائز نہیں تو بیعت کی اصل یوم الست میں بھی ہے۔ اللہ نے اپنی ساری مخلوق سے عہد لیا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط کیا تمہاری ساری ضرورتوں کا کفیل میں نہیں ہوں قَالُوْا بَلٰى ۚ سب نے کہا بیشک آپ کے سوا کون ہو سکتا ہے فرمایا ایسا نہ ہو کہ فردائے قیامت جب دوبارہ میری بارگاہ میں حاضر ہو تو کہنے لگو اللہ ہمیں یہ بات بھول گئی۔ وہ تو دلوں میں کندہ کر دی گئی وہ تو نہیں بھولتی لیکن یہ الگ بات ہے کہ حق کی جگہ باطل کو مذہب بنا لیتے ہیں اور بغیر مذہب کے کوئی نہیں رہتا یہ انسانی فطرت ہے یہ نہیں سوچتے کہ جب مذہب ہی قبول کرنا ہے تو یہ تو دیکھ لیں کہ یہ مذہب بھی ہے کہ نہیں بس یہاں آ کے خطا ہو جاتی ہے پھر دنیا، دنیا کی چمک، دنیا کی دولت، دنیا کی سہولتیں، دنیا کا لالچ آ جاتا ہے بڑی عجیب بات ہے دنیا میں اللہ نے کوئی ایسی کشش رکھ دی ہے کہ جس کے پاس جتنی ہو جائے وہ کہتا ہے مزید چاہیے یعنی ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنہوں نے خود کو سجدے کروائے لوگوں کے معبود بن بیٹھے ٹنوں کے حساب سے سونا، لاکھوں کے لشکر، حکومتیں، ملک، سلطنتیں ہوئیں ان میں بھی یہ ہوس باقی رہی کہ کسی اور سے بھی دو گھونٹ چھین لوں یعنی وہ بھی دنیا کے لئے لڑتے مرتے ہی رہے کوئی ایسا نہیں دیکھا سوائے اللہ کے بندوں کے جس کا جی دنیا سے بھر گیا ہو۔ یہ محض اللہ کے بندے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں جو نصیب تھا دو لقمے مل گئے کل پھر اللہ دے گا وہ میرا رازق موجود ہے۔ یہ نعمت یہ سکون اس عالم دنیا میں وہ سکون ہے جو جنت میں نصیب ہوتا ہے جن کے دل میں اللہ رہتا ہے واقعی وہ اس دنیا میں بھی جنت کے باسی ہیں وہ جنت میں رہتے ہیں۔ فرمایا پھر یہ بہانہ بھی نہ کرنا کہ ہمارے باپ دادا یہی کچھ کرتے آئے تھے جسے ہم نے بھی سیکھ لیا۔ باپ دادا اگر غلط کر رہے ہیں تو اس غلطی کا یہ کوئی جواز نہیں کہ میرے باپ دادا ایسے کرتے تھے اس لئے میں ایسا کر رہا ہوں۔ غلطی غلطی ہے، گناہ گناہ ہے، برائی برائی ہے، اب کوئی یہ جواز بنا لے کہ میرا باپ ڈاکو تھا تو میں ڈاکے ہی ڈالوں گا یہ تو صحیح نہیں ہے۔ فرمایا کل یہ نہ کہنا ہمارے باپ دادا شرک میں مبتلا ہو گئے تھے اس لئے ہم بھی ان کے پیچھے چلے۔

گمراہی کا سبب:

آج کوئی کسی باپ دادا کی بات نہیں کر رہا۔ آج گمراہی کا سبب دین میں اپنی رائے داخل کرنا ہے۔ ایک ڈاکٹر صاحب ٹیلی ویژن پر بتا رہے تھے کہ انسان اور جن برابر کے مکلف ہیں اور جنوں میں بھی نبی ہوتے ہیں اور جن بھی جنت دوزخ میں جائیں گے ان کا کہنا تھا کہ یہ قرآن میں لکھا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ قرآن

میں نہیں ہے اگر جن انسانوں کے برابر ہیں تو جن یوم الست میں کہاں تھے جب انسانوں سے عہد لیا جارہا تھا تو جن کہاں تھے؟ جنات میں کوئی نبی ہوتا تو جنات میں بھی تجلیات باری کو برداشت کرنے کی قوت ہوتی وہ تو نہیں کر سکتے۔ نبوت صرف بنی آدم کی اولاد میں ہے۔ سارے انبیاءؑ صرف بنی آدم میں سے ہیں اور قرآن کریم نے جہاں جنات کا ذکر کیا ہے سورۂ جن میں اور دوسری سورتوں میں بھی تو وہاں فرمایا اطاعت کرلو اگر اللہ کی اطاعت کرو گے تو دردناک عذاب سے بچ جاؤ گے جنت کا ذکر کہیں نہیں کیا اور محققین مفسرین فرماتے ہیں کہ جنات میں سے جو نجات پا جائیں گے وہ فناء کر دیئے جائیں گے اور جو جہنم میں جائیں گے وہ اپنے اعمال کی سزا بھگتتے رہیں گے۔ دو ہزار چار ہزار سال بعد ایک کروڑ سال بعد جب ان کی سزا پوری ہوگئی تو انہیں پھر فناء کر دیا جائے گا لیکن انسان ہمیشہ باقی رہے گا۔ جب نجات یافتہ جنوں کو فنا کر دیا جائے گا تو انسانوں میں سے جو کافر ہوں گے وہ کہیں گے يٰلَيۡتَنِي كُنتُ تُرَٰبَۢا سورۃ النباء:40 جس طرح جنوں کو فنا کر دیا کاش اللہ مجھے بھی مٹی میں ملا دے اور خاک بنا دے اور جہنم میں نہ بھیجے تو جنات میں نبوت نہیں ہے جنات میں ولایت بھی نہیں ہے۔ کوئی جن لطائف نہیں کر سکتا اسے توجہ دو تو آگ لگ جاتی ہے جل جاتا ہے۔ کوئی جن مراقبات نہیں کر سکتا۔ کوئی جن آسمان کے اوپر نہیں جا سکتا۔ یہ سارا شرف انسانوں کے لئے ہے اس لئے کہ عہد الست بنی آدم سے لیا جارہا ہے اب یہ الگ بات کہ ہم اپنی حیثیت نہ پہچانیں اللہ نے اسی وعدے پر اکتفا نہیں کیا اسی وعدے پر بس کر دیتا کہ حجت تمام ہو چکی تھی لیکن اس نے پہلے انسان آدمؑ کو نبوت دی پھر پے در پے جہاں ضرورت ہوئی نبیؑ مبعوث فرمایا۔ جو یہ عہد الست بھی یاد دلاتا تھا کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا پھر آخر میں سلطان الانبیاء امام الانبیاء آقائے نامدار ﷺ کو ساری انسانیت کے لئے سارے زمانوں کے لئے قیامت تک کے لئے مبعوث فرما کر پوری زندگی کے لائحہ عمل کے لئے یہ بنیادی کتاب عطا فرمائی۔ یہ زندگی کی کتاب ہے۔ یہ زندوں کیلئے ہے جسے ہم مردوں پر پڑھتے ہیں۔ ہم نے تو یہ طریقہ بنا لیا ہے کہ کوئی مرنے کے قریب ہو تو ہم کہتے ہیں سورۂ یٰسین پڑھو کہ وہ جلدی مرجائے۔ یا کوئی مر گیا ہے تو اس کے لئے دس بارہ بندے بلا کر انہیں حلوہ کھلا دو اور قرآن ختم کرا دو۔ یہ زندگی کی کتاب ہے۔ یہ زندہ کتاب ہے۔ یہ زندہ انسانوں کے لئے ہے زندگی کی بنیادی کتاب ہے اور یہ چھوٹی سے لے کر بڑی بات، ذاتی خاندانی، ملکی، قومی بین الاقوامی امور کے ہر شعبہ زندگی کو زیر بحث لا کر خوبصورت رہنمائی کرتی ہے۔ جو اس کے مطابق فیصلے نہیں کرتے قرآن حکیم میں انہیں تین درجے دیئے گئے ہیں۔ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ۔ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ۔ أُولَٰٓئِكَ هُمُ

الْفَاسِقُوْنَ ۔ جو میرے حکم میری کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ مشرک ہیں، وہ ظالم ہیں، وہ نافرمان ہیں یہ تین درجے اللہ نے ان لوگوں کو دیئے ہیں جن کی زندگی کے فیصلے کتاب اللہ سے ہٹ کر ہوتے ہیں۔ تو فرمایا یہ ضروری نہیں کہ باپ دادا کیا کرتا تھا ضروری یہ ہے کہ حق کیا ہے؟ اگر باپ دادا حق پر ہے تو وہ باپ دادا کا اتباع تو نہیں وہ تو حق کا اتباع ہوا۔ اگر کوئی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات بتاتا ہے تو ہم نے اس کی بات تو نہیں مانی اس نے تو پہنچائی ہے، بات تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مانی۔ میں اگر آپ تک پہنچا رہا ہوں تو یہ بات میری نہیں ہے اللہ کی بات ہے، اللہ کے قرآن کی بات ہے، اللہ کے حبیب ﷺ کی بات ہے میں تو ان کا خادم ہوں اور یہ احسان ہے اس بارگاہ کا کہ کسی کو یہ منصب عطا کر دے کہ اپنی بات پہنچانے کے لئے شرف غلامی عطا کر دے، یہ اس بارگاہ کا انعام ہے، یہ اللہ کا انعام ہے کہ کسی کو توفیق دے دے کہ وہ اس کا ارشاد آگے پہنچائے اور اس غلامی کے لئے، اس نوکری کے لئے، اس ملازمت کے لئے کسی کو موقع دے دے۔ ''منت منہ کہ خدمت سلطان مے کنی'' احسان نہ جتا کہ تو بادشاہ کی خدمت کر رہا ہے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان مے کنی

منت اوبداں کہ بخدمت گذاشتیم

تو بادشاہ کا خادم ہے تو بادشاہ پر احسان نہ کر کہ میں بادشاہ کی خدمت کرتا ہوں۔ یہ تو بادشاہ کی مہربانی ہے کہ وہ تم سے خدمت لے رہا ہے۔ وہ تو لاکھوں لوگوں سے لے سکتا ہے۔ اگر کوئی عالم ہے، فاضل ہے، حق بات کرتا ہے تو اس کا کوئی احسان نہ اللہ پر ہے نہ دین پر ہے۔ اللہ کا احسان اس پر ہے کہ اسے اپنی خدمت کے لئے چن لیا تو یہ یاد رہے کہ اللہ کا اپنا نظام کائنات ہے جس میں کسی کی مداخلت ممکن نہیں۔ آج کا سائنسدان کہتا ہے کہ انسان کے وجود میں ایک ہزار کھرب سیل ہیں۔ اگر ہر سیل کو کھولا جائے تو اس میں ایک کتاب موجود ہے جس میں اس کے پیدا ہونے سے مرنے تک کی ساری زندگی کا نصاب درج ہے۔ اس کتاب سے یہ پڑھا جا سکتا ہے کہ اس بندے کا پہلا بال کون سی عمر کس دن کس لمحے کس سیکنڈ میں سفید ہوگا۔ اگر یہ تک پڑھا جا سکتا ہے تو پھر اس کے لئے ہم دنیا کے پیچھے، لوگوں کے پیچھے بھاگے تو کیا وہ بدل جائے گا پھر تو جس نے لکھ دیا ہے اسی سے بات رہے تو اچھا ہے اور اگر ہم گناہ کریں گے اللہ کی نافرمانی کریں گے خدانخواستہ کوئی کفر و شرک کر کے کہیں بھاگتا ہے تو بھی ملتا اسے وہی ہے جو وہاں لکھا ہوا اس کے لئے طے شدہ ہے۔ اللہ کریم انسانوں کو پیدا کرنے سے پہلے ان کا رزق تقسیم کر چکا ہے۔ وہ قادر مطلق اپنی کائنات کا نظام خود چلا رہا ہے۔

اس مالک نے ہر لمحے صبح شام ہر دن کا پروگرام مقرر کر دیا ہے۔ کب کسی کو ہوا کا جھونکا لگے گا، کب کون سا قطرہ پانی کا کہاں برسے گا؟ ہم بارش کی بوندیں گن سکتے ہیں؟ ہر بوند کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جس کی ذمہ داری ہے کہ اس قطرے کو وہاں پہنچائے جہاں اللہ نے مقرر کر دیا۔ ریزہ ریزہ رزق کا جو ہے اس کے ساتھ فرشتے مقرر ہیں ایک وجود کی مشین جو چل رہی ہے اس پر کتنے فرشتے مقرر ہیں یہ وہی جانتا ہے۔ ہر متنفس پر چوکیدار موجود ہیں۔ نظر کو ٹھیک رکھنے والا الگ ہے، سانس کا رشتہ چلانے والا الگ ہے، زبان کو گویائی پہ قائم رکھنے والا الگ ہے، کانوں کی شنوائی کا الگ ہے، لقمہ نگلنے والا الگ ہے، اسے پیٹ میں پہنچانا، معدے میں پکانا، اس غذا سے تقویت حاصل کرنا، ہر ہر شعبے پہ ہر فرشتے الگ ہیں۔ جس طرح آپ مشینیں بنا کر ان پر کاریگر بٹھا دیتے ہیں تو مشینیں چلتی ہیں۔ اس مالک نے آپ کی مشین بنا کر اس پر بھی بہت سے کاریگر بٹھا دیئے۔ وہ میری اور آپ کی خواہش سے نہیں چلتی وہ اس کے حکم سے چلتی ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں ہم عبادات بھی کرتے ہیں پھر بھی ہماری دکان نہیں چلتی تو یاد رہے دکان چلانا الگ ذمہ داری ہے اور عبادات علیحدہ فریضہ ہیں۔ لیکن رزق سب کو وہی دے گا جو مالک ہے اور اس نے جتنا جس کے لئے مقرر کر دیا ہے اسے استعمال کر رہے گا۔ دنیا سے جانے والا اپنے حصے کا رزق کھا کر ہی جا سکتا ہے۔ یہ قانون قدرت ہے۔ میرے ایک رشتہ کے چچا تھے۔ ہمارے اور ان کے گھر میں کوئی خاص فاصلہ نہیں تھا۔ ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ میں ان کی مزاج پرسی کے لئے گیا تھا پھر گھر آ گیا۔ بستر پر لیٹا ہی تھا کہ صحن میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ان کے گھر سے کوئی بلانے آ گیا۔ میں گیا تو وہ کہنے لگے کہ میری موت آ گئی ہے میرا لوگوں کے ساتھ کچھ لین دین ہے۔ مجھے جو یاد ہے وہ میں تمہیں لکھواتا ہوں تم کاغذ قلم لے کر لکھ لو۔ جن کے میں نے دینے ہیں میرے بچوں سے کہنا وہ دے دیں گے جن سے میں نے لینے ہیں ان سے یہ لیتے رہیں گے تو میں اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں اور میرے پاس وقت نہیں ہے جلدی کرو۔ عام سادہ سا کاشتکار تھا ان پڑھ بندہ تھا اس نے مجھے کچھ نام لکھوائے اور ساتھ رقم بھی لکھوائی ان سے میں نے اتنی اتنی رقم لینی ہے۔ مزید کچھ نام لکھوائے ساتھ رقم بھی لکھوائی کہ ان کو میں نے اتنے اتنے پیسے دینے ہیں۔ کچھ اولاد کو وصیتیں کیں۔ اس کی بیوی شور کرنے لگی ہمارا کیا ہوگا اس نے کہا سب کا اللہ ہے اور تمہارا بھی۔ بھائی کو کچھ نصیحت کی اور پھر کہنے لگا کہ اب وقت کم ہے اب سارے بیٹھ کر کلمہ شریف پڑھو، درود شریف پڑھو جسے قرآن یاد ہے قرآن پڑھو مجھے بھی پڑھنے دو پھر ان کے حلق میں خرخراہٹ سی ہونے لگی جو موت سے پہلے ہوتی ہے ایک بزرگ پاس کھڑے تھے انہوں نے کہا چمچ پانی کا ڈالو اس نے کہا نہیں میں اپنے حصے کا پانی پی چکا ہوں۔ اپنے حصے کی روزی کھا چکا ہوں اب مجھے نہ چھیڑو

تم بھی اللہ اللہ کرو مجھے بھی کرنے دو اور چند لمحوں بعد سکون سے ابدی نیند سو گیا۔ کوئی پڑھا لکھا نہیں تھا عالم نہیں تھا الف ب نہیں جانتا تھا ہاں نماز پنجگانہ ادا کرتا تھا ایک خوبی یہ تھی کہ کسی کا کوئی کام آجاتا تھا تو اپنا کام چھوڑ دیتا تھا دوسرے کی مدد کر دیتا تھا۔ کسی کو پیسہ چاہیے پاس ہو دے دیتا تھا واپس ملے نہ ملے کوئی بات نہیں تو دنیا کا ایک نظام ہے ہر ایک نے اپنے حصے کا رزق لینا ہے جو چیز جس وقت مقدر ہے مل جائے گی۔ اب نمازوں اور سجدوں کو دکان سے جوڑنا، بیماری کو، بیٹے کی ملازمت کو عبادت سے جوڑنا یہ صحیح نہیں ہے۔ عبادت ایک شرف ہے انسان کے لئے بہت عزت کی بات ہے۔ یہ بڑے عزت واحترام کی بات ہے کہ کسی سر کو وہ اپنی بارگاہ میں جھکنے کی توفیق دے۔ جس میں ذرا سی نخوت آجائے اسے پرے کر دیتا ہے وہ جھک نہیں سکتا اسی کو توفیق دیتا ہے جو اسے رب مانتا ہے۔ فرمایا ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کو یہ کہنے لگو اے اللہ ہم نے تو شرک نہیں کیا باپ دادا کرتے تھے ان کے گھر میں تو بعد میں پیدا ہوئے میں تمہیں آج بتا رہا ہوں کہ یہ نہ کرنے کا کام ہے وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴿۱۷۴﴾ فرمایا ہم اپنی باتیں بڑی واضح کر کے کرتے ہیں کہ لوگ واپس میری بارگاہ میں آجائیں۔ میرے سوا دوسروں سے امیدیں منقطع کر لیں۔ دوسری کسی بارگاہ میں سر نہ جھکائیں۔ واضح کر کے ارشاد فرماتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی بات تک سمجھا دیتے ہیں پھر اس کا کتنا احسان ہے کہ اس نے محمد رسول ﷺ کی ذات سے ہمیں وابستہ کر دیا اور کتنا احسان ہے کہ اس نے قرآن کریم عطا فرما کر اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لے لیا اور قیامت تک وہی قرآن رہے گا جو حضور ﷺ نے جمع فرمایا تھا۔ وہی قرآن میں آج پڑھ رہا ہوں آپ سن رہے ہیں ہمارے پاس وہی قرآن موجود ہے اب اگر ہم دامان محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی چھوڑ دیں اور اللہ کی کتاب کو بھی چھوڑ دیں تو اس سے بڑی بدبختی کیا ہوگی۔ یہ سارے رمضان یہ سارے اعتکاف یہ سارے اذکار کیا ہیں، اس درد کو پانے کے حیلے ہیں جو تعلق باللہ سے نصیب ہوتا ہے۔ جب رب العالمین کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک تعلق بن جائے اور زندگی کے بعد کی حقیقتیں نظر آجائیں تو یہ عبادات کا حاصل ہے۔ حضرت علیؓ سے کسی نے سوال کیا کہ قیام قیامت پر آپ پر کیا تاثر ہوگا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر آج قیامت قائم ہو جائے تو مجھے کسی بات پر کوئی حیرت نہیں ہوگی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جو کچھ قیامت کا ہونا ہے اس کا مجھے آج ہی اتنا یقینی علم ہے جتنا لوگوں کو قیامت دیکھ کر ہوگا۔ دنیا تو کافر بھی جی لیتا ہے۔ اس دنیا میں رہ کر بندہ آخرت جی لے تو بڑی بات ہے۔ اللہ کریم نے ہدایت کے سارے اہتمام فرما دیئے اور یوم الست سے لے کر قیامت تک اپنا پیغام اور اپنے راستے اپنے رسولوں، نبیوںؑ کے ذریعے واضح فرما دیئے۔ اب اس سے توفیق مانگئے کہ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۝ فرمایا اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیں جسے ہم نے بلند منازل سے نوازا تھا۔ قرآن حکیم کا موضوع تاریخ نہیں ہے بے شمار تاریخی واقعات بیان فرماتا ہے۔ ہر تاریخی واقعہ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ آدمی اس واقعہ کو اپنے حالات پر منطبق کر کے دیکھے کہیں ویسا جرم اس سے سرزد تو نہیں ہو رہا اگر ایسا جرم ہو رہا ہے تو توبہ کرے اور سیدھی راہ اختیار کرے چونکہ قرآن کا موضوع ہدایت ہے، صراط مستقیم ہے، لوگوں کی رہنمائی ہے تو یہاں ایک ولی اللہ کا ذکر فرمایا گیا ہے جو ایک بہت اعلیٰ درجے کا ولی تھا لیکن پھر اس نے دنیا کے لالچ میں آ کر اللہ کے نبیؑ کی مخالفت کی تو اس کا انجام کیا ہوا۔ یہ قصہ اس لئے بیان کیا گیا کہ اس نے موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کی مخالفت کی اور انجام بد کو پہنچا تو کہیں ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت تو نہیں کر رہے۔

نبیؑ کی مخالفت کیا ہوتی ہے؟ دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ ذاتی طور پر نبیؑ کی نبوت کا انکار کرے اُنؑ سے دشمنی کرے ان کی مخالفت کرے دوسرا یہ ہے کہ بظاہر کہتا رہے کہ میں نبیؑ کو مانتا ہوں لیکن دنیا کے لالچ میں آ کر اطاعت نبیؑ سے نکل جائے اور حصول زر کے لئے خواہش نفس کی پیروی کرنے لگے تو یہاں اس مخالفت کا ذکر ہے کہ نبیؑ تو مانتا تھا مگر دنیا کے لالچ میں آ کر انؑ کے اتباع سے نکل گیا اور خواہش نفس کی پیروی کی فرمایا وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا اے میرے حبیب ﷺ ان لوگوں کو اس بندے کا حال پڑھ کر سنایئے جسے ہم نے اپنی آیات اپنی نشانیاں یعنی بہت بلند منازل عطا فرمائے تھے۔ اس کے منازل اس قدر بلند تھے کہ اللہ نے ان کو اپنی آیات کہا ہے فَانْسَلَخَ مِنْهَا اتنے بلند منازل کے باوجود وہ ان میں سے نکل گیا فَانْسَلَخَ ہوتا ہے جیسے سانپ اپنی کینچلی سے نکل جاتا ہے یا کسی جانور کی کھال اتار دی جاتی ہے اور اس کا وجود کھال سے نکل جاتا ہے۔ ہوا یہ کہ جب موسیٰؑ سمندر سے پار اترے اور فرعون غرق ہوا تو انہیں شام کی طرف جانے یا شام کے شہروں میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔ فرمایا گیا کہ تم شہروں میں داخل ہو جاؤ۔ تو وہاں ایک قوم آباد تھی جنہیں جبارین کہتے تھے۔ بڑی سخت لڑاکا قوم تھی۔ ان میں پہلے دین پر قائم ایک ولی اللہ تھا جس کے بہت بلند منازل تھے اللہ کریم نے فرمایا ہم نے اسے اپنی آیات دیں وہ مستجاب الدعوات تھا۔ جو دعا کرتا تھا عند اللہ قبول ہوتی تھی۔ جب موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر اس طرف بڑھے تو اس قوم کو بھی سارے حالات کا علم تھا کیونکہ بڑا عرصہ موسیٰؑ کا فرعون سے مقابلہ رہا پھر فرعون غرق ہو گیا یہ دریا کے پار اترے تو قوم اس کے پس جمع ہو گئی اور کہنے لگی کہ موسیٰؑ بڑے سخت گیر آدمی ہیں ان کے ساتھ لاکھوں کا لشکر

بھی ہے وہ ہماری طرف بڑھ رہے ہیں ہمارے علاقے کی طرف آ رہے ہیں تو آپ اس کے خلاف بد دعا کر دیجئے۔ اس نے کہا میں ایسے تو دعا نہیں کرتا ہاں رات کو جب میں مراقب ہوں گا مراقبہ کروں گا تو میں اللہ کریم سے اجازت لوں گا صبح تک قوم نے انتظار کیا پھر اس کے پاس پہنچے اس نے کہا مجھے حکم ہوا ہے کہ میں موسیٰؑ کا اتباع کروں۔ وہ اللہ کے رسولؑ ہیں اور انؑ کے جلو میں فرشتے چلتے ہیں میں اللہ کے نبیؑ اور اولوالعزم رسولؑ کی مخالفت نہیں کر سکتا مجھے تو اللہ نے حکم دیا ہے کہ اب میں ان کا اتباع کروں اس سے پہلے تو میں پہلے نبیؑ کے اتباع میں تھا تو جب موسیٰؑ آ گئے ہیں اور جب وہ یہاں پہنچیں گے تو مجھ پر انؑ کی اطاعت فرض ہو جائے گی۔ اس کی قوم نے بہت کوشش کی منت سماجت کی لیکن وہ نہ مانا پھر انہوں نے مشورہ کیا کہ پیسے جمع کرو اور زیورات وغیرہ جمع کرو کوئی سونا چاندی اکٹھا کرو اور بہت سا مال اسے دو چنانچہ ان سے جس قدر بن پڑا زیادہ سے زیادہ دولت روپے پیسہ زیورات سونا چاندی جمع کر کے اس کے سامنے ڈھیر کر دیا کہ یہ سارا آپ کا ہے آپ ہماری مدد کریں موسیٰؑ کے حق میں بد دعا کریں اس لالچ میں اس کی بیوی بھی شامل ہو گئی کہ اتنی دولت تو ہم نہیں چھوڑیں گے یہ تو لے لینی چاہیے اتنی دولت بھی کوئی چھوڑتا ہے۔ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے تم نے صرف ہاتھ اٹھا کے دعا کرنی ہے تم نے اس پر کون سا تیر چلانا ہے تو تم دعا کرو بیوی نے ساتھ دیا خود اس کے اپنے دل میں بھی لالچ پیدا ہو گیا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ اور شیطان بھی پیچھے لگ گیا عبادت خانہ پہاڑ پہ بنایا ہوا تھا جہاں مراقب ہوا کرتا تھا وہ وہاں چلا گیا قوم ساتھ تھی اس نے بد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے لیکن جب بد دعا کرتا تو موسیٰؑ کی بجائے اس کے منہ سے اپنی قوم کا نام نکلتا کہ اللہ انہیں تباہ کر دے ان کا کچھ باقی نہ چھوڑے۔ انہوں نے کہا یہ کیا کر رہا ہے۔ ہماری ساری دولت بھی تو نے لے لی اور بد دعا بھی ہمارے حق میں کر رہا ہے تو اس نے کہا میرے بس میں نہیں ہے۔ میں تو موسیٰؑ کے خلاف دعا کر رہا ہوں لیکن میرے منہ سے تمہارا نام نکلتا ہے یہ اللہ کی مرضی میں تو تمہارے کہنے کے مطابق کر رہا ہوں لیکن یہ میرے بس میں نہیں ہے انہوں نے کہا کہ تم ایسی دعا نہ کرو کہ الٹا ہمیں تباہ کر دے۔ اس نے کہا پھر میں تمہیں ایک طریقہ بتاتا ہوں تم ایسا کرو کہ اپنی جوان لڑکیوں کو بنا سنوار کر، اچھے کپڑے پہنا کر، انہیں بیش قیمت اور پرکشش چیزیں دے کر بیچنے کے لئے موسیٰؑ کی قوم کی طرف بھیج دو اور انہیں کہو کہ انہیں کوئی چھیڑے چھاڑے تو اعتراض نہ کریں اگر ان میں سے کوئی برائی میں مبتلا ہو گیا تو پھر انہیں مصیبت پڑ جائے گی پھر تائید باری ان کے ساتھ بھی نہیں رہے گی۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جوان لڑکیوں کو چیزیں دے کر موسیٰؑ کی قوم میں بھیج دیا۔ ان میں سے ایک قبیلے کا ایک سردار تھا جو ایک لڑکی پر فریفتہ ہو گیا اور اس سے برائی کی تو نتیجہ یہ ہوا کہ پورے قبائل

میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی موسیٰ نے دعا کی من جانب اللہ انہیں پتہ چل گیا کہ فلاں بندے نے فلاں لڑکی سے برائی کی ہے طاعون کا عذاب اس کا نتیجہ ہے تو آپؑ نے دونوں کو قتل کروا کر ان کی لاشیں باہر لٹکوا دیں اور باقی لڑکیوں کو لشکر سے باہر ہانک دیا باقی پوری قوم نے توبہ کی تو اللہ نے وبا ٹال دی۔ یہ اللہ کا قانون ہے جہاں جرم ہوتا ہے وہاں اس کا سد باب سزا سے ہوتا ہے۔ قرآن کریم کا اصول ہے وَلَكُمۡ فِي الۡقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الۡاَلۡبَابِ البقرہ:179 اے دانشمند و قصاص میں تمہارے لئے قومی زندگی ہے۔ زندگی قصاص میں ہے۔ جو جرم کرتا ہے اسے سزا دی جائے تو آئندہ جرائم کا سد باب ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں روز قتل عام کیوں ہوتا ہے ہر روز کیوں بم پھٹتے ہیں؟ یہ کئی سالوں سے ہو رہا ہے آج تک آپ نے کہیں سنا کہ کسی کو سزا دی گئی ہر کوئی کسی نہ کسی بڑے آدمی کسی نہ کسی سیاسی جماعت کی پناہ میں چلا جاتا ہے اسے کوئی نہیں پوچھ سکتا کوئی نہیں پکڑتا نتیجہ یہ ہے کہ جرائم بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ زندگی کی بجائے موت عام ہوتی جا رہی ہے اور جرائم پیشہ افراد کا تناسب بڑھتا جا رہا ہے حالانکہ جرائم پیشہ افراد کو سزا دینے کا مطلب ہے دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ جس طرح عرب شریف میں وہ سزا دیتے ہیں اور جسے قتل ہونا ہوتا ہے اسے چوک میں قتل کرتے ہیں تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ ہمارے ہاں بھی ایک حکمران نے شروع شروع میں پھانسی گھاٹ بنوائے تھے شہروں میں ایک دو لوگوں کو چند ضلعوں میں سر عام پھانسی دی گئی تھی تو ہر چیز تھم گئی تھی لیکن پھر پتہ نہیں جرائم پیشہ افراد کیسے غالب آ جاتے ہیں پھر انہوں نے بھی وہ طریقہ چھوڑ دیا تو موسیٰ نے نہ صرف انہیں قتل کروایا بلکہ قتل کروا کر ان کی لاشیں لٹکوا دیں۔ لاشوں کے ٹکڑے بنوا کر لٹکوا دیئے تاکہ ساری قوم کو عبرت حاصل ہو تو یہاں بات اس شخص کی ہو رہی ہے مفسرین نے اس کا نام بلعم بن باعورا لکھا ہے، کی بات ہو رہی ہے اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے تو اسے اٰتَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا اپنی نشانیاں دیں۔ ان منازل پر پہنچایا تھا جہاں اللہ کی معرفت کا ذات باری کی معرفت کا بہت عظیم ادراک ہوتا ہے لیکن وہ اس میں سے نکل گیا اور شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہ ہو گیا وَلَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ اگر ہم چاہتے تو ان منازل کے طفیل اسے بہت مرتبے دیتے اور آگے جاتا لیکن وَلٰكِنَّهٗۤ اَخۡلَدَ اِلَى الۡاَرۡضِ وہ تو زمین سے چمٹ گیا دنیا کی دولت سے چمٹ گیا اس نے تو ہمیں، ہماری آیات کو اور ہماری تجلیات کو اور ہمارے احسان کو مانا ہی نہیں۔ دنیا کے لالچ میں وہ زمین سے چمٹ گیا وَاتَّبَعَ هَوٰٮهُ ۚ اور اپنی خواہش نفس کے پیچھے لگ گیا فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الۡكَلۡبِ ۚ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَيۡهِ يَلۡهَثۡ اَوۡ تَتۡرُكۡهُ يَلۡهَثْ ؕ اس کی مثال کتے کی ہے اگر آپ سختی کریں تو بھی زبان لٹکائے گا اسے آپ کچھ نہ کہیں تو بھی زبان لٹکائے گا اس کی زبان لٹکتی ہی رہے گی۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ بلعم بن باعورا کی زبان بھی لٹک گئی اور منہ میں

واپس نہیں جاتی تھی اسی حال میں ہلاک ہوگیا۔ تو فرمایا جب اس نے دنیا کا لالچ کیا، دولت کا لالچ کیا زمین سے چمٹ گیا اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ یعنی دنیا کے لالچ سے چمٹ گیا اور خواہشات نفس کی پیروی کی تو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی اگر آپ اس پر سختی کریں تو بھی زبان لٹکالے گا اگر آپ اسے چھوڑ دیں کچھ نہ کہیں تو بھی زبان نکالے گا ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فرمایا یہ مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔

آیات کی تکذیب:

تکذیب دو طرح سے ہے آیات کا انکار کر دینا بھی تکذیب ہے کہ میں نہیں مانتا لیکن ایک صورت یہ ہے کہ زبانی کہہ دینا میں مانتا ہوں اور پھر اس پر عمل نہ کرنا بلکہ خواہشات نفس پر عمل کرنا تو یہ بھی بدترین تکذیب ہے۔ بنی اسرائیل کے بارے قرآن میں آتا ہے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا النسا:46 انہوں نے کہا سن تو لیا ہے مان کر نہیں دیں گے کام اپنی مرضی کا کریں گے تو فرمایا یہ واقعہ اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ وہ بہت بلند منازل کا ولی اللہ تھا اور اگر وہ ان منازل پر قائم رہتا، اللہ کی اطاعت پر قائم رہتا اور جب اللہ کا اولوالعزم رسولؐ آگیا تھا اس کا اتباع اختیار کر لیتا ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ولایت سے شرفِ صحابیت کو پالیتا۔ ساری دنیا کی ولایت جمع کی جائے تو صحابیؓ کے قدم پر جو گرد پڑتی ہے اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی وہ اس سے افضل ہے تو فرمایا ہم اسے اور زیادہ ترقی دینے والے تھے اگر وہ اس پر قائم رہتا تو ولایت سے شرفِ صحابیت پا جاتا کہاں پہنچ جاتا لیکن وہ تو زمین سے چمٹ گیا۔ اس نے تو سونا چاندی دیکھا اور ریجھ گیا۔ بیوی نے پھسلایا، شیطان پیچھے پڑ گیا اس کی خواہشات بھی جاگ اٹھیں اور اس نے خواہشات کی پیروی اختیار کر لی تو جب خواہش نفس کے پیچھے پڑا تو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی جو ایک روٹی کے ٹکڑے کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ آپ اس پر سختی کریں تو بھی ہانپتا ہے زبان نکالتا ہے اور اسے کچھ نہ کہیں تو بھی اس کی زبان لٹکی رہتی ہے۔ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ یہ مثال ان لوگوں کی ہے جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں یا خلاف ورزی کرتے ہیں۔ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ میرے حبیب ﷺ لوگوں کو یہ قصہ سنائیے تا کہ وہ سوچیں، فکر کریں۔ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ بیٹھ کر سوچیں۔ سوچنا کیا ہے؟ یہ سوچنا ہے کہ کہیں میرا عمل میرا ارادہ میری کوششیں بھی ایسی ہی تو نہیں ہیں کہ جس کام سے اللہ کے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ میں کر رہا ہوں اور جسے کرنے کا مجھے حکم دیا ہے وہ مجھ سے چھوٹ رہا ہے۔ لوگ سوچیں اور اس انجام بد سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اللہ کی رحمت کے سائے میں آئیں اور اللہ کریم انہیں دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں ترقی دے۔ اپنی

رحمت سے نوازے سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ۝ فرمایا جولوگ ہمارے آیات کی ہمارے احکام کی، ہماری کتاب کی ہمارے نبیؐ کے اتباع کی تکذیب کرتے ہیں مخالفت کرتے ہیں، اس کے خلاف کام کرتے ہیں ان کی مثال بہت ہی بری ہے۔ ان کا حال بہت ہی برا ہوتا ہے اس سے بھی ابتر ہوتا ہے وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ اور جو بھی نبی کریم ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں وہ نہ اللہ کا کچھ بگاڑتے ہیں نہ اللہ کے نبیؐ کا کچھ بگاڑتے ہیں بلکہ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اس کا سارا مآل انہیں خود بھگتنا پڑے گا۔ وہ اپنے آپ پر زیادتی کر رہے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ ہدایت وہی پاتا ہے جسے اللہ ہدایت دے اور اللہ ہدایت کس کو دیتے ہیں وَیَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ الشوریٰ:13 جس کے دل کی خالص آرزو وصال الٰہی کی ہو اسے اللہ ہدایت دیتے ہیں جس کی طلب اللہ کی معرفت کو پانا ہو جس کے دل میں اتباع رسالت کی طلب ہو، جو خلوص دل سے چاہے اللہ اسے ہدایت دے دیتے ہیں اور وہی ہدایت پاتا ہے وَمَنْ یُّضْلِلْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝ اللہ جسے گمراہ کر دے وہ سخت نقصان میں پڑ گیا اللہ کس کو گمراہ کرتا ہے؟ اسے جو اس کے نبیؐ کا نافرمان ہوتا ہے جو اس کی اطاعت سے نکل جاتا ہے جو اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

پریشان خیالی کا علاج

یاد رکھیں ہدایت اور گمراہی کا مدار قلب انسانی اور قلب کی انتہائی گہرائی میں پیدا ہونے والی سوچوں پر ہے۔ اور یہ اللہ کریم کا بڑا احسان ہے کہ کسی کا قلب ذاکر کر دے۔ ذاکر قلب کے بارے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شیطان مچھر کی طرح انسانی قلب میں سونڈھ داخل کرتا ہے اور اس میں وسوسے ڈالتا اور برے وسوسے ڈالتا ہے لیکن جو قلب ذاکر ہوتا ہے جو اللہ کے ذکر سے روشن ہوتا ہے۔ اس میں وہ جب وسوسہ اندازی کی کوشش کرتا ہے تو وہ کامیاب نہیں ہوسکتا ناکام لوٹ جاتا ہے۔ وساوس کا آنا ایک فطری عمل ہے اس امت پر اللہ کریم نے وساوس کے آنے پر کوئی پرسش نہیں رکھی چونکہ شیطان بھی کوشش کرتا ہے پھر اپنا نفس بھی کوشش کرتا ہے۔ دنیا کی مادی چیزیں دیکھ کر خواہشات نفس پیدا ہوتی ہیں لیکن جب تک ان پر عمل نہ کیا جائے تو محض وسوسے کی پرسش نہ ہوگی دوسری بات یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو شکایت ہوتی ہے کہ وسوسے آتے ہیں وسوسے کا سادہ سا علاج اور صرف ایک ہی علاج یہ ہے کہ اس کو سوچنا شروع نہ کر دیا جائے بلکہ جھٹک دیا جائے، رد کر دیا جائے، درود شریف پڑھنا شروع کر دیا جائے، لاحول پڑھنا شروع کر دیا جائے، معوذتین پڑھنا شروع کر دیئے جائیں، جو ذاکر ہے وہ ذکر کرنا شروع کر دے اور اپنی توجہ ذکر پر

کر لے یہ کمال ہے کہ انسانی ذہن اپنی ساری وسعتوں کے باوجود ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اگر کوئی ذکر کرتا ہے اور اس کا ذہن وسوسوں کو سوچتا ہے تو وہ وسوسوں کی طرف متوجہ ہے ذکر کی طرف متوجہ نہیں ہے اور اگر ذکر کی طرف متوجہ ہو گیا تو وسوسہ خود بخود جاتا رہے گا ادھر اس کی طرف توجہ ہی نہیں رہے گی تو صرف ذکر شروع نہ کرے بلکہ اپنی پوری توجہ ذکر کی طرف اور اس کی کیفیات کی طرف لے جائے تو وسوسہ ردّ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہدایت وہی پاتا ہے جسے اللہ ہدایت دیں اور جسے اللہ گمراہ کردیں اس کا کچھ نہ بچا سب خسارے میں پڑ گیا۔

گمراہی کا سبب قلب کی غفلت

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فرمایا ہم نے مخلوق کو پیدا کیا انہیں تکلیف شرعی دی انہیں شعور دیا مکلف بنایا لیکن بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں، ان کا کردار ایسا ہے جیسے وہ بنے ہی دوزخ کیلئے ہوں حالانکہ شعور تو اللہ نے انہیں بھی بخشا۔ اتمام حجت ان پر بھی کیا راہ ہدایت کے اسباب ان کو بھی دکھائے قدرت کی نشانیاں انہیں بھی دکھائیں لیکن وَلَقَدْ ذَرَاْنَا ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ان کا کردار ایسا ہو گیا جیسا انہیں پیدا ہی جہنم کے لئے کیا گیا ہو جیسے ہم نے انہیں پیدا ہی دوزخ کا ایندھن بنا کر کیا ہے ایسے کس طرح ہو گیا؟ فرمایا لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ہم نے انہیں دل دیئے قلوب دیئے انہوں نے دل سے کسی بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی تفقہ ہوتا ہے بات کو سمجھنا، جاننا تو اس کا مطلب ہے دل جس بات کو سمجھتا ہے، جانتا ہے اس کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے تو دماغ تو دل کا نائب ہے، وزیر ہے، دل سے حکم دماغ کو جاتا ہے۔ دماغ اعضاء و جوارح کو حکم دیتا ہے سارا بدن اس حکم کی تعمیل میں لگ جاتا ہے تو اصل بادشاہ دل ہے۔ فرمایا یہ اس لئے جہنم کا ایندھن بن گئے کہ ہم نے انہیں دل دیئے تھے لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا انہوں نے ان قلوب سے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ دلوں کو اور طرف لگا دیا۔ دنیا میں لگا دیا خواہش نفس کے پیچھے لگا دیا مال و زر کے پیچھے لگا دیا، ہماری بات کو دل میں اتارا ہی نہیں، دل میں بیٹھ کر تفکر ہی نہیں کیا، بیٹھ کر غور ہی نہیں کیا کہ کیا اچھا ہے کیا برا ہے کیا صحیح کیا غلط ہے؟ درحقیقت کان اور آنکھ دلؔ کے ماتحت ہیں آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے اس کی تصویر دل کو بھیج دیتی ہے، آنکھ جو دیکھتی ہے وہ تصویر دماغ کی قوت متخیلہ کو بھیج دیتی ہے وہاں تصویر بن کر وہ دل میں اتر جاتی ہے آپ کہتے ہیں یہ پھول دیکھا میرا دل خوش ہو گیا۔ بھئی دیکھا تو آنکھ نے دل خوش کیسے ہو گیا دل نے پھول نہیں دیکھا آنکھ نے دیکھا آنکھ نے تصویر لی یہ ایسا کیمرہ ہے یہ دماغ میں گئی دماغ کے قوت متخلیہ میں یہ ویسی تصویر بن کر دل کو خبر کر دی گئی دل تک پہنچا دی گئی کہ یہ چیز

سامنے اس طرح سے ہے اس میں یہ رنگ ہے یہ خوبی ہے یہ جمال ہے ایسے لگتا ہے گویا دل خود دیکھ رہا ہے۔ کان ہیں آواز سنتے ہیں فوراً دماغ کو رپورٹ کرتے ہیں دماغ اس کا تجزیہ کر کے اصل بات اصل آواز فوراً دل میں پہنچا دیتا ہے اب دل اس سے کیا اثر لیتا ہے۔ اسے قبول کرتا ہے یا اسے رد کر دیتا ہے تو یہاں فرمایا ہم نے انہیں قلوب دیئے۔ انہوں نے ان قلوب سے سوچا ہی نہیں سمجھا ہی نہیں تفقہ ہی نہیں کیا۔ اسے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور ہم نے انہیں آنکھیں دیں لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ان سے انہوں نے دیکھا ہی نہیں یعنی اس طرح نہیں دیکھا جس سے نفع حاصل ہوتا ورنہ تو ہر چیز ہر ایک کو نظر آ رہی ہوتی لیکن جس دیکھنے سے عبرت حاصل نہ ہو جس دیکھنے سے تفکر نہ کیا جائے جس دیکھنے سے کوئی نتیجہ نہ نکلے تو گویا دیکھا ہی نہیں توجہ ہی نہیں کی۔ جیسے ہم کسی کے پاس کوئی بات منوانے جاتے ہیں تو وہ انکار کر دیتا ہے ہم واپس آتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے بھئی سناؤ کیا ہوا ہم کہتے ہیں اس نے تو میری بات ہی نہیں سنی مراد یہ ہوتی ہے کہ مانی نہیں۔ یہاں بھی یہی ارشاد ہو رہا ہے ہم نے تو آنکھیں دیں انہوں نے دیکھا ہی نہیں یعنی دیکھتے ہوئے بھی ہر چیز کو ان دیکھا کر دیا دنیا کی محبت میں اتنے اندھے ہو گئے تھے وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ ہم نے تو کان دیئے تھے انہوں نے سنا ہی نہیں۔ انہوں نے اس بات پہ توجہ ہی نہیں دی، غور ہی نہیں کیا اس کا تجزیہ ہی نہیں کیا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ یہ چوپاؤں کی طرح ہیں بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ بلکہ چوپاؤں سے گئے گزرے ہیں چوپائیوں میں دو صفات ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ انہیں یہ شعور نہیں دیا گیا جو انسان کو دیا گیا دوسری بات یہ ہے کہ چوپائے بھی اپنے چرواہے کی بات سن لیتے ہیں وہ کہیں جا رہے ہوتے ہیں وہ جھڑکتا ہے تو واپس آ جاتے ہیں تو اس کی بات سن لیتے ہیں، سمجھ جاتے ہیں یہ تو ان سے بھی گئے گزرے ہیں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی یاد سے غافل ہیں جنہیں یاد الٰہی نصیب ہی نہیں جنہوں نے اس کی پرواہ ہی نہیں کی۔ غافل سے مراد یہ ہوتی ہے کہ کوئی چیز موجود ہو اپنے پاس ہو لیکن آپ اسے بھول جائیں۔ کوئی چیز ملے ہی نہیں تو وہ غفلت نہیں ہوتی۔ غفلت یہ ہوتی ہے کہ ایک چیز آپ کے اختیار میں آپ کے بس میں ہے، گھر میں موجود ہے لیکن آپ اسے بھول گئے اسے زنگ کھا رہا ہے۔ وہ ٹوٹ رہی ہے۔ اس پر گرد پڑ رہی ہے آپ کو یاد ہی نہیں وہ کہاں پڑی ہے۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس اللہ کا پیغام پہنچ رہا ہے اللہ کی کتاب موجود ہے برکات نبوت موجود ہیں لیکن انہیں یاد ہی نہیں کہ ہمارا کوئی نبی ﷺ ہے ہمارے پاس کوئی کتاب بھی ہے کوئی اللہ کا حکم بھی ہے اور کافر تو کافر ہیں۔ کافر تو ظالم ہیں غافل نہیں ہیں۔ اللہ ہمیں پناہ دے، ہدایت دے غافل ہم ہیں جن کا نبی ﷺ کی ذات پر ایمان بھی ہے اور جن کے پاس اللہ کی کتاب بھی ہے اور اس سب کے باوجود ہم نے اس کتاب کو جھاڑ پھونک کے لئے رکھ چھوڑا ہے اخباروں میں اشتہار آئیں کہ عملیات قرآنی سے ہر مشکل آسان ہو جائے گی تو اس پر ہم لوگوں کو پیسے دے کر

بڑے بڑے تعویذ گلے میں باندھتے پھریں گے پڑھ پڑھ کر پھونکتے رہیں گے یا کوئی مر گیا تو اس کے لئے پڑھیں گے اس کو کتاب حیات بنا کر ہم دیکھتے ہی نہیں کہ قرآن میرے ساتھ کیا بات کرتا ہے؟ قرآن کریم کی تلاوت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب آپ پڑھنے بیٹھیں تو آپ دنیا کو چھوڑ دیں اپنے آپ کو سامنے رکھیں اور یہ سمجھیں کہ قرآن مجھے بات سنا رہا ہے۔ پھر پتہ چلے گا یہ آپ سے باتیں کرتا ہے۔ آپ کو کچھ کام کرنے کا حکم دیتا ہے کچھ کاموں سے رکنے کا حکم دیتا ہے اور سارے مشورے اطاعت الٰہی اور اتباع رسالت کے دیتا ہے۔ صحیح راستے کی رہنمائی کرتا ہے تو بہت کم لوگ ہوں گے جو اس انداز سے تلاوت کرتے ہوں ورنہ کچھ کرتے ہی نہیں کچھ کو یہ شوق ہوتا ہے میں نے دس سپارے پڑھ لئے ہیں۔ پڑھ لئے اچھی بات ہے قرآن کا دیکھنا بھی ثواب ہے پڑھنا سننا فرض ہے۔ یاد رہے کہ تلاوت کرنا سنت ہے لیکن قرآن پڑھا جا رہا ہو تو سننا فرض ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ الاعراف: 204 جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو خاموشی سے متوجہ ہو کر سنو تا کہ اللہ تم پر رحم فرمائے جو بات قرآن کی آیت سے ثابت ہوتی ہے اصطلاح شریعت میں اسے نص کہتے ہیں نص سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ فرض ہوتی ہے۔ جیسے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ نماز قائم کرو۔ نماز فرض ہے اس کا حکم آیت سے ثابت ہے۔ زکوٰۃ کا حکم آیات میں موجود ہے حج، روزے کا حکم آیات قرآن میں موجود ہے وہ فرض ہے جو چیز آیاتِ قرآن سے ثابت ہوتی ہے وہ فرض ہے۔ سو قرآن کا سننا جو ہے وہ فرض ہے اور پڑھنا سنت ہے تو قرآن کو اس نظر سے پڑھا جائے کہ مجھے کیا حکم دے رہا ہے کیا مشورہ دے رہا ہے کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ کیا مانوں کیا نہ مانوں تو اللہ کریم مہربانی فرماتے ہیں راستے کھل جاتے ہیں مشکلات، مشکلات نہیں رہتیں گو بظاہر کتنی ہی مشکل نظر آئے لیکن اللہ کے بندوں کو وہ ایذا نہیں دیتی۔ شہداء کے بارے میں ہے کہ بڑی سختی سے قتل ہو گئے شہید ہو گئے۔ میدان حشر میں اللہ کریم ان سے پوچھیں گے کہ تم کیا چاہتے ہو، مانگو تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے اللہ دنیا کو ایک دفعہ پھر آباد کر، ہمیں واپس بھیج، ہم تیری راہ میں نکلیں اور پھر اسی طرح سے قتل کئے جائیں جو لذت اس قتل میں تھی وہ پھر سے نصیب ہو۔ اب بظاہر تو لوگوں نے سمجھا انہیں بہت تکلیف ہوئی قتل ہو گئے لیکن اس قتل میں بھی انؓ کے لئے وہ لذت تھی کہ وہ دوبارہ اس کی آرزو کریں گے۔ تو فرمایا ہم نے دل دیئے انہوں نے دلوں سے سمجھا نہیں۔ ہم نے نظر دی انہوں نے نگاہ عبرت سے دیکھا نہیں، ہم نے کان دیئے انہوں نے گوش حق سے سنا نہیں۔ یہ جانور ہیں جانوروں جیسے ہیں بلکہ جانوروں سے چوپایوں سے بدتر ہیں اور یہ کون لوگ ہیں؟ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ جو لوگ ہماری یاد سے غافل ہیں۔ جنہیں ہماری یاد کا احساس نہیں ہے۔ جنہیں پرواہ ہی نہیں ہے اور وقت ضائع کر رہے ہیں۔ بہت جلدی اپنے انجام کو پہنچیں گے۔ ہر عمل اپنا نتیجہ پائے گا۔ جو برائی کرتا ہے

وہ اس برائی کی سزا بھی بھگتے گا۔ اس معاملے میں تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں یہ منصب جلیلہ اس وحدہ لاشریک کا ہے۔

حق کا قبول اور باطل کا رد:

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٨١﴾ اور ہماری مخلوق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اس کے مطابق انصاف کرتے ہیں۔ یعنی سارے لوگ برے نہیں ہیں۔ میری مخلوق میں میرے ایسے بندے بھی ہیں جو نہ صرف حق پر ایمان رکھتے ہیں حق پر عمل کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی زندگی بھر حق کی دعوت دیتے رہتے ہیں حق کا راستہ بتاتے رہتے ہیں وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ اور اس کام میں پورا پورا انصاف کرتے ہیں۔ اس کے مطابق اپنی زندگی سے بھی انصاف کرتے ہیں۔ جن سے تعلقات ہوں ان سے بھی انصاف کرتے ہیں۔ انصاف کیا ہے یہی کہ زندگی میں اللہ کی نافرمانی کو داخل نہ ہونے دیا جائے اور امور زندگی اطاعت الٰہی کے دائرے کے اندر انجام دیئے جائیں۔ دوسروں سے انصاف یہ ہے۔ اس کی تبلیغ سے انصاف یہ ہے کہ دوسروں تک بھی حق بات پہنچائی جائے لیکن ترتیب دیکھ لیجئے قرآن کریم فرماتا ہے کہ پہلے خود اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں پہلے خود اس پر قائم ہوتے ہیں۔ تبلیغ کا یہ طریقہ درست نہیں ہے کہ آپ خود تو عمل چھوڑ دیں اور لوگوں کو وعظ کرتے رہیں۔ لوگوں کو تبلیغ کرتے رہیں کہ سود حرام ہے اور خود سود کھاتے رہیں خود چوری کرتے رہیں، بددیانتی کرتے رہیں لوگوں کو بتاتے رہیں کہ چوری کرنا بددیانتی کرنا اچھی بات نہیں ہے یہ کام حرام ہے۔ یہ درست نہیں ہے پہلے اپنی زندگی میں احکام شریعت پر پورا پورا عمل کر کے اپنے ساتھ اپنی زندگی کے ساتھ انصاف کریں۔ پھر تبلیغ کریں دوسروں تک بات پہنچائیں۔ تبلیغ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ دور دراز سفر ہی کریں۔ تبلیغ کا مطلب ہوتا ہے بات پہنچانا۔ جس سے بات ہو اس تک اللہ کی اللہ کے نبی ﷺ کی بات بھی ضرور پہنچائیں تو فرمایا میری مخلوق میں میرے ایسے بندے بھی ہیں۔ بے شمار مخلوق ایسی بھی ہے ایک طبقہ ہمیشہ ایسا رہتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے یعنی ہدایت پر عمل کرتے ہیں وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ اور اس کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ عدل یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اتباع شریعت کو لازم پکڑے اور جتنا جس سے تعلق ہے اسے بھی تلقین کرتا رہے۔ کوئی مانتا ہے یا نہیں، عمل کرتا ہے یا نہیں اس کا معاملہ رب العالمین کے ساتھ ہے تبلیغ کرنے والے کا فرض بات پہنچا دینے تک ہے پہنچا دیا تو حق ادا ہو گیا۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ اللہ کریم کے لئے بہت خوبصورت نام ہیں سب اچھے نام اس کے لئے ہیں۔ فَادْعُوْهُ بِهَا اسے ان ناموں سے پکارا کرو۔ اسماء الٰہی میں اسم ذات تو اللہ ہے باقی وہ نام جو صفاتی میں قرآن کریم میں مذکور ہیں

یا حدیث شریف میں مذکور ہیں۔ جو نام قرآن و حدیث میں مذکور نہیں ہیں ان ناموں سے اللہ کو پکارنا بھی جائز نہیں ہے خواہ وہ ان کے ہم معنیٰ ہوں ان سے ملتے جلتے ہوں۔ اللہ کریم کے لئے صرف وہ نام اختیار کئے جائیں گے جو یا قرآن میں مذکور ہیں یا حدیث شریف میں مذکور ہیں۔ فَادْعُوْهُ بِهَا اللہ کو اس کے ان خوبصورت ناموں سے پکارو، دعا کرو، تسبیح کرو، اس کا ذکر کرو، عملاً کرو، زبانی کرو، قلبی طور پر کرو اور عجیب بات یہ ہے کہ جب ہم عمل کرتے ہیں تو اس میں اللہ کی مدد بھی چاہیے استعانت بھی چاہیے اللہ کریم کی رحمت بھی چاہیے۔ حسب حال ان ناموں سے دعا کرنا بہت اچھی بات ہے۔ جب ہم ذکر کرتے ہیں تو اللہ کے ناموں کی تسبیح کرتے ہیں یہ بہت اچھی بات ہے۔ سبحان اللہ، والحمد للہ، اللہ اکبر لیکن جب ذکر قلبی کرتے ہیں تو معرفت الٰہی کے حصول کے لئے کرتے ہے۔ ہم جو عمل کرتے ہیں زندگی کے کاروبار، لین دین، سونا جاگنا، کھانا پینا، ان سب میں ہمیں اللہ کی رحمت درکار ہے اور وہی کامیاب ہے جس شخص کو کام کرتے وقت اللہ یاد ہو اور اللہ کے حکم کے مطابق اپنے حقوق سرانجام دے تو عملاً یہ ذکر الٰہی بھی ہے دعا بھی ہے یہ تمام امور کو جامع ہے۔ کوئی زبانی ذکر کرتا ہے، تسبیحات کرتا ہے تو اپنے حسب حال مرض سے شفاء کے لئے اس صفاتی نام کی تسبیح پڑھتا ہے کسی کام میں برکت کے لئے رحمن و رحیم کی پڑھتا ہے۔ کہیں مصیبت کو ٹالنے کے لئے اس مناسبت سے اسماء الٰہی کی تسبیح کرتا ہے لیکن جب ذکر قلبی کی بات آتی ہے تو قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم اپنی معرکۃ الاراء تفسیر مظہری میں رقمطراز ہیں کہ ذکر قلبی ہر بالغ مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے کہ قرآن کی بہت سی نصوص نے اس کا حکم دیا ہے۔ ابتدائی آیات جو نازل ہوئیں ان میں سورۃ مزمل کی وہ آیات مبارکہ بھی ہیں جن میں یہ ارشاد فرمایا گیا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا المزمل :8 اللہ کے اسم ذات کا ذکر کریں اور اس طرح سے کریں کہ کائنات سے کٹ کر صرف اللہ اور اللہ کی یاد دل میں رہ جائے جب حکم ہو رہا ہے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو تو پھر دوسرا کون مرد یا عورت آپ کی امت میں اس سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے! کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی طرف سے اسماء وضع کر لیتے ہیں گھڑ لیتے ہیں، خود بنا لیتے ہیں۔ اپنی طرف سے وظیفے ایجاد کر لیتے ہیں دوسروں وبھی کہتے ہیں یہ تسبیحات کرو۔

وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٠﴾ فرمایا جو لوگ اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو۔ ان سے ایسا تعلق نہ رکھو جو تمہارے عقیدے یا دینی عمل کو متاثر کرے۔ یہ شرط بنیادی طور پر غیر مسلموں کے لئے کفار کے لئے ہے کہ کفار سے تعلقات اس حد تک رکھے جائیں کہ دین متاثر نہ ہو۔ اگر کوئی ایسا لین دین، ایسا معاملہ، ایسی بات چیت بھی ہو جس سے دین متاثر ہوتا ہو

تو وہ تعلق رکھنا جائز نہیں ہے۔ مومن اور کافر کا تعلق، تجارت یا لین دین کا تو رہے گا۔ اگر کافر بھی بیمار ہے، محتاج ہے تو صدقات نافلہ سے اس کی مدد کی جا سکتی ہے، اس کی بیمار پرسی کی جا سکتی ہے اگر وہ مسلمانوں کے ملک میں ہے تو اس کے جان، مال، آبرو کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے ہے اور مسلمان حکومت کے ذمے ہے۔ یہ ساری باتیں ہیں لیکن ایسی دوستی جو دین کو یا عقیدے کو یا دینی عمل کو متاثر کرے وہ درست نہیں مثلاً ہمارے ہاں تو یہ بات عام ہے کہ میں اگر شلوار قمیض پہنوں گا یا داڑھی رکھ لوں گا یا نمازیں پڑھوں گا تو مغربی معاشرے میں مجھے اچھا نہیں سمجھا جائے گا۔ تو مغربی معاشرے میں خود کو اچھا ثابت کرنے کے لئے فرائض کو چھوڑ دینا یا سنت کو چھوڑ دینا یا دین کو چھوڑ دینا یہ جائز نہیں ہے۔ مغربی معاشرے نے ہمارا حساب کتاب نہیں لینا ہم نے جان اس کو نہیں دینی ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اللہ کریم کس بات میں راضی ہیں، اس کے نبی ﷺ کس بات سے خوش ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہمیں وہ کام کرنا ہے لہٰذا جو لوگ اسماء الٰہی کو بگاڑتے ہیں ان سے تعلق وہی ہوگا جو ایک غیر مسلم سے ہوتا ہے۔ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ فرمایا، ان کو چھوڑ دو۔ اب چھوڑ دینے سے مراد یہ تو نہیں لی جا سکتی کہ کوئی شہروں میں دیواریں بنا دے کہ وہ اس طرف ہوں یہ اس طرف ہوں گے یا وہ جس بس میں بیٹھیں ہیں ہم نہیں بیٹھیں گے۔ نہیں بلکہ اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایسا کوئی تعلق ان سے نہ رکھو جو آپ کے اعمال، آپ کے کردار یا آپ کے عقائد کو متاثر کرنے والا ہو یا آپ کو کھانے پینے میں وہ کوئی ناجائز یا حرام چیز کھلا دیں ایسا تعلق نہ رکھو۔ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ جو لوگ ایسی حرکات کرتے ہیں بہت جلد اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ اب تو عام رواج ہو گیا ہے کہ جادو کے لئے قرآنی آیات کو حرام چیزوں سے لکھتے ہیں بعض دفعہ کہہ دیتے ہیں کہ سیاہ رنگ کا مرغ لے کر آؤ اسے ذبح کر کے اس کے خون سے لکھتے ہیں حالانکہ دمِ مسفوح قطعاً حرام ہے۔ اب اس سے قرآن لکھنا کہاں جائز ہے؟ حتیٰ کہ پیشاب تک سے لکھتے ہیں اور پچھلے دنوں اس پر بہت شور بھی ہوا۔ ایک عالم سوٗ نے فتویٰ دے دیا کہ علاج کے لئے قرآن کی آیت کو پیشاب سے لکھنا جائز ہے تو علماء حق نے اس کو رد کیا کہ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ حرام کام میں شفاء کیسے ہوگی؟ اسماء الٰہی اور کلام الٰہی کو پیشاب سے لکھو گے تو اس سے اس کی توہین ہوگی یا شفاء ہوگی تو لعنت بھیجو، ایسی شفاء پر اس کے جواز کا کوئی ثبوت نہیں اسی طرح اللہ کریم سے کوئی ایسا نام منسوب کرنا قطعاً ناجائز ہے جو قرآن یا حدیث میں ارشاد نہیں ہوا بلکہ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ کوئی ایسا نام جس کے معنی اس نام سے ملتے جلتے ہوں جو قرآن یا حدیث میں ارشاد نہیں ہوا ہے وہ بھی جائز نہیں ہے۔ صرف وہ نام اسماء حسنیٰ ہیں جو قرآن نے ارشاد فرمائے جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائے تو جو لوگ اسمائے الٰہی کے ساتھ ایسا کرتے ہیں ان کا کیا ہوگا؟ فرمایا۔ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ اور عنقریب وہ اپنے کئے کی جزا پا لیں گے۔

سورۃ الاعراف رکوع 23 آیات 182 تا 188

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِیْ لَھُمْ ۚ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِھِمْ مِّنْ جِنَّۃٍ ؕ اِنْ ھُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُھُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ؕ وَیَذَرُھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْھَا لِوَقْتِھَآ اِلَّا ھُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَۃً ؕ یَسْـَٔلُوْنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْھَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ؕ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚۖ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان کو ہم جلد ہی درجہ بدرجہ (گمراہی میں) لے جائیں گے ایسے طریقے سے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ ﴿۱۸۲﴾ اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں بے شک میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔ ﴿۱۸۳﴾ کیا یہ سوچتے نہیں کہ ان کے صاحب کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو کھلے کھلے (انجام بد سے) ڈرانے والے ہیں۔ ﴿۱۸۴﴾ کیا یہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں نہیں دیکھتے اور

دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا فرمائی ہیں اور یہ بھی (خیال نہیں کرتے) کہ ہو سکتا ہے ان کی موت کا وقت قریب آ پہنچا ہو پھر اس کے بعد یہ لوگ کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔﴿۱۸۵﴾ جس کو اللہ گمراہ کریں تو اس کو کوئی راہ پر نہیں لا سکتا اور وہ ایسوں کو گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتے ہیں۔﴿۱۸۶﴾ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کب واقع ہوگی؟ فرما دیجئے کہ اس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔ یہ آسمانوں اور زمین میں ایک بھاری بات ہوگی کہ وہ تم پر اچانک آ پڑے گی وہ آپ سے (اس طرح) پوچھتے ہیں جیسے آپ اس کی تحقیق کر چکے ہیں فرما دیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔﴿۱۸۷﴾ فرما دیجئے کہ میں اپنے لئے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہیں اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو ضرور بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھے کوئی دکھ نہ پہنچتا میں تو صرف ایمان والوں کے لئے (انجام بد سے) ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں﴿۱۸۸﴾

تفسیر ومعارف

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ فرمایا ان کو ہم آہستہ آہستہ اس گمراہی میں اس برائی میں آگے جانے کی ڈھیل دیتے جائیں گے۔ استدراج یہ ہے کہ بات غلط ہو لیکن بندہ خود فریبی میں مبتلا ہو کر یہ سمجھے کہ وہ فائدے میں ہے۔

استدراج کیا ہے؟

عموماً یہ لفظ کرامت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کی کرامت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ استدراج سے مراد ایسی شعبدہ بازی ہے جو اپنے کرنے والے کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیتی ہے کہ میں بڑا خدا رسیدہ بندہ ہوں۔ میں فلاں وظیفہ کرتا ہوں تو جنات سے بات ہو جاتی ہے یہ وظیفہ کرتا ہوں

تو پیسے زیادہ ہو جاتے ہیں ۔ یہ وظیفہ کرتا ہوں تو جائے نماز کے نیچے سے نوٹ نکلتے ہیں ۔ میں یہ وظیفہ کرتا ہوں تو فلاں کام ہو جاتا ہے ۔اس کو استدراج کہتے ہیں ۔

کرامت کیا ہے:

یا تو بات بات پر ہر بات کو کرامت کہہ دیا جاتا ہے یا اس کا انکار کیا جاتا ہے ۔ کرامت فرع ہے معجزے کی ۔ معجزے کا صدور اللہ کے نبیؑ سے ہوتا ہے اور معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے صادر نبیؑ کے ہاتھ پر ہوتا ہے ۔ کب ہوتا ہے، کیوں ہوتا ہے؟ جب کوئی ایسا مقام آجائے کہ جہاں نبیؑ کی صداقت ثابت کرنے کے لئے کوئی محیر العقول واقعہ ضروری ہو ۔ کافروں لوگوں کو لاجواب کے لئے کوئی محیر العقول واقعہ ضروری ہو تو وہاں اللہ کی طرف سے معجزے کا صدور ہوتا ہے اور وہ نبیؑ کے ہاتھ پر ہوتا ہے ۔ اب یہی جو معجزہ ہے نبیؑ کا ولی اس کا وارث ہوتا ہے نبیؑ کی وراثت میں اسے یہ چیز بھی ملتی ہے کہ اس کے ہاتھ پر کرامات کا ظہور ہوتا ہے ۔ کرامت اس فعل کو کہیں گے جس کے نتیجے میں دین کی سربلندی ہو اور کچھ لوگوں کے توبہ کرنے کا سبب بن جائے یا بے دین طبقے کو خاموش کرنے کا سبب بن جائے ۔ یعنی کرامت وہ مُحیّر العقول کام ہے جس میں دین کی عظمت ہو اور وہ کسی فرد یا کسی ذات کی معتبری کے لئے نہ ہو ۔ اور کوئی ایسا محیر العقول واقعہ جس سے لوگ آپ کو زیادہ شرینیاں دینے لگ جائیں ۔ آپ کے پاس دولت جمع ہو جائے تو وہ استدراج ہو گا ۔ استدراج کی دوسری قسم یہ ہے جس کا ذکر اس آیہ کریمہ میں ہے سَنَسْتَدْرِجُهُمْ یہ استدراج وہ ہے کہ بندے برائی کرتے ہیں اللہ کریم انہیں دولت دیئے جا رہا ہے اب وہ اس بات پہ خوش ہیں کہ اللہ مجھ سے بہت راضی ہے ۔ میرے پاس بڑی دولت ہے ۔ وہ خود ہی نہیں دوسرے لوگ بھی یہی کہتے ہیں ۔

یہاں ہمارا ایک جاننے والا تھا وہ کافر ہو گیا دین سے نکل گیا لیکن اس کے پاس بہت دولت جمع ہو گئی تو لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ بڑا خوش نصیب ہے کہ اس کے پاس کتنی دولت ہے ۔ یہ استدراج ہے کہ کسی نے ایمان ضائع کر دیا یا مزید برائی کرنے لگا لیکن فرصت ملتی گئی کسی نے اسے پکڑا نہیں ۔ اگر کسی کو عہدے ملتے جائیں حتیٰ کہ وہ ملک کا سربراہ بن جائے یا کوئی شخص صوبے کا سربراہ بن جائے، ضلع کا سربراہ بن جائے، کوئی افسر بن جائے اور اس کے پاس دولت جمع ہوتی جائے، جائیداد آتی جائے، اولاد ہو جائے، خوشحالی آتی ہے لیکن ناجائز کاموں کے نتیجے سے حاصل ہونے والی خوشحالی اللہ کی رضا کا سبب نہیں ہے ۔ ہاں اگر حلال اور جائز طریقے سے یہ ساری چیزیں ملتی ہیں اگر عہدہ ملتا ہے اور وہ شریعت کے مطابق انصاف کرتا ہے ۔ شریعت

کے مطابق اگر دولت ملتی ہے تو حلال ذریعے سے کماتا ہے، اس کی زکوٰۃ دیتا ہے، جائز امور پر خرچ کرتا ہے، ناجائز نہیں کرتا ہے تو پھر واقعی اللہ کی رحمت ہے۔لیکن اگر وہ اپنے وسائل غلط طور پر استعمال کرتا ہے یا اسے عہدہ ناجائز طریقے سے ملتا ہے یا اس کے پاس دولت ناجائز ذرائع سے جمع ہو جاتی ہے تو یہ استدراج یعنی ایک دھوکا ہے کہ وہ سمجھ رہا ہے کہ اللہ مجھ پہ راضی ہے لیکن اللہ نے اسے گناہ کی ڈھیل دے رکھی ہے۔ اللہ کریم کا ایک نظام ہے ہر گناہ کی فوری گرفت نہیں ہوتی۔بعض گناہ ایسے شدید ہوتے ہیں جو دوسروں کی گمراہی کا بھی سبب بنتے ہیں ان پر بعض اوقات دنیا میں بھی کوئی مصیبت کوئی تکلیف آجاتی ہے وہ بھی مخلوق کے فائدے کے لئے ہوتی ہے کہ کوئی اس سے عبرت حاصل کر سکے۔

اللہ کریم نے انسان کو اختیار دیا کہ وہ حلال یا حرام میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکتا ہے۔اختیار کیا ہے، انسان کے پاس کتنا اختیار ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کسی نے پوچھا کہ بندے کے پاس اختیار کتنا ہے؟ آپؓ نے فرمایا ایک ٹانگ اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ اس نے ایک ٹانگ اٹھالی آپؓ نے فرمایا اب دوسری بھی اٹھالو کہنے لگا دوسری کیسے اٹھا سکتا ہوں؟ آپؓ نے فرمایا تمہارے پاس بس اتنا ہی اختیار ہے تم نے ایک پاؤں اٹھالیا دوسرا نہیں اٹھا سکتے۔ بندے کو نہ اپنے پیدا ہونے پر اختیار ہے نہ اپنے مرنے پر نہ اپنی صحت پر نہ اپنے رزق پر نہ اپنی شکل بنانے پر نہ اپنے قد و قامت پر تو اختیار پھر کس بات پر ہے؟ فرمایا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا الدھر:3 ہم نے دونوں راستے اس کے سامنے رکھ دیئے ہیں اب وہ چاہے تو ہدایت کا راستہ اختیار کرے چاہے تو ناشکری اور کفر کا راستہ اختیار کر کے دیکھ لے تو اگر ہر گناہ پر فوراً گرفت ہو جائے تو پھر اختیار تو ختم ہو گیا پھر تو ہر کوئی توبہ کر کے نیکی کی طرف ہی چلے گا کہ دوسرا راستہ تو بند ہے ذرا غلطی ہوتی ہے تو مصیبت آجاتی ہے۔ پکڑا جاتا ہے لہٰذا اس کا ایک وقت متعین ہے اور فرمایا وہ وقت دور نہیں ہے۔ہمیں کیوں اندازہ نہیں ہوتا؟ آج اگر ہم کسی کو یہ کہیں کہ آپ کا یہ کام میں ستر سال بعد کر دوں گا تو وہ پریشان ہو جائے گا کہ یہ تو نہ کرنے والی بات ہوئی انکار کر رہا ہے، یہ تو بہت لمبی مدت ہے! لیکن جن کی عمریں ستر سال ہو گئی ہیں وہ تو کہتے ہیں یہ تو کل کی بات ہے ہم تو سکول پڑھتے تھے اور کل کی بات ہے ہم لڑکے لڑکے کھیلا کرتے تھے۔ اور آج ہم بوڑھے ہو گئے ہیں جو عمر جس بندے کی جتنی گزر چکی ہے ذرا اس کے بارے دیکھو کیا اندازہ ہوتا ہے؟ کسی کی تیس سال ہے کسی کی پچیس سال ہے کسی کی پچاس سال ہے تو پچھلے تیس پچاس سالوں کو دیکھو تو پتہ چلتا ہے وہ تو لمحے بھر میں نکل گئے۔ اگلی زندگی کا بھی یہی حال ہے ہم غلط طور پر اس

سے امیدیں وابستہ کئے رہتے ہیں یہ ہوگا وہ ہوگا۔ ہماری اُمیدیں لمبی ہوتی رہتی ہیں اچانک پتہ چلتا ہے زندگی ختم ہوگئی امیدیں ایک طرف رہ گئیں تو فرمایا بہت جلد پکڑے جائیں گے لیکن جو لوگ نافرمان ہیں، ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں انہیں ہم جلد ہی گمراہی میں لے جائیں گے تکذیب یا جھٹلانا دونوں طرح سے ہے۔ ایک آدمی سن کر کہتا ہے میں نہیں مانتا وہ تو صریح کافر، ہوگیا۔ ایک آدمی اللہ کا حکم سن کر کہتا ہے یہ حکم ٹھیک ہے لیکن کرتا اس کے مطابق نہیں تو وہ فاسق ہے اور فسق کا بھی ایک درجہ ہے علمائے فقہ جب تارک صلوٰۃ پر بحث کرتے ہیں۔ یعنی وہ شخص جو بالکل ہی صلوٰۃ ادا نہیں کرتا تو فرماتے ہیں اسے تین روز تک کہا جائے کہ نماز پڑھا کرو وہ کہتا ہے جی پڑھوں گا۔ پڑھتا نہیں۔ دوسرے دن پھر اسے کہا جاتا ہے نماز پڑھو وہ کہتا ہے پڑھوں گا لیکن پڑھتا نہیں تو اسے چوتھے دن نہ کہا جائے بلکہ اسے قتل کر دیا جائے اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن نہ کیا جائے۔ اس پر فقہ کے تین امام متفق ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اسے قتل نہ کریں اسے قید کر دیں اسے طبعی عمر جینے دیں شائد کبھی توبہ کر لے۔ اسے قید کر دیں، اسے گھر سے دور کر دیں، اسے اولاد سے دور کر دیں اسے کاروبار سے دور کر دیں اسے جیل میں ڈال دیں اور انتظار کریں شائد توبہ کر لے پھر آخر میں وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ اگر جیل میں بھی رہے اور توبہ نہ کرے نماز ادا نہ کرے اور مر جائے تو تو پھر اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ اب ایک حکم نماز پنجگانہ پر یہ شرعی فیصلہ ہے۔ اپنے اردگرد دیکھئے ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو پابندی سے نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں یہی حال باقی امور کا ہے جہاں جہاں ہم شریعت کو چھوڑتے ہیں جب گناہ صغیرہ اور کبیرہ پہ بحث ہوتی ہے وہاں علمائے فقہ متعین کرتے ہیں کہ یہ، یہ گناہ کبائر میں ہیں اور یہ یہ گناہ گناہ صغیرہ میں سے ہیں۔ یہ فہرست بنانے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ سارے ہی گناہ کبیرہ ہیں اگر اس نظر سے دیکھا جائے کہ نافرمانی کس کی ہے تو پھر کوئی گناہ چھوٹا نہیں رہتا سارے گناہ ہی کبیرہ ہو جاتے ہیں۔ گناہ تو بظاہر ہم نے چھوٹا کیا۔ گناہ چھوٹا سا تھا لیکن نافرمانی کس کی تھی اس عظیم ذات کی جو سارے جہانوں کا مالک، خالق، رازق اور شہنشاہ ہے تو جب اتنی عظیم ذات کی نافرمانی کی تو وہ پھر جرم چھوٹا تو نہیں ہے وہ جرم بڑا ہو گیا تو اللہ کریم فرماتا ہے سَنَسْتَدْرِجُهُمْ ہم نے انہیں ایک غلط فہمی میں ڈال رکھا ہے۔ جب انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا تو ہم نے انہیں زندگی میں مہلت دے دی کام کرنے، کی دولت دے دی، عہدے دے دیئے۔ ہمارا یہ عالم ہے کہ ہمارے بڑے بڑے عہدے دار مغرب میں غیر مسلم ممالک میں جاتے ہیں۔ پڑوس میں ہندو ہیں۔

ہندوؤں کے پاس جاتے ہیں تو کمال یہ ہے کہ ہندوؤں کے وزرا، وزیر اعظم تک نے اپنا قومی لباس پہن رکھا ہوتا ہے لیکن ہمارے افسران انگریزی لباس میں ہی ہوتے ہیں اور اگر کسی ہندو نے بھی ویسا ہی سوٹ بوٹ پہنا ہوا ہو تو اگر آپ جانتے نہ ہوں تو نہیں پہچان سکتے کہ مسلمان کون ہے اور ہندو کون ہے، یہ کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس لباس سے معاشرے میں ہماری عزت ہے، اس سے ہمارا احترام بڑھتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہی غلط فہمیاں انہیں مزید آگے لے جاتی ہیں اور انہیں پتہ بھی نہیں چلتا تب پتہ چلتا ہے جب موت آتی ہے اور حضورِ حق میں پیش ہونا پڑتا ہے وَاُمْلِیْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ ہم انہیں مہلت دیئے جاتے ہیں۔ انسان کتنا جی لے گا؟ ایک طے شدہ زندگی ہی اس نے جینا ہے۔ فرمایا ہماری تجویزیں ہماری تدبیریں بہت مضبوط ہیں۔ نظام کائنات اللہ کی تدبیر ہے جو بہت مضبوط ہے جہاں تک اللہ نے بندوں کو علم دے دیا ہے اور انسانی دماغ نے جہاں تک ان مسائل کو دیکھا ہے۔ وجود انسانی کا تجزیہ کیا ہے شجر و حجر کے تجزیات ہوئے ہیں تحقیق کرنے والوں نے پتھروں سے ایٹم کو بھی تو تلاش کر ہی لیا ہے تو جہاں تک انسانی نگاہ پہنچتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے ذرے سے جو آگے تقسیم نہیں کیا جا سکتا اس کے ساتھ دوسرا ذرہ منسلک ہے اس کے ساتھ تیسرا منسلک اور یہ سارے ذرات مل کر کہیں سونا بنا رہے ہیں کہیں چاندی بن جاتے ہیں، کہیں لوہا بن جاتے ہیں کہیں چٹان بن جاتے ہیں۔ اسی طرح شجر و حجر جانور، انسانی وجود کتنے سیلوں سے مل کر بنا ہوا ہے اور چھوٹے چھوٹے سیل ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے متعلق ہیں لیکن فرمایا میرا نظام بڑا مضبوط ہے۔ ذرہ ذرہ جو جڑا ہوا ہے اسے کوئی پریشان نہیں کر سکتا۔ کوئی اسے بکھیر نہیں سکتا کوئی اسے توڑ نہیں سکتا تو جب دنیا میں فطرت کا جو نظام ہمارے سامنے ہے۔ وہ اتنا مضبوط ہے تو آخرت کے نظام کو کوئی کس طرح توڑ کر نکل جائے گا اور کس طرح اپنے اعمال کی جزا نہیں پائے گا فرمایا یہ سوچنا ہی فضول ہے ممکن ہی نہیں ہے اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ہماری تدبیریں بہت مضبوط ہیں بڑی سنجیدہ ہیں اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ فرمایا لوگوں نے کبھی اس بات پر غور و فکر کیا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کون اور کیسی ہستی ہیں! ہم آج بھی کام کرتے ہیں۔ ہمارے کاموں پر باپ دادا کی یہ چھاپ ہوتی ہے اگر سوال ہو کہ یہ کیوں کرتے ہو؟ تو ہمارا جواب ہے کہ ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔ باپ دادا کا ہمارے نزدیک ایک مقام ہے، ایک احترام ہے۔ کوئی ہمیں کہتا ہے یہ کام چھوڑ دو اس طرح نہ کرو اس طرح کرو تو کہتے ہیں نہیں میرے باپ دادا کے نام کو بٹہ لگے گا وہ یہ کام اس طرح کرتے تھے میں اس طرح کیوں

کرو۔ فرمایا یہ بیٹھ کر سوچتے نہیں اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا کبھی یہ بیٹھ کر سوچتے نہیں، غور نہیں کرتے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کیسی ہستی ہیں؟ ایک ایسی ہستی جنؐ کے مخالف بھی آپ ؐ کو صادق اور امین کہتے ہیں۔ ایک ایسی ہستی جن کی ساری زندگی مشعل ہدایت ہے۔ ایک ایسی ہستی جو کائنات کے لئے اللہ کی رحمت مجسم ہیں اور یہ ان ؐ کی بات چھوڑ دیتے ہیں کیا یہ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور ﷺ مجنوں تھے اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِہِمْ مِّنْ جِنَّۃٍ ط انہیں یہ سمجھ نہیں آتی کہ حضور ﷺ کو کوئی جنون نہیں تھا اٹھتے بیٹھتے اللہ کا نام لیتے ہیں، اٹھتے بیٹھے اللہ کی بات کرتے ہیں، لوگ پتھر مارتے ہیں لوگ قتل کا اردہ کر لیتے ہیں، لوگ ہجرت پر مجبور کر دیتے ہیں، لوگ شعب ابی طالب میں بند کر دیتے ہیں تین سال صحابہؓ خواتین بچوں کے ہمراہ نہایت تکلیف میں گزارے جاتے ہیں لیکن حق بات وہاں سے بھی ہوتی رہتی ہے۔ کبھی کسی نے بیٹھ کر سوچا؟ اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا یہ لوگ کبھی سوچتے نہیں ہیں اس پر فکر نہیں کرتے کہ ایک کام کے لئے حضور ﷺ پتھر کھاتے ہیں، دندان مبارک شہید کراتے ہیں، اپنے صحابہؓ کبار کو، عزیز ترین چچاؓ کو شہید کراتے ہیں، وطن چھوڑنا پڑتا ہے، گھر چھوڑنا پڑتا ہے، ہجرتیں کرنی پڑتی ہیں ہر تکلیف، ہر دکھ گوارا کرتے ہیں مگر بات اللہ ہی کی کرتے رہتے ہیں۔ کبھی سوچا کہ اللہ کی اطاعت کتنا ضروری ہے؟ کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ میرا نبی ﷺ مجنون تھا کہ اتنے دکھ اٹھائے لیکن کفر سے کافروں سے تعاون نہیں کیا۔ انہوں نے دولت بھی پیش کی کہ ہم ساری دنیا سے آپ کو امیر کر دیں گے اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں۔ کسی بڑے سے بڑے آدمی کی بیٹی کو آپ نکاح میں لانا چاہتے ہیں تو ہم جو کچھ ہم سے بن پڑا حیلہ کر کے آپ کا نکاح کرا دیں گے۔ اگر آپ بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو عرب کا بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ آپ اپنے مذہب پہ بھی رہیئے ہمارے بتوں کی تردید کرنا چھوڑ دیجئے فرمایا یہ تو وہ کام ہیں جو انسان کے لئے ممکن ہیں لیکن اگر تم کوئی ناممکن کام بھی کر دو سورج اور چاند کو آسمان سے اتار کر لے آؤ اور میرے ایک ہاتھ پہ سورج ایک ہاتھ پہ چاند رکھ دو۔ میں پھر بھی وہی کہوں گا جو اللہ مجھے کہنے کا حکم دے گا کیا یہ سب کچھ حضور ﷺ نے اس لئے کیا کہ کافر تو انکار کر دیں اور جو کلمہ پڑھتے ہیں وہ بھی حضور ﷺ کا اتباع چھوڑ دیں، سجدے بھی نہ کریں، قرآن کو کھول کر نہ دیکھیں، سود کھانا شروع کر دیں، لوٹ کھسوٹ شروع کر دیں؟ ایک دوسرے کے گلے کاٹنا شروع کر دیں، مسلمان مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیں۔ یہ کون سے مسلمان ہیں کیا سمجھا ہے انہوں نے اسلام کو، یہ کون سا انداز مسلمانی ہے؟ کیا انہوں نے کبھی سوچا ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ کتنی عظیم ہستی ہیں؟ آپ ﷺ قیامت تک کے نبیؐ و رسول ہیں، قیامت تک آپ ﷺ کی حکومت

ہے اور رہے گی آپ ﷺ کی رسالت ہے اور رہے گی، آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب ہے اور رہے گی الحمدللہ۔

کبھی یہ سوچنے کا تکلف کیا، کبھی یہ سوچا کہ حضور ﷺ نے اور آپ ﷺ کے متبعین نے کتنے دکھ اٹھائے لیکن حق کا دامن نہیں چھوڑا۔ حق پر عمل بھی کرتے رہے اور حق کی تلقین بھی فرماتے رہے اور باطل کی تردید بھی کرتے رہے۔ کوئی نومسلم اسلام قبول کرتا ہے وہ کہتا ہے میں نے اسلام قبول کر لیا میں اللہ کو وحدہ لا شریک مانتا ہوں اور حضور ﷺ کو اللہ کا نبی مانتا ہوں لیکن میں بتوں کو برا نہیں کہہ سکتا ان کا بھی ایک احترام ہے اس کا اسلام قابل قبول نہیں ہے۔ جس طرح توحید و رسالت کی قبولیت شرط ہے اسی طرح کفر کا رد بھی شرط ایمان ہے۔ ایمان لانے کے لئے جس طرح حق کا قبول کرنا شرط ہے باطل کو رد کرنا بھی اتنا ہی شرط ہے تو فرمایا اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْن کبھی یہ بیٹھ کے سوچتے نہیں، تفکر نہیں کرتے، کبھی تنہائی میں بیٹھ کر کبھی کسی دوست کے ساتھ بیٹھ کر کبھی کسی استاد کے ساتھ بیٹھ کر بات تو کریں، سوچیں تو سہی۔ ایک ہستی کتنے عملاً دکھ اٹھاتی ہے وہ بے نظیر و بے مثال ہستی ﷺ جنہیں کافر بھی کہتے ہیں کہ آپ سچے بھی ہیں امین بھی ہیں۔ عجیب بات ہے آپ سے لڑائیاں بھی لڑتے ہیں اور اپنی امانتیں بھی آپ ﷺ کے پاس جا کر رکھواتے ہیں کہ یہاں کوئی خطرہ نہیں ہماری امانت ہمیں صحیح سلامت مل جائے گی۔ حتی کہ جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تب بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی امانتیں دے کر اپنے بستر مبارک پہ سلایا کہ صبح اٹھ کر یہ لوگوں کو واپس کر دینا اور پھر تم بھی چلے آنا کمال ہے جو لوگ باہر ننگی تلواریں لئے قتل کے ارادے سے کھڑے ہیں انہی کے آباؤ اجداد اور باپ، چچا کی امانتیں ہیں فرماتے ہیں یہ انہیں واپس کر کے آنا تو کیا یہ جنوں کی کوئی قسم ہے یہ پاگل پن ہے؟ اور ہم عقلمند ہیں۔ اب جو حضور ﷺ کا اتباع نہیں کرتا قرآن کریم کی اس آیت کے مفہوم کے مطابق گویا وہ یہ سمجھتا ہے کہ حضور ﷺ معاذ اللہ مجنوں تھے نقصان اٹھاتے رہے اور میں تو عقلمند ہوں میں تو دنیا کا فائدہ اٹھاؤں گا۔ کیوں کسی کو ناراض کروں کیوں اپنا نقصان کروں اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا ٜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ انہوں نے کبھی بیٹھ کر سوچا ہے کہ ان کے صاحب کو ذرا بھی جنون نہیں۔

سبحان اللہ یہاں محمد رسول اللہ ﷺ کو بنی نوع انسان کا صاحب، بہی خواہ، بھلا چاہنے والا، بہتری چاہنے والا بتایا ہے جو کسی کا نقصان چاہتا ہے وہ تو اس کا صاحب نہیں ہو سکتا اس کا دوست تو نہیں ہو سکتا، اس کا ساتھی تو نہیں ہو سکتا۔ وہی ساتھی ہو سکتا ہے جو اس کا بھلا چاہتا ہے۔ فرمایا ساری نوع انسانی کا بھلا چاہنے والا میرا محبوب ﷺ معاذ اللہ وہ پاگل تو نہیں ہے اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ ہاں یہ یقینی بات ہے کہ وہ واضح طور پر ان نتائج سے آگاہ کرنے والے ہیں جن کی خبر تم کو مرنے کے بعد ملے گی۔

سارے تراجم میں نذیر کا معنی ڈرانے والا لکھا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ الحمد اللہ اللہ نے توفیق دی یہ میرا لکھا ہوا ہے تو اس میں میں نے یہ لکھا ہے وہ تو کھلے کھلے انجام بد سے ڈرانے والے ہیں (انجام بد) بریکٹ میں ہے چونکہ قرآن کے الفاظ میں نہیں ہے لیکن مفہوم یہ ہے جیسے کوئی سفر پر جانے لگے اور راستے سے واقف کوئی شخص اسے بتادے کہ بھئی راستے میں ڈاکو ہیں میں واپس آ رہا تھا میں تو بچ کر آ گیا ہوں لیکن باقی سب لوگوں کو لوٹ رہے ہیں لہٰذا اس راستے سے نہ جاؤ اس راستے سے چلے جاؤ اس کا یہ بتانا انذار ہوگا یعنی کوئی تکلیف آنے سے پہلے اس کی خبر دینا اس سے مطلع کرنا انذار ہے محض ڈرانا نہیں۔ ویسے تو ڈر دشمن کا بھی ہوتا ہے چور کا بھی موذی جانور کا بھی ہوتا ہے لیکن انذار وہ ڈر ہے جو کسی کو نقصان اٹھانے سے پہلے متنبہ کرنے کے لئے کرایا جائے پھر نبیؑ وہ نذیر ہوتا ہے کہ جن نقصانات کا علم ہمیں مرنے کے بعد ہوگا کہ یہ میں نے اپنا نقصان کیا وہ اس زندگی میں ارشاد فرما دیتا ہے کہ یہ کرو گے تو تمہارا یہ نقصان ہوگا تو فرمایا میرا نبی ﷺ دنیا تو دنیا، دنیا میں رہتے ہوئے اخروی نقصانات سے مطلع کر رہا ہے اور تم سمجھتے ہو معاذ اللہ وہ مجنوں ہیں؟ انؐ کی شان تو یہ ہے جیسے کوہ صفاء پر کھڑے ہو کر اہل مکہ کو جب حضور ﷺ نے جمع کیا تو یہ بات ارشاد فرمائی کہ میں پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا ہوں اور تم لوگ اس کے ایک طرف نیچے کھڑے ہو تمہارے سامنے پہاڑی کے سامنے والی سمت ہے لیکن میرے سامنے اس کی سامنے والی اور اس کے پیچھے والی دونوں سمت ہیں اگر میں تمہیں کہوں کہ پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر جمع ہو رہا ہے وہ تم پر ٹوٹ پڑے گا تو تم کیا کہو گے؟ کہنے لگے ہم مان لیں گے آپ صادق ہیں امین ہیں۔ سچے ہیں امانت دار بھی ہیں جھوٹ بولنا خیانت بھی ہے اور جھوٹ بھی ہے آپ سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی پھر آپ ﷺ کا مقام ایسا ہے جہاں سے آپ ﷺ کو دونوں رخ نظر آ رہے ہیں تو حضور ﷺ نے مثال دی کہ میرے سامنے دونوں جہان واضح ہیں میں دنیا کو بھی دیکھ رہا ہوں اور آخرت کو بھی دیکھ رہا ہوں اور ایسے دیکھ رہا ہوں جیسا وہ واقعی ہے۔ لہٰذا میں تمہیں بروقت خبردار کر رہا ہوں کہ یہ جو کام کر رہے ہو یہ آخرت میں تمہارے لئے نقصان کا سبب بنے گا تو یہ تو ایک احسان ہے تو فرمایا ایک ایسی ہستی جو دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کے امور پر اخروی نقصانات سے مطلع فرما رہا ہے بھلا اس جیسا دانا اور دانشور اور اس جیسا انسانیت کا بھی خواہ اور صاحب اور دوست کون ہوسکتا ہے؟ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ کیا یہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں نہیں دیکھتے اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا فرمائی ہیں یعنی عظمت الٰہی کو اس کی قدرت اور اختیار کو اس کے قادر مطلق ہونے کو کیا زمین و آسمان کی تخلیق میں انہیں سمجھ نہیں آتی۔ یہ سورج جو ہزاروں صدیوں سے روشنی بھی دے رہا ہے تپش بھی دے رہا ہے کبھی آپ

نے خیال کیا کہ یہ مقرر کردہ راستے سے نہ ہٹتا ہے نہ وقت میں تاخیر و تقدیم کرتا ہے۔ قادر مطلق نے جو راہ مقرر فرما دی ہے اسی پر چلتا ہے ایک لمحے کی تاخیر نہیں کرتا ایک لمحہ وقت سے پہلے نہیں آتا اگر یہ ایک ایک ذرہ برابر بھی زمین کے قرب آنے لگ جاتا تو آج تک ہر چیز جل کر راکھ ہو چکی ہوتی اگر یہ ایک ایک سینٹی میٹر دور ہوتا چلا جاتا تو آج تک زمین پر ہر چیز جم کر رہ گئی ہوتی لیکن اس کی جرأت نہیں ہے۔ وہ مالک الملک جو شہنشاہ ہے حکمران ہے حقیقی بادشاہ ہے اس کے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں ہے سورج چاند ستارے کرۂ ارض دیگر کرّے جو فضا میں ہیں ہر ایک اللہ کی اطاعت پر کاربند ہے۔ تم نے نہیں دیکھا کہ پتھر زمین، پہاڑ ہیں، نباتات اُگتی ہیں، پھلتی پھولتی ہیں، پہاڑ بنتے ہیں گر جاتے ہیں پھر کہیں بن جاتے ہیں پتھر پھٹ جاتے ہیں چشمے جاری ہو جاتے ہیں سبحان اللہ! کروڑوں پتے شائد ایک درخت پہ ہوں خزاں آتی ہے تو خاک میں مل جاتے ہیں، وہی درخت ٹنڈ منڈ کھڑا ہو جاتا ہے بہار آتی ہے چند دنوں میں پتوں سے پھر بھر جاتا ہے اس کے نظام ارض وسماء کی بادشاہت دیکھ کر کیوں احساس نہیں ہوتا؟ زمینوں و آسمانوں کی بادشاہت دیکھ کر تمہیں عظمت الٰہی کا احساس کیوں نہیں ہوتا؟ **اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا** کیا تم نہیں دیکھتے **فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت میں تمہیں عظمت الٰہی نظر نہیں آتی؟ **وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ** اور اللہ نے جو دوسری مخلوق پیدا فرمائی ہے کسی تخلیق پر غور کرو تمہیں سمجھ آجائے گی کہ وہ کتنا قادر ہے کتنا عظیم ہے اور واقعی واحدہٗ لاشریک ہے۔ اور واقعی وہ عبادت کے لائق ہے اور اسی کی عبادت کرنی چاہیے اور اسی کی اطاعت ناگزیر ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ پھر اس کا دوسرا پہلو فرمایا **وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ** اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ ہو سکتا ہے ان کی موت کا وقت قریب آچکا ہو۔ اپنے اردگرد دیکھتے ہو کتنے پہاڑ تھے جو گر گئے کتنی چٹانیں تھیں جو پاش پاش ہو گئیں کتنے بڑے بڑے درخت ہم نے دیکھے تھے وہ نہیں ہیں۔ کتنے عالیشان محلات تھے جو ہم نے بنتے بستے دیکھے تھے اب وہ اجڑ چکے ہیں۔ کتنے بے شمار لوگ تھے ہمارے ساتھ جو اس دنیا میں نہیں ہیں تو پھر ہم اس بات سے بے فکر کیوں ہیں کہ کسی بھی لمحے میری بھی موت آسکتی ہے۔

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

نظام الٰہی میں ہر چیز چل رہی ہے۔ آرہی ہے جارہی ہے۔ ہم آگئے ہمیں جانا ہے۔ کسی بھی وقت حکم آسکتا ہے کوئی لمحہ زندگی کا آخری لمحہ ہو سکتا ہے۔ آپ کس حال میں اللہ کے حضور جانا چاہتے ہیں، کبھی یہ سوچا؟ مومن کی زندگی تو ایسی ہونی چاہیے کہ کسی لمحے موت آجائے الحمد للہ، وہ اللہ کی بارگاہ میں جانے کے لئے تیار

ہے اور اگر ہم اپنے آپ کو چند شریف آدمیوں کے سامنے پیش نہیں کر سکتے کہ میں نے کسی کا مال بھی کھایا ہوا ہے کسی سے جھوٹ بھی بولا ہے کسی کی جان بھی لی ہے کسی کو تباہ بھی کیا ہے، جو بندہ دوسرے بندوں کا سامنا نہیں کر سکتا تو اللہ کے سامنے کیا کرے گا یہ نہیں سوچا وَّاَنۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ قَدِ اقۡتَرَبَ اَجَلُہُمۡ ۚ ہوسکتا ہے ان کی زندگی کا وقت پورا ہو جائے اور موت سر پر کھڑی ہو۔ تو فرمایا یہ ساری باتیں سوچنے کی ہیں تو یہ لوگ کیوں نہیں سوچتے فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾ پھر اس کے بعد یہ لوگ کون سی بات پر ایمان لائیں گے؟ یعنی اس کے بعد کچھ نیا آنے والا نہیں ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے رسالت کی تکمیل ہوگئی اب کوئی نیا نبیؐ آنے والا نہیں ہے۔ قرآن کے نزول سے کتب ساوی کی تکمیل ہوگئی اب کوئی نئی کتاب نازل ہونے والی نہیں ہے۔ اب نہ کوئی نیا رہنما آنے والا ہے نہ کوئی نیا سمجھانے والا آنے والا ہے نہ کوئی نئی کتاب آنے والی ہے تو پھر یہ لوگ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں۔ نبوت ختم ہو چکی یہ ختم نبوت کی بھی دلیل ہے۔ حجت تمام ہو چکی قرآن کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں ہوگی۔ لوگو اسی قرآن پہ غور کرو۔ حضور ﷺ کی ذات پہ تفکر کرو اور سوچو کیسی عظیم ہستی نے، کیسی امین، کیسی صادق ہستی نے اس خوبصورت راستے کی طرف بلایا ہے اور اسے اپناؤ۔

اللہ سے تعلق توڑنے کی سزا:

مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ ؕ جس کو اللہ گمراہ کریں اس کو کوئی راہ پر نہیں لا سکتا وَیَذَرُہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾ اور وہ ایسوں کو گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتے ہیں۔ اللہ کریم نے انسان کو نیکی اور ہدایت کی دعوت دی ہے اور یوم الست سے دی اور پھر دنیا میں زمین پر آنے والا سب سے پہلا انسان حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا نبیؐ تھا پھر ہمیشہ ہر قوم ہر بستی میں نبیؐ اور رسولؐ بھیجے تا کہ نبوت و رسالت مکمل ہوئی اور آقائے نامدار ﷺ کی بعثت ہوئی تو اللہ کریم نے جب سے انسان کو پیدا فرمایا تب سے ہمیشہ اسے حق کی طرف دعوت دے رہے ہیں لیکن یہ آیہ کریمہ کہتی ہے جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ پر نہیں لا سکتا۔ اللہ گمراہ کیوں کر دے؟ اللہ تو ہدایت کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہ سارا قرآن ہدایت کی طرف دعوت ہے۔ اس کا جواب بڑا سادہ بڑا خوبصورت جواب قرآن کریم کی دوسری آیات میں موجود ہے کہ انسان کو اللہ نے ایک بہت بڑی نعمت دی ہے جس سے وہ اشرف المخلوقات بنا۔ وہ نعمت ہے معرفت باری کی استعداد۔ اللہ کی عظمت کو پہچاننے کی ایک قوت رکھی ہے جو انسان کے قلب میں ہے دماغ میں نہیں۔ جسے عقل یا دماغ کہتے ہیں

یہ خود مادے سے بنا ہوا ہے مادی ہے۔ مادی وجود کی مادی ضروریات کے لئے جتنی تدابیر کی ضرورت ہے۔ جتنی تدبیریں مادی وجود کیلئے مادی چیزوں کی ہیں وہ ساری دماغ سمجھ سکتا ہے کرسکتا ہے۔ یہی اس کا کام ہے لیکن معرفت الٰہی کی استعداد روح میں ہے۔ روح کی ضروریات اور ان کا ادراک کرنا قلب کا کام ہے۔ جب یہ معرفت الٰہی دی اسے یہ شعور بخشا تو اس پر اپنی ذات کو مسلط نہیں فرمایا۔ اسے بے بس نہیں کیا۔ فرمایا إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا الدھر:3 ہم نے اس کے سامنے دار دنیا بھی رکھ دیا بے شمار نعمتیں دولت شہرت اولاد بے شمار دنیا کی چیزیں رکھ دیں اور دوسری طرف ہماری اپنی ذات جلوہ گر ہے۔ انسان کو درمیان میں لا کر چھوڑ دیا کہ انتخاب تمہارا ہے ہمیں پسند کرتے ہو یا ہمیں چھوڑ کر ذاتی، وقتی دنیاوی فائدہ لذت گناہ اور ہوس میں گرفتار ہونا پسند کرتے ہو۔ جو انسان غلط فیصلہ کرتا ہے کہ عظمت الٰہی کی پرواہ نہیں کرتا اطاعت الٰہی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ پیغام نبوت کو اہمیت دینے کو تیار ہی نہیں۔ سننا ہی پسند نہیں کرتا۔ کہتا ہے یہ پرانی باتیں ہیں چودہ سو سال گزر گئے۔ پندرھویں صدی آ گئی لوگوں کو یہ باتیں کرتے ہوئے۔ پرانے زمانے کی باتیں ہیں ہمیں ان سے کیا لینا دینا اور ذاتی شہرت یا دولت کے لالچ یا اقتدار کے لالچ یا ہوس میں آ کر اندھا دھند دنیا کی طرف بھاگ پڑتا ہے تو اس کو کیا سزا ملے گی؟ سب سے بڑی سزا اس کی یہی ہے کہ اللہ پھر اسے اپنی معرفت سے محروم کر دیتے ہیں۔ اپنے در سے دھکا دے دیتے ہیں کہ جاؤ تمہیں ادھر کا شوق ہے تو وہ پورا کرلو۔ اس کا اختیار سلب نہیں فرماتے اسے مجبور و بے بس نہیں کرتے اگر باندھ کے لانا ہے تو پھر ہماری مخلوق ذرہ ذرہ پتا پتا بندھا ہوا ہے اس کی حمد و ثنا کر رہا ہے خود انسان ہر معاملے میں مجبور و بے بس ہے اس کے حکم کے مطابق پیدا ہوتا ہے۔ اپنی شکل آپ نہیں بنا سکتا، اپنا قد نہیں بنا سکتا، اپنی قسمت نہیں بنا سکتا، اپنی صحت و بیماری کا فیصلہ نہیں کرسکتا، حتیٰ کہ اس کا حکم آتا ہے تو مر جاتا ہے۔ انسان کہاں کہاں اس کے مقابلے میں کھڑا ہو سکتا ہے کہیں بھی نہیں لیکن جب معرفت اور اطاعت اور تعلق کی بات آتی ہے تو انسان مخلوق ہو کر اتنے احسانات کا ممنون ہو کر اتنا زیر بار احسان ہو کر پھر ناشکری کرتا ہے اور چند لقموں کے لئے وقتی اقتدار کے لئے خواہشات نفس کے لئے، اس کی ذات کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ ذات بے نیاز ہے وہ کہتا ہے تو نے مجھے اگر چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے تو جا میں نے بھی تجھے چھوڑ دیا۔ جب وہ یہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا پھر اسے کوئی ہدایت پر نہیں لاسکتا۔ پھر کسی انسان کے بس میں نہیں ہے کہ اسے واپس لے آئے لیکن یہ ہوتا خود اس انسان کی اپنی پسند پر ہے۔ اس نے عظمت باری اور دامان رسول ﷺ کو چھوڑ کر نفس پرستی کا راستہ اپنا لیا۔

آپ ﷺ رحمت اللعالمین ہیں آپ کا قلب اطہر ہر فرد کے لئے پریشان ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ جب طائف تشریف لے گئے تھے تو طائف کے سردار عبدا یعلیل اور اس کے بھائی وہاں تھے اس بڑے بھائی نے کہا میں تو آپ سے بات کرنا ہی پسند نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اگر آپ کہتے ہیں میں اللہ کا رسول ہوں اور اگر آپ واقعی رسول ہیں تو میں نہیں چاہتا کہ میرے منہ سے کوئی نامناسب بات نکل جائے تو میں اس لئے بات نہیں کرتا اور اگر آپ اپنے دعویٰ رسالت میں سچے نہیں ہیں تو پھر آپ اس قابل ہی نہیں کہ آپ سے بات کی جائے اس کے دوسرے بھائی نے سخت کلامی کی اور لڑکے پیچھے لگا دیئے پھر مارے گئے اتنے پتھر برسائے گئے کہ وجود اقدس زخمی ہو کر خون بہہ بہہ کر نعلین مبارک میں جم گیا وہی عبد یعلیل اپنے قبیلے کو لے کر مسلمان ہو کر جب حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے معاف کر دیا اس کا اسلام قبول فرمالیا۔ وہی بندہ حضور ﷺ نے قبول فرمالیا۔ آپ ﷺ کی رحمت کی وسعت کا کیا اندازہ۔ ہم سمجھ نہیں سکتے ہمارے شعور سے بالاتر ہے کہ حضور ﷺ ایک ایک فرد کے لئے کتنے کریم ہیں۔

جب حضور ﷺ کبھی دعوت فرماتے صحابہؓ در اقدس پہ کھانے کیلئے حاضر ہوتے تو کچھ دیر ارشادات عالی سننے کے لئے بیٹھ جاتے۔ اب حضور ﷺ دل سے چاہتے کھانا ختم ہو گیا ہے یہ لوگ چلے جائیں میرا اپنا گھر کا وقت ہے، یہ مجھے فارغ کر دیں لیکن اخلاق کریمانہ یہ بات لب پہ نہیں آنے دیتا تھا۔ خوش دلی سے باتیں کرتے رہتے تو اللہ نے فرمایا اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف مت دو جب کھانا کھا چکو تو چلے جاؤ وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ الاحزاب: 53 ارشادات عالی سننے کے لالچ میں بیٹھے نہ رہا کرو تمہاری یہ حرکت حضور ﷺ کو دکھ دیتی ہے اس لئے اللہ کے رسول ﷺ کو دکھ مت دو۔ حالانکہ صحابہؓ کسی دنیا کے لالچ کے لئے نہیں بیٹھتے تھے۔ ارشادات پیغمبر ﷺ سننے کے لالچ میں بیٹھ جاتے تھے۔ جمال رسالت ماب ﷺ کو دیکھنے کے لئے بیٹھ جاتے تھے۔ انوارات پیغمبر کو اپنے قلوب میں جذب کرنے کے لئے بیٹھ جاتے تھے۔ سردیوں میں بندہ سورج کے سامنے کیوں بیٹھتا ہے۔ شعاعوں کو جذب کرتا ہے حضور ﷺ کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ یہ وقت تو میرا گھر میں گزارنے کا ہے صحابہؓ کو میں نے کھانے کے لئے بلایا ہے کھانا ختم ہوا اب انہیں چلا جانا چاہیے لیکن کرم اتنا تھا کہ ارشاد نہیں فرماتے تھے کہ اب فارغ ہو چلے جاؤ۔ اللہ نے بڑے عجیب انداز سے فرمایا تم ایذاء رسول ﷺ کا سبب بن رہے ہو۔ جو چیز نبی ﷺ کو ناخوشگوار لگتی ہے اس سے آپؐ کو دکھ ہوتا ہے۔ تم نے کھانا کھا لیا اب چلے جاؤ وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ الاحزاب: 53 اب باتوں کا لالچ

چھوڑ دو نبی ﷺ کی بات سننا کوئی عام بات تو نہیں ہے لیکن اللہ نے منع کر دیا۔ فرمایا دعوت دی دعوت ختم ہوگئی اب جاؤ۔ جب باہر تشریف لائیں گے بات ارشاد فرمائیں گے سنتے رہنا۔ اگر معاملہ اتنا نازک ہے تو ہم جو مسلمان ہونے کے مدعی اور امتی ہونے کا اور محبت کا دعویٰ رکھتے ہیں جب ہم گناہ کرتے ہیں تو کیا حضور ﷺ کو کوئی ایذا نہیں پہنچتی۔ جب ہم اللہ کے فرائض چھوڑ دیتے ہیں جب ہم نمازیں چھوڑ دیتے ہیں۔ جب ہم سود کھاتے ہیں۔ جب ہم چوری کرتے ہیں جب ہم بلاوجہ بے گناہوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ جب ہم احکام شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جب ہم حرام کھاتے لوگوں کا حق مار لیتے ہیں تو اللہ کی نافرمانی اپنی جگہ یہ جرائم ایذائے رسول کا سبب بھی بنتے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ کا رسول ﷺ اتنا کریم ہے کہ پھر وہ ساری اُمت کے لئے دعا فرماتا ہے۔ وصال کے وقت لب مبارک میں حرکت تھی۔ آواز مبارک سنائی نہیں دے رہی تھی تو حضرت علیؓ نے کان لگایا کہ حضور ﷺ کیا فرما رہے ہیں تو حضور ﷺ دعا کر رہے تھے رب امتی رب امتی کہ اللہ میری امت ہے یہ اس پر رحم فرما ادھر کرم کا یہ عالم ہے اور ادھر ہمارا یہ کردار تو حضور ﷺ کو نافرمانوں کا بھی دکھ ہوتا تھا کہ میری بعثت کے بعد بھی اگر یہ خالی رہا جہنم میں گیا تو پھر اس کے پاس بچنے کا کون سا راستہ ہے تو حضور ﷺ کی آرزو ہوتی تھی کہ ہر بندہ ہی بچ جائے ایمان لے آئے توبہ کرے اور جہنم سے بچ جائے۔ اللہ کریم نے فرمایا اے میرے حبیب ﷺ آپ پریشان نہ ہوا کریں یہ جو لوگ آپ کی بات نہیں مان رہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مجھ سے تعلق توڑ لیا ہے جب انہوں نے توڑا تو میں نے توڑ دیا میں نے کہا اچھا جاؤ اب یہ واپس نہیں آسکتے کوئی واپس نہیں آیا مَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ جن کا ناطہ اللہ نے توڑ دیا ہے جن سے رشتہ اللہ نے توڑ دیا ہے جن کو اللہ نے اپنے در سے ہٹا دیا ہے اور گمراہی کی طرف دھکیل دیا ہے فَلَا هَادِيَ لَهٗ اب کوئی اللہ کے بعد ایسی ہستی نہیں جو واپس لا سکے صحیح راہ پہ لا سکے۔

بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو
جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے

اللہ ایسا بے نیاز ہے کہ فرمایا وَيَذَرُهُمۡ فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾ اللہ پھر ان کو گمراہی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ پھر یہ ہمیشہ برائی پہ برائی، گناہ پہ گناہ، نافرمانی پہ نافرمانی کرتے چلے جاتے ہیں تا نکہ موت آجاتی ہے اور پھر انہیں پتہ چلتا ہے وہ کیا کرتے رہے اور یہ اللہ کی بہت بڑی سزا ہے۔

ہمارے ہاں تو کچھ حالات الٹ سے گئے ہیں۔ بندہ کتنا بدکار ہو، شرابی، جواری، سود خور، چور ڈاکو

ہولیکن اس کے پاس دولت آجائے یا اقتدار آجائے تو ہر کوئی کہتا ہے کہ اس پر اللہ بڑا راضی ہے۔اس پر اللہ بہت مہربان ہے۔ میں خود لوگوں سے یہ باتیں سنتا ہوں لیکن حق یہ ہے کہ اللہ اس پر راضی ہے جسے محمد ﷺ کا اتباع نصیب ہے وہ غریب ہے تو بھی اس پر اللہ راضی ہے اگر بادشاہ ہے تو یہ بھی اللہ کی عطا ہے کہ اسے بادشاہت بھی دے دی لیکن وہ نبی ﷺ کا غلام ہے اطاعت گزار ہے اتباع کرتا ہے حضور ﷺ کا اللہ نے اسے دولت دے دی یہ اس کی مزید رحمت ہے۔ اللہ نے اسے اقتدار دے دیا یہ مزید رحمت ہے۔اس کی دولت دوسروں کے لئے بھی باعث برکت بنتی ہے اس کا اقتدار دوسروں کے لئے بھی آرام کا سبب بنتا ہے اس لئے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور نبی ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے مخلوق کے حقوق کا خیال رکھتا ہے اور غریب فقیر ہے تو بھی اس پر اللہ راضی ہے۔ ایک حکایت ہے کہ کسی بادشاہ کی آنکھ جلدی کھل گئی تو صبح کی سفیدی پھیل رہی تھی وہ جھروکے میں جا کھڑا ہوا کھڑکی سے باہر دور تک منظر نظر آرہا تھا وہ دیکھنے لگا اسے ایک شخص نظر آیا جو بڑی اونچی نیچی پتھریلی جگہ پر نہایت سکون سے سو رہا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس بندے کو صبح دربار میں حاضر کیا جائے۔اسے صبح بلایا گیا غریب آدمی تھا۔ بادشاہ نے پوچھا بتاؤ تمہاری رات کیسی گزری۔اس نے کہا بادشاہ سلامت کچھ تو آپ جیسی گزری کچھ آپ سے بہتر گزری۔ وہ بڑا حیران ہوا۔اس نے کہا تم وہی ہو جو اس روڑی اس بجری کے ڈھیر پر سو رہے تھے۔اس نے کہا آپ نے درست فرمایا میں وہی ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا تو تمہاری رات مجھ سے بہتر کیسے ہوئی؟ اس نے کہا بادشاہ سلامت بات یہ ہے کہ جو وقت میں سو گیا اور آپ بھی سو گئے میں اس میں ہم برابر ہیں۔آپ بھی غافل ہو گئے میں بھی غافل ہو گیا جیسا میں ویسے آپ۔ میں بجری پر سو گیا مجھے کوئی پتہ نہیں نیچے بجری ہے آپ شاہی پلنگ پر سو گئے آپ کو بھی کوئی پتہ نہیں نیچے پلنگ ہے آپ بھی غفلت میں چلے گئے میں بھی غفلت میں چلا گیا۔جتنی دیر میری آنکھ کھل جاتی تھی میں جاگتا رہا میں اللہ کا ذکر کرتا رہا اور آپ کی جب آنکھ کھلتی آپ اپنے دنیاوی کام سوچتے رہے میرا وہ وقت آپ سے بہتر گزرا۔ جو وقت جاگتے گزرا وہ میرا اللہ کی یاد میں گزرا آپ سے بہتر گزرا جو سوتے گزرا آپ جیسا گزر گیا۔

تو اللہ کی رحمت اس پر ہے جسے اللہ کی یاد نصیب ہے جسے نبی ﷺ کا اتباع نصیب ہے وہی خوش نصیب ہے وہ خوش قسمت ہے۔ ورنہ اللہ بڑا بے نیاز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں بندہ جب اس کی پرواہ نہیں کرتا تو اس کی شان کو زیبا ہے کہ وہ اس بندے کی پراہ نہ کرے اور جب وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا تو اپنی عمر طبعی تو پوری کرتے ہیں لیکن دھکے کھاتے ذلیل ہوتے ہیں۔ حکومتیں تو مل جاتی ہیں لیکن انہیں کوئی اچھا نہیں کہتا۔ لوگ بددعائیں دیتے رہتے ہیں، گالیاں دیتے رہتے ہیں۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں حیران ہوتا ہوں کہ یہ

لوگ گورنر اور وزیر اور صدر کیوں بنتے ہیں۔ اور بڑے شوق سے بنتے ہیں حالانکہ جس سے سنو وہ انہیں بددعائیں اور گالیاں دے رہا ہے ایسے منصب کا کیا فائدہ اگر پورے ملک کی مخلوق کی بددعائیں، گالیاں اور آہ وزاری ہی سننی ہے تو لعنت بھیجو ایسے منصب کو۔

سو فرمایا یہ بھی اللہ کی سزا ہے کہ ان کی رسی ڈھیلی کر دیتے ہیں۔ وہ مزید حرام جمع کرتے ہیں اور لوگوں کو مزید لوٹتے ہیں، عزتیں لوٹتے ہیں لوگوں کی جانیں لوٹتے ہیں لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور انہیں کچھ نہیں ہوتا لیکن جب وقت آجاتا ہے تو پھر سب کچھ ہو جاتا ہے۔ یہ مت بھولیں کہ کچھ نہیں ہوتا۔ یہ سزا ہے گناہ پہ انہیں مہلت دے دی گئی۔ علماء لکھتے ہیں کہ گناہ زہر ہے اگر گناہ ہو جائے اور بندہ اس کی سزا پالے اور کوئی تکلیف آجائے تو اس کا مطلب ہے زہر نکل گیا جیسے کوئی زہر کھالے اسے قے آجائے پیچش آجائے تو زہر نکل جاتا ہے جان بچ جاتی ہے لیکن زہر ہضم ہو جائے تو پھر جان نہیں بچتی بندہ مرجاتا ہے۔ فرمایا گناہ بھی زہر ہے گناہ کرنے کے بعد اسے کوئی نہ پوچھے تو اس کا مطلب ہے اسے زہر ہضم ہو گیا اب وہ مرجائے گا بچے گا نہیں۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ جس بندے کے پاس دلیل نہ ہو وہ کج بحثی کرتا ہے یعنی صحیح بحث نہیں کرتا ادھر ادھر کی ہانکنے لگ جاتا ہے۔ کفار جب ایمان نہ لائے تو کہنے لگے اچھا اگر آپ کہتے ہیں کہ قیامت ہو گی تو بتائیے کب ہو گی؟ منصب نبوت لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانا ہے۔ اب اس کام کے لئے جتنے ضروری علوم اور جتنی ضرورت نبیؑ کو ہوتی ہے ہر نبیؑ کو اللہ وہ سارے علوم عطا فرما دیتا ہے حتی کہ حضور اکرم ﷺ تمام نبیوں کے بھی امام اور نبیوں کے بھی نبی ﷺ ہیں۔ سارے نبیؑ بھی آپ کے امتی ہیں۔ تمام امتوں کو جو برکات ملیں وہ حضور کی تھیں ان کو اپنے نبیوں کے واسطے سے ملیں ہم وہ خوش نصیب ہیں جنہیں براہ راست حضور ﷺ سے مل رہی ہیں تو جتنے علوم تمام انبیاء کو اللہ نے عطا فرمائے شائد حضور ﷺ کو جو عطا فرمائے وہ ان سب سے بھی زیادہ ہوں اور یقیناً مخلوق میں جتنے علوم اللہ نے تقسیم فرمائے فرشتوں، انسانوں اور انبیاء رسل میں سب سے زیادہ علوم محمد رسول ﷺ کو عطا فرمائے لیکن وہ جو آپؐ کی ضرورت کے تھے جو آپ ﷺ کے منصب عالی کا تقاضا ہے۔ لیکن قیامت قائم کرنا نبی ﷺ کا منصب جلیلہ نہیں ہے۔ کسی کی جان قبض کرنا نبیؑ کا منصب جلیلہ نہیں ہے۔ کسی کو پیدا کرنا، کسی کو مارنا یہ سارے اللہ کے کام ہیں۔ کفار نے کج بحثی یہ کی کہ اچھا اگر آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور کہتے ہیں قیامت ہو گی تو بتائیے کب قیامت ہو گی؟ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ کب واقع ہو گی ﷺ قُلْ فرما دیجئے میرے حبیب ﷺ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ قیامت قائم کرنے کا علم میرے

پروردگار کے پاس ہے جس نے قیامت کو قائم کرنا ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ کب وہ لمحہ آنا ہے یا کب وہ آئے گا اس کا کام ہے لَا یُجَلِّیۡهَا لِوَقۡتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔اب نبیؐ نے تو قیامت قائم نہیں کرنی۔ نبیؐ کو قیامت کے علم سے کیا مطلب۔ قیامت اللہ نے قائم کرنی ہے فرمایا میرے پروردگار کے پاس اس کا علم ہے۔ جب اس کا وقت آئے گا وہ اسے قائم کردے گا۔ اس میں نہ تمہارا دخل نہ میرا دخل ہمارا دخل تو اللہ کے ساتھ رشتہ بنانے میں ہے اور بالفرض اگر اللہ کریم ظاہر کردیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اذا مات احد کم فقد قامت قیامۃ اوکما قال رسول ﷺ (کنز الاعمال) موت بھی ایک چھوٹی قیامت ہے جو مر گیا اس کی قیامت تو آ گئی۔ یعنی دارِعمل ختم ہو گیا اور برزخ میں بھی اسے ایک برزخ کی جگہ یا سزا سے سابقہ تو پڑ گیا تو اگر ہر شخص کو اس کی موت کا علم ہو جائے فرمایا زمینوں آسمانوں کا سارا نظام معطل ہو جائے۔ اگر کسی کو یہ پتہ ہو کہ مجھے کل، پرسوں، دس دن بعد، ایک مہینے بعد مر جانا ہے تو وہ کوئی کام کر سکے گا پھر؟ میرے خیال میں تو وہ منہ دھو کے لباس بدلنے کا تکلف بھی نہیں کرے گا۔ فرمایا اللہ کریم اگر یہ ظاہر فرما دیتے ہر ایک پر موت کا وقت ظاہر کر دیتے قیام قیامت کا وقت ظاہر کر دیتے ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ تو یہ آسمانوں اور زمینوں پہ ایک بھاری بات ہوتی۔ یہ نظام کائنات تو معطل ہو کے رہ جاتا۔ فرشتے تک کام کرنے سے لرز جاتے۔ کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی اس لئے یہ نظام چل رہا ہے۔ آدمی رات کو اچھا بھلا کھا، پی کے سوتا ہے صبح کو جگاؤ تو جاگتا نہیں مر چکا ہوتا ہے۔ چلتا چلتا گرتا ہے مر جاتا ہے۔ بیمار ہوتا ہے مر جاتا ہے لیکن یہ بات دیکھیں کہ آخری دم تک ہر بندے کو یہ آس ہوتی ہے کہ میں بچ جاؤں۔ اس پر دنیا کا نظام چل رہا ہے حالانکہ ہر ایک کو یقین ہے کہ مرنا ہے۔ ہم سب روز دیکھ رہے ہیں ہمارے ساتھ کے لوگ آج نہیں ملتے۔ ہم سے پہلے کے لوگ کہاں گئے۔ جو ہمارے بزرگ تھے وہ کہاں گئے؟ اپنے اردگرد دیکھو پچھلی عید پر کتنے لوگ جو ہمارے ساتھ تھے وہ اب نہیں ہیں۔ یہ سب اپنے ہاتھوں روزانہ کسی نہ کسی کو دفن کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایک آس بندھی ہوئی ہے میں زندہ ہوں۔ میرے بچے ہیں۔ میری زندگی ہے۔ اگر یہ راز کھول دیا جاتا تو فرمایا زمینوں اور آسمانوں میں کاروبار حیات ٹھپ ہو جاتا اور یہ بات آسمانوں اور زمینوں پر بھاری ہوتی۔ لَا تَاۡتِیۡكُمۡ اِلَّا بَغۡتَةً ؕ قیامت تم پر اچانک ہی ٹوٹے گی۔ کوئی نہیں جانتا کب آئے گی۔ جب آئے گی تو پتہ چلے گا قیامت آ گئی ورنہ مخلوق کا اتنا حوصلہ ہی نہیں ہے کہ اس بارگاہ کی پیشی کو اتنی جرأت سے برداشت کر سکے وہ تو جب آئے گی سب کو پتہ چلے گا اور یہ آپ پر اس طرح سوال کرتے ہیں كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنۡهَا ؕ گویا آپ یہی تحقیقات کرتے رہتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی حالانکہ یہ آپ ﷺ کا منصب جلیلہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا

منصب جلیلہ ہے اللہ کی طرف دعوت دینا جو قبول کرے یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ دعوت الی اللہ اور جو قبول کرے اس کا تزکیہ کرنا وَیُزَكِّیْهِمْ کتنے گناہوں میں لتھڑا ہوا کتنے کفر و شرک میں مبتلا آپ کی دعوت قبول کرے آپ کا منصب جلیلہ ہے کہ اس کے قلب کو نور سے بھر دیں اور ساری سیاہی دور کر دیں یہ آپ ﷺ کا منصب جلیلہ ہے پھر آپ کا منصب جلیلہ ہے کہ جب اس کا تزکیہ ہو جائے تو یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ آل عمران: 164 اسے کتاب اور کتاب کی تفسیر حکمت، دانائی، حدیث شریف کی تعلیم دے اس کتاب کی جو تفسیر آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ آپ کا عمل بھی حدیث ہے، آپ کا قول بھی حدیث ہے، جو چیز آپ نے پسند فرمالی وہ بھی حدیث ہے، جس بات کو سن کر حضور ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی وہ بھی حدیث رسول ﷺ ہے اور یہ ساری قرآن کریم کی تفسیر ہے لہذا آپ ﷺ سے وہ بات کریں جو آپ ﷺ کا منصب عالی ہے۔

اگر یہاں ایک پولیس کا افسر آجاتا ہے تو کیا ہم اس سے منڈی کا بھاؤ پوچھیں گے؟ اسے کیا سروکار کہ مارکیٹ کا بھاؤ کیا ہے اس سے تو اس کے محکمے کی بات کریں گے۔ ایک تاجر آجاتا ہے تو کیا اس کے سامنے کسی کا پرچہ کٹانے کی شکایت کریں گے۔ ہم جانتے ہیں اس کا کام تجارت ہے۔ ہم بھاؤ پوچھیں گے چیزوں کے لیکن اسے یہ تو نہیں کہیں گے فلاں نے چوری کی ہے اسے گرفتار کرلو۔ تو نبیؐ کا منصب جلیلہ لوگوں کو ہدایت پہ جمع کرنا اور ہدایت پر رہنمائی اور رہبری کرنا ہے۔ قیامت قائم کرنا یہ نبیؐ کا شعبہ نہیں یہ اللہ کا کام ہے جب چاہے گا کر دے گا اس نے وقت طے کیا ہے تو وہ بہتر جانتا ہے کون سا وقت اس نے طے کیا ہے۔ فرمایا مخلوق کے لئے تو اچانک ہی ہوگی چونکہ مخلوق میں سے کوئی انسان جن فرشتہ کوئی نہیں جانتا کب ہوگی آسمان زمین کچھ نہیں جانتے کوئی نہیں جانتا کب ہوگی جب ہوگی تو پتہ چلے گا آ گئی۔ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴿۱۸۷﴾ فرما دیجئے قیامت کا علم خاص اللہ کے لئے ہے اس نے اس میں کسی کو شریک نہیں کیا۔ کوئی اس کے علم میں اس کا حصے دار نہیں ہے لیکن لوگوں کی اکثریت ان چیزوں سے بے خبر رہتی ہے۔ ان باتوں کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ کج بحثی کرتے ہیں۔ نبی سے کج بحثی بہت بڑی بدنصیبی ہے، یہ عجیب بارگاہ ہے اس کے اپنے آداب ہیں دنیا میں ایک جذبہ ہے جسے کبھی عشق سے تعبیر کیا جاتا ہے کبھی محبت کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ جذبہ جس کو عشق و محبت کہتے ہیں اس کے بارے کہا جاتا ہے کہ یہ کسی ضابطے کا پابند نہیں ہوتا۔ یہ امیری غریبی نہیں دیکھتا۔ یہ چھوٹے بڑے کا فرق نہیں دیکھتا، یہ اچھے برے کو نہیں دیکھتا جہاں محبت ہوگئی ہوگئی، جہاں عشق ہو گیا ہو گیا اس کے اپنے قاعدے اور اصول ہیں اور یہ بات پوری دنیا میں مسلمہ ہے لیکن نبی کریم ﷺ کی بارگاہ وہ

بارگاہ ہے جہاں عشق ومحبت بھی آداب بارگاہ کا پابند ہے۔

''ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر''

آپ ﷺ کا دربار عالی زیر آسمان مدینہ منورہ میں لگا ہوا ہے لیکن معاملہ عرش عظیم سے بھی نازک تر ہے۔

''نفس گم کردہ می آئند ابو بکر و عمر ایں جا''

شاعر نے تو کہا تھا

''نفس گم کردہ می آئند جنید و بایزید ایں جا''

لیکن میں اس میں تھوڑی سی تبدیلی کر دیتا ہوں کہ بایزیدؒ اور حضرت جنیدؒ بہت بڑی ہستیاں تھیں لیکن عمرؓ و، ابوبکرؓ کی تو خاک پا بھی کوئی نہیں۔ یہاں تو وہ دم نہیں مارتے تھے

''نفس گم کردہ می آئند ابوبکر و عمر ایں جا''

یہاں اونچا سانس لینے کی جرأت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو نہیں ہوتی۔ اب یہ جو صحابہؓ بیٹھ رہتے تھے ارشاد عالی سننے کے لئے یہ محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر بیٹھتے تھے۔ اللہ نے فرمایا نہیں اپنی محبت اپنے پاس رکھو میرے نبیؐ کو پریشان نہ کرو، اٹھ جاؤ۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ الحجرات:2 کبھی اپنی آواز نبی کریم ﷺ کی آواز مبارک پر بلند نہ ہونے دینا۔ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اس کے مخاطب کون تھے؟ مہاجرین و انصار جنہوں نے تیرہ برس مکہ مکرمہ میں رفاقت کا حق ادا کر دیا اور دنیا کی ہر تکلیف اٹھائی۔ گھر بار، جائیدادیں، مال، اولاد اور رشتے چھوڑ کر ہجرت کر لی۔ انصار جنہوں نے سینے کھول دیئے۔ فرمایا تمہاری ساری محنتیں بدر و احد کی شہادتیں، تمہارے جہاد تمہارا غازی ہونا سب قبول لیکن اگر بھولے سے بھی تمہاری آواز میرے نبی ﷺ کی آواز سے بلند ہوگئی تو میں سب کچھ دے ماروں گا نہیں ضرورت تمہاری عبادتوں کی یعنی عشق و محبت جیسا بے باک جذبہ بھی آداب رسالت پناہی اور دربار رسالت پناہی کا پابند ہے۔ کوئی محبت میں بھی گستاخی کرے گا تو مارا جائے گا۔ لیکن یہ بارگاہ اتنی نازک تر ہے کہ یہاں عشق و محبت کو بھی آداب دربار کے اندر رہنا ہوگا۔ جو باہر جائے گا اسے دھتکار دیا جائے گا اسے نکال دیا جائے گا۔ میرے بھائی جب معاملہ اتنا نازک ہے تو پھر سوائے اطاعت کے تو کوئی چارہ نہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ اطاعت میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ دونوں جہان ملتے ہیں دنیا میں بھی عزت اور دولت و شہرت ملتی ہے اور آخرت کی بھی عزت دولت و شہرت ملتی ہے۔ دونوں

جہان ملتے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی جوتوں کی خاک سے لیکن خلوص سے دل سے کوئی اطاعت کر کے دیکھے۔ یعنی اطاعت کر کے کچھ گنوانا نہیں پڑتا بلکہ زیادہ ملتا ہے بے حساب ملتا ہے بے پناہ ملتا ہے۔ اطاعت شعاروں کو بھی جب موت آتی ہے تو اللہ کریم اس وقت نقشہ کشی کرتا ہے کہ فرشتے جن کے پاس جنت کی خوشبوئیں اور لباس ہوتے ہیں آ کر کہتے ہیں یار ہم نے تو ساری زندگی بھی تیری مدد کی آج بھی تیرے ساتھ رہے۔ آج تیرے جانے کا وقت ہے تیاری کر چل چلیں۔ تیرے لئے اللہ کی رحمت کے دروازے کھلے ہیں۔ تیرے لئے آج بشارت لائے ہیں۔ آج تو بارگاہ الٰہی میں حاضری کا دن ہے۔ اسے جنت کے لباس پہنا کر خوش خوش لے جاتے ہیں اور نافرمانوں کی موت آتی ہے یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ محمد: 27 ان کے مونہوں پر ان کی پیٹھوں پر مارتے ہیں۔ پور پور سے جان کو نکالتے ہیں۔ روح بھاگ بھاگ کر چھپ رہی ہوتی ہے وہ مار مار کے نکال رہے ہوتے ہیں اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ الانعام: 93 نکالو اپنی روح کو آج وقت آ گیا حساب دینے کا بہت موجیں کرلیں تم نے بہت نافرمانیاں کرلیں۔

اطاعت میں تو مزے ہی مزے ہیں۔ جو موت کو بھی زندگی میں بدل دیتی ہے کہ انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں اتنی بڑی نعمت کہاں مل سکتی ہے لیکن نصیب کی بات ہے اللہ کریم جسے نصیب فرمائے۔ اللہ ہم سب کے گناہ معاف فرمائے اور نبی کریم ﷺ کی اطاعت نصیب فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ کا منصب جلیلہ:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٨﴾ سورہ اعراف کی یہ بڑی معرکۃ الآرا آیہ کریمہ ہے اور اس پر بہت لکھا گیا اور بہت بیان ہوا جو بہت بڑی حقیقت کا انکشاف کرتی ہے۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اللہ کے مقرب بندے اور اس کی طرف سے مخلوق کی ہدایت پر مامور کئے جاتے ہیں۔ ہر نبیؑ کو اس کی ہر ضرورت کا پورا پورا علم اور قوت عطا فرمائی جاتی ہے۔ منصب نبوت کی جو ضرورت ہے وہ کامل و مکمل عطا کی جاتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ ساری انسانیت کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ کی بعثت، عالی نے نبوت مکمل کرادی۔ آپ ﷺ کے آنے کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کا تصور باقی نہ رہا۔ یوں تو سارے نبی بھی آپ ﷺ کے اُمتی ہیں اور تمام اُمتوں کو جو فیوضات و برکات حاصل ہوئیں اپنے انبیاء کے حوالے سے عطا ہوئیں اور ان کے انبیاؑ کو حضور ﷺ کے

حوالے سے نصیب ہوئیں نبوت کے سارے کمالات بھی حضور ﷺ کے ہیں لیکن بعثت عالی سے لے کر قیامت تک کی انسانیت کا پورا نظامِ حیات، معیشت، عادات و معاملات، سیاست و عدالت فرد سے لے کر قوم اور قوم سے لے کر بین الاقوامی سطح تک پوری زندگی کے ہر سوال کا پوری طرح جواب عطا فرمانا یہ حضور اکرم ﷺ کا منصب جلیلہ ہے۔ زمانہ صدیوں کے حساب سے گزرا اب پندرہویں صدی جا رہی ہے۔ پندرہ صدیوں میں کیا کیا تبدیلیاں آئیں اور خاص کر اس چودھویں صدی کے آخر میں اور پندرہویں صدی کی ابتدا میں یعنی گزشتہ نصف صدی میں مادی دنیا میں اتنی تبدیلیاں آئیں ہیں جن کا پہلے کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ موبائل فون اور ٹیلی ویژن کی ایجاد، ذرائع آمدورفت میں تبدیلی اور تیز رفتار ہوائی جہاز وغیرہ سے لوگوں کے سونے جاگنے کے اوقات تک بدل گئے ہیں۔ لوگوں کے لباس بدل گئے ہیں غذا بدل گئی ہے۔ اسی ملک میں اسی شہر میں رہتے ہوئے بھی جو کچھ باپ دادا کھاتے تھے آج کے لوگ وہ نہیں کھاتے اور جو کچھ آج کھایا جاتا ہے شائد ہمارے باپ دادا کے پاس اس کا کوئی تصور بھی نہ تھا۔ یہ ساری چیزیں بدلتی جا رہی ہیں مزید کتنی بدلیں گی، آنے والے وقتوں میں اور کتنی تبدیلیاں آئیں گی؟ ان سب تبدیلیوں کو بھی مدنظر رکھیئے ان سے پیدا ہونے والے سوالات کو بھی مدنظر رکھئے اور منصب جلیلہ آقائے نامدار ﷺ کو دیکھئے تو یہ صرف آپ ﷺ کی ذات عالی ہے جو قیامت تک آنے والی تمام انسانیت کے نبی و رسول ہیں لہٰذا قیامت تک اٹھنے والے ہر سوال کا شافی جواب آپ ﷺ کی شریعت مطہرہ میں موجود ہے اور یہ اس کلام الٰہی کا کمال ہے کہ جس کسی نے خلوص سے جواب تلاش کرنے کے لئے قرآن حکیم کو کھولا اسے مایوسی نہیں ہوئی۔ قرآن وحدیث کو ہر کوئی اپنے اپنے انداز سے پڑھتا ہے، کچھ بدنصیب ایسے ہیں جو پڑھتے ہی ایک رات تلاش کرنے کے لئے ہیں یہ پڑھنا نہیں ہے اور جو خلوص سے جواب تلاش کرنے کے لئے کھولتا ہے اسے فوراً اس کا جواب مل جاتا ہے۔ یاد رہے سب علوم کا منبع و مصدر محمد رسول اللہ ﷺ ہیں میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ زیادتی کرتے ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی ذات کے حوالے سے علوم پر بحث شروع کر دیتے ہیں کہ حضور کو یہ علم تھا اور یہ نہیں تھا۔ یہ درست نہیں ہے بلکہ علمائے حق فرماتے ہیں حضور ﷺ کی ذات والہ صفات بحث کے موضوعات سے بالاتر ہے کبھی حضور ﷺ کی ذات والہ صفات کو موضوع بحث نہ بنایا جائے کہ غیر شعوری طور پر بھی ذرا سی غلطی ہو گئی تو سارے اعمال سلب ہو جائیں گے نیکیوں کا اعمال کا اور ایمان کا ایسا رشتہ ہے کہ جب نیکیاں سلب ہوتی ہیں تو ساتھ ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے۔ یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔ ہر نیکی کی بنیاد ایمان اور عقیدہ ہے۔ ہر نیکی کا سبب ایمان ہے۔

اگر اعمال اور کیفیات سلب ہوں تو ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے لہٰذا حضور علیہ السلام کی ذات عالی کو موضوع بحث نہ بنایا جائے۔

اس آیہ کریمہ میں ارشاد باری ہے اے میرے حبیب علیہ السلام آپ فرما دیجئے کہہ دیجئے لَّآ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِيۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا میں اپنے لئے نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا یعنی میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ کا شریک نہیں ہوں۔ میں اللہ کا شراکت دار نہیں ہوں اور نہ میں معبود ہوں کہ مجھے کوئی پوجنا شروع کر دے میں اللہ کا رسولؐ ہوں لہٰذا مجھ سے وہ بات کی جائے جو رسالت سے متعلق ہو۔ کسی کو نفع ہو یا کسی کا نقصان ہو یہ اس کا اپنا نظام ہے جو کائنات کا خالق ہے۔ اس کے نظام اور اس کے ذاتی فیصلوں میں کسی کی مداخلت نہیں ہے۔ انبیاء علیھم الصلوٰۃ والتسلیم اس کے فیصلے بدلنے کے لئے مبعوث نہیں ہوتے بلکہ اس کے احکام لوگوں تک پہنچانے کے لئے اور ان کا تزکیہ کرنے کے لئے مبعوث ہوتے ہیں۔

قرآن فہمی کا سلیقہ:

نبیؐ مکلف ہوتا ہے کہ جو ایمان لا کر متوجہ الی اللہ اور متوجہ الی الرسول ہو اس کے دل کو پاک کر دے اس کے دل میں ایسی کیفیت بھر دے کہ اس میں احکام الٰہی کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اسے قرآن نے تزکیہ کہا ہے۔ ہر آواز کی ایک فریکوینسی ہے۔ اس فریکوینسی تک جس کی سماعت سے وہ اسے سنے گا۔ اگر کسی کی سماعت میں تھوڑا سا خلل آ جائے اور اس کی فریکوینسی اور زیادہ ہو جائے زیادہ اونچا سننا چاہیے تو اسے یہ آواز سنائی نہیں دے گی۔ اسی طرح جانوروں کی سماعت ہم انسانوں سے بہت زیادہ تیز ہوتی ہے ہلکا سا کھٹکا جو ہمیں سنائی نہیں دیتا وہ اسے سن لیتے ہیں یہ ایک فریکوئنسی ہے جو جانوروں کے پاس ہے انسانوں کے پاس نہیں ہے۔ اگر انسانی سماعت کے لئے ایک خاص فریکیوئنسی کی ضرورت ہے۔ انسانی کلام کے لئے ضروری ہے کہ سننے والے میں سننے کی استعداد ہو تو کلام الٰہی کے لئے یہ استعداد بدرجہ اولی چاہیے۔ یہ ا، ب، ج جس سے قرآن عبارت ہے یہ قرآن نہیں ہے۔ انہی ا، ب، ج سے عربی میں اور عبارات لکھی جاتی ہیں کیا وہ قرآن بن جاتی ہیں قرآن وہ مفہوم ہے جس کا اظہار ان حروف سے ہو رہا ہے۔ ان سے ان الفاظ کی نشاندہی ہوتی ہے جو منزل من اللہ ہیں۔ ان الفاظ میں جو مفہوم ہے، جو بات سنائی جا رہی ہے وہ سننے کے لئے ایک استعداد ایک فریکیونسی چاہیے۔ وہ فریکیونسی تب نصیب ہوتی ہے جب بندہ ایمان لا کر اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قلبی طور پر پیوست ہوتا ہے تو جو کیفیات قلب اطہر پیغمبر علیہ السلام سے بندۂ مومن کے قلب کو جاتی ہیں وہ قرآن کو سمجھنے

کی توفیق عطا کرتی ہیں۔ یہ ہے منصب جلیلہ نبوت اور بندہ مومن کے لئے یہ ہے قرآن فہمی کا سلیقہ۔

جس طرح کوئی بیمار ہو تو آپ اس کے لئے دعا کر سکتے ہیں لیکن شفا دے نہیں سکتے اسی طرح کسی کو اللہ منافع دینا چاہتا ہے کوئی دوسرا روکنا چاہے تو وہ نہیں روک سکتا۔ اس لئے کہ اللہ دینا چاہتا ہے۔ یہاں میرے مخاطب وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی غلطی اور کوتاہی کا احساس نہیں کرتے بیمار ہوں تو کہتے ہیں کسی نے تعویز کر دیا، کاروبار میں نقصان ہو جائے تو کہتے ہیں کسی نے جادو کر دیا۔ کمال ہے جب آپ کو نفع ہوتا ہے تو پھر کون جادو کرتا ہے۔ جب آپ صحت مند رہتے ہیں تو صحت کا تعویذ کون دیتا ہے؟ وہی مالک وحدہٗ لاشریک ہے جو صحت بھی دیتا ہے بیماری بھی دیتا ہے۔ لہٰذا بیماری میں بھی اس سے رجوع کرو صحت میں بھی اسی کا شکر ادا کرو۔ نفع ہوتا ہے تو اس کا شکر ادا کرو نقصان ہوتا ہے تو اس سے بات کرو اس سے گزارشات پیش کرو یا اللہ میں کمزور ہوں میری اس مصیبت کو بدل دے مجھے راحت عطا کر۔ اس لئے فرمایا میرے حبیب ﷺ آپ اعلان کر دیجئے کسی نے مجھ پر ایمان لانا ہے تو بحیثیت اللہ کے رسول ﷺ کے لائے اس لالچ سے مت آؤ کہ میرے پاس آؤ گے تو تمہیں دنیاوی فائدہ ہوگا مجھ سے بچھڑو گے تو دنیاوی نقصان ہوگا۔ فرمایا فرما دیجئے میرے حبیب ﷺ لَّآ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِىۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا میں اپنے لئے بھی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ جو اللہ چاہے۔ سو میرا منصب جلیلہ یہ نہیں ہے۔ کافروں نے کہا تھا کہ ہمارے لئے کوئی چشمہ جاری کر دیں۔ صحرائے عرب میں پانی نہیں ملتا یہاں کوئی چیز نہیں اگتی آپ ہمارے لئے یہاں باغ لگوا دیں۔ دعا کریں کہ ہر طرف باغ ہی باغ ہو جائیں پھل ہی پھل ہو جائے اور اس میں چشمے جاری ہو جائیں تو ہم مان لیں گے۔ فرمایا میرا یہ منصب نہیں ہے۔ یہ تو اس کا کام ہے جس نے مخلوق پیدا کی ان کا رزق ان کو دینا اس کا کام ہے۔ وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ان کا رزق تقسیم کر دیا کہ کس کو کیا ملے گا کہاں سے ملے گا اور کب ملے گا۔ اس کے نظام میں کسی کی مداخلت نہیں تو فرما دیجئے اے میرے حبیب ﷺ یہ میرا منصب جلیلہ نہیں ہے۔ میں اپنے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اور تاریخ میں ثبت ہے کہ حضور ﷺ کے موتیوں کو شرما دینے والے دندان مبارک بھی شہید ہوئے۔ آپ ﷺ کا رخ انور جس سے چاند بھی شرماتا تھا زخمی ہوا۔ فرمایا ہر طرح کا نفع و نقصان اس ذات بے ہمتا کے اختیار میں ہے۔ وہ چاہے تو میرے قریب ترین محبوب خادموں کو شہید کرا سکتا ہے میرے عزیز ترین چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کرا سکتا ہے

اور وہ چاہے تو بن لڑے مکہ فتح کرا سکتا ہے۔ وہ قادر ہے۔ وہ چاہے تو مکے والے مدینہ منورہ آ کر ستر صحابہؓ کو شہید کر دیں اور وہ چاہے تو صحابہؓ جب مکہ پہنچے تو انہیں تلوار اٹھانے کی جرأت نہ ہو اور بغیر لڑے شہر حوالے کر دیں۔ یہ اس کی قدرت کاملہ ہے فرما دیجئے قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ میں اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں سوائے اس کے کہ جو اللہ چاہے۔ وہ چاہے تو مجھے نقصان نہ ہونے دے اس نے اس ہستی ﷺ کو ایک گمنام گوشۂ زمین میں صحراء میں بدوؤں کے ملک میں پیدا فرما کر پوری انسانیت کی طرف مبعوث فرما دیا۔ تب ذرائع آمدورفت نہیں تھے۔ وسائل نقل و حمل نہ تھے ٹیلی فون تار ڈاک کا نظام نہیں تھا لیکن آپ ﷺ کا پیغام چند برسوں میں روئے زمین پر پھیلا دیا۔ تیئس برس میں قرآن کریم مکمل ہوا تو تیئس برس میں پورے جزیرہ نمائے عرب میں اسلامی ریاست قائم ہو چکی تھی اور پوری دنیا کے حکمرانوں میں سے اکثر کو حضور ﷺ کے نامہ ہائے گرامی دعوت اسلام کے لئے پہنچ چکے تھے اور حضور ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد خلافت راشدہ کے ابتدائی تیس برسوں میں ایک ایسی اسلامی ریاست بن چکی تھی جس کی سرحدیں افریقہ سے سائبیریا تک اور چین سے ہسپانیہ تک تھیں۔ تاریخ عالم میں اتنی بڑی سلطنت پھر کسی نے نہیں دیکھی تو کیا اس سلطنت کا پیغام کہیں پہنچنے سے رہ گیا ہوگا؟ یعنی حضور ﷺ کا پیغام اللہ نے اس طرح پہنچایا اور آج تک قرآن کریم وہی الفاظ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان حق ترجمان سے ارشاد فرمائے، وہی وحی الٰہی جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی، وہی الفاظ جو حضور ﷺ کے نطق مبارک سے ادا ہوئے، وہی ہو بہو قرآن کریم پوری دنیا پر پڑھا جا رہا ہے سمجھا جا رہا ہے اور قرآن کی شرح حدیث پاک جو ارشادات نبوی ﷺ ہیں بھی محفوظ ہیں پندرھویں صدی کا ربع بھی گزر گیا۔ دنیا کی ساری کافر طاقتیں زور لگا چکیں کہ جھوٹی حدیثیں گھڑیں، حدیثوں میں غلط مفہوم داخل کرنے کی کوشش کریں لیکن علمائے حق سے اللہ نے ایسی خدمت لی کہ ایک حدیث کو سمجھنے کے لئے انہوں نے سترہ علوم ایجاد کئے۔ مسلمانوں کے ہاں سترہ علوم ایسے ہیں جو حدیث کی پرکھ کے لئے ہیں اور وہی شخص کسی حدیث کے صحیح ہونے اور غیر صحیح ہونے کی بات کر سکتا ہے جسے ان سترہ علوم پر عبور حاصل ہو۔ انہی علوم میں سے ایک اسماء الرجال ہے جس میں الف سے ے تک جتنے لوگوں نے حدیث بیان کی ہے جس حرف سے اس کا نام شروع ہوتا ہے وہ ترتیب دے دی گئی ہے۔ اسماء الرجال میں ہر راوی کے بارے بتا دیا گیا ہے کہ یہ شخص مزاجاً کیسا تھا۔ فلاں نیک سیرت تھا، فلاں سچ بولتا

تھا سچی بات کرتا تھا لہٰذا اس نے جو حدیث بیان کی وہ قابل اعتبار ہے اس میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ فلاں نیک تھا لیکن اس کا حافظہ مضبوط نہیں تھا لہٰذا اس کی بیان کردہ حدیث پہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ شائد وہ بھول گیا ہو اور یہ بھی کہ فلاں عملاً اچھا انسان نہیں تھا اس نے شائد حدیثیں گھڑ لی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس حد تک حدیث کی حفاظت کا کام علماء حق سے لیا اور انہوں نے حدیث کی حفاظت کا ایسا حق ادا کر دیا کہ آج پندرھویں صدی میں بھی جو خلوص سے تلاش کرنا چاہے اسے قرآن بھی صحیح مل جاتا ہے اور حدیث کا مفہوم بھی صحیح مل جاتا ہے۔

فرمایا لوگو! میری پوجا نہ کرنا میں اللہ کا شریک نہیں ہوں۔ عبادت صرف اللہ کی ہوگی۔ نفع ونقصان کا مالک صرف وہی ہے۔ اس کی ذات سے رجوع کرو۔ پھر فرمایا وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنے لئے سب اچھا اچھا چن لیتا پھر مجھے ایذا کیوں ہوتی، مکہ مکرمہ کی گلیوں میں مجھ پر کانٹے کیوں پھیلائے جاتے، مجھ پر پتھر کیوں برسائے جاتے، مجھے شعب ابی طالب میں بند کیوں کیا جاتا، مجھے اپنے خدام سمیت، ہجرت پر مجبور کیوں کیا جاتا؟ میں بدر میں کیوں آتا، کیوں میرے خادم شہید ہوتے، احد میں کیوں آتا، کیوں مجھے زخم لگتے؟ میں اچھی اچھی چیزیں چن لیتا مشکل مشکل چھوڑ دیتا۔ فرمایا یہ میرے نہیں یہ اس کے فیصلے ہیں۔ وہ نافذ فرماتا ہے۔ ہاں! اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ یہ پکی بات ہے کہ میں یقیناً نذیر بھی ہوں اور بشیر بھی۔ غلطی کرنے والے کو اس کا جو برا نتیجہ مرنے کے بعد نظر آئے گا میں یقیناً اسے آج بتا دیتا ہوں کہ یہ کام جو تم کر رہے ہو یہ تمہارے لئے تباہی کا سبب ہوگا اور جو اللہ سے تعلق جوڑتا ہے اور نیکی کرتا ہے اسے جو فائدہ ہونے والا ہے اس کے اجر کی اسے بشارت دے دیتا ہوں۔ بشارت دینا اور بروقت برائی کے برے انجام سے آگاہ فرمانا یہ میرا منصب جلیلہ ہے لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۱۸۸﴾ اور یہ میرا منصب ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے۔ اب جو ایمان ہی نہیں لاتا اسے بارگاہ رسالت ﷺ سے کیا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے حالانکہ یہ فائدہ بہت بڑا فائدہ ہے کہ اس دنیا میں بیٹھ کر بندہ اس دنیا کو دیکھ رہا ہو۔ بات یہاں کرے نگاہ وہاں کے نتائج پہ ہو۔ کام یہاں کرے نظر آخرت کے نتائج پر ہو۔

دنیاوی ایجادات بڑی باکمال ہیں کہ امریکہ میں کوئی واقعہ ہو اور ہم اسے یہاں دیکھ لیتے ہیں۔ جاپان میں حادثہ ہو جائے یا چین میں سیلاب آئے ہم یہ سب کچھ یہاں بیٹھے ٹی وی یا انٹرنیٹ کے ذریعے دیکھ لیتے ہیں۔ ٹھیک ہے بڑا کمال ہے لیکن کوئی ٹی وی، کوئی نیٹ ورک برزخ کی یا آخرت کی بات دکھا سکتا ہے کہ جو کام یہاں کر رہے ہو مرنے کے بعد جب برزخ میں پہنچو گے اس کا نتیجہ کیا ہوگا اور جب میدان حشر میں جاؤ

گے تو کیا پیش آئے گا اور جنت کیا ہے، دوزخ کیا ہے وہاں کیا ہوگا ﷺ کوئی دنیا کا نیٹ ورک کوئی سیٹلائیٹ دکھا سکتی ہے؟ فرمایا میرا یہ منصب جلیلہ ہے کہ میں تمہیں یہاں بیٹھے ہوئے وہ دنیا دکھا دوں اور میں تمہیں بتا دوں کہ تمہارے نیک کاموں کا کتنا حسین اجر ہے اور برائی کا انجام کتنا بھیانک ہے۔ ہم کیسے عجیب لوگ ہیں ہمیں اس بات کا احساس ہی نہیں رہا۔ اللہ ہمیں ہدایت دے۔ غور کرنا چاہیے کہ ہمیں وہ استاد تو یاد ہیں جنہوں نے ہمیں لکھنا پڑھنا سکھایا، ہم پر محنت کی اور ہمارے دل میں ان کے۔لیے جذبہ تشکر ہے تو جس ہستی نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے عالم دنیا اور عالم آخرت کو کامل کر کے ہمارے دلوں پر ایسا گہرا نقش کر دیا کہ آج پندرہویں صدی میں بھی آپ کسی چرواہے سے جنگل میں جا کر پوچھ لیں جنہیں الف۔ب۔جیم نہیں آتی وہ یہ آپ کو بتائے گا کہ ہر گناہ اور نافرمانی کا آخرت میں عذاب ہوگا اور نیکی کا ثواب ہوگا یعنی کتنی عجیب تعلیم ہے اور کیسا عجیب معلم ﷺ ہے اور یہ اثر قیامت تک جائے گا، قیامت تک کتنی صدیاں اور گزریں گی یہ رب ہی جانتا ہے یا قیامت آج ہی آ جائے یا سینکڑوں صدیاں گزر جائیں بہرحال جب تک دنیا قائم ہے تعلیمات محمد رسول ﷺ قائم رہیں گی اور دلوں پر اثر چھوڑتی رہیں گی۔ رمضان ہی کو دیکھ لیں۔ آج سے پینتیس چھتیس سال پہلے کی بات ہے ظہر کا وقت تھا میرے پاس جیپ تھی میں جس سڑک پر آ رہا تھا اس کے ساتھ برساتی پانی کا بہت بڑا تالاب تھا تو میں نے دیکھا ایک شخص بھیڑوں کا گلہ لے کر وہاں آیا۔ گرمی تھی ساری بھیڑیں پانی پر ٹوٹ پڑیں اس چرواہے نے چادر رکھ کر سر پر سایہ کیا ہوا تھا۔ اس نے وہ چادر اتاری، جوتے اتار کر رکھے پانی کے کنارے پتھر پر بیٹھ گیا اور وضو کرنے لگا کیا کمال ہے کہ جانور گرمی سے بے حال ہو کر پیاس سے بے تاب ہو کر پانی پر ٹوٹ پڑے تو یہ کیوں نہیں پیتا؟ اسے محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات نے وہ شعور دے دیا کہ اسے یقین ہے کہ اس کا اللہ اس کے پاس ہے وہ سمجھتا ہے کہ میرے اللہ نے مجھ پر رمضان فرض کیا ہے اور میں افطاری تک کھا پی نہیں سکتا۔ یہ کمال ہے اس عظیم ہستی محمد رسول ﷺ کا جن کی شان ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات چودہ سو سال بعد بھی اس چرواہے کے دل کو بھی اتنا گرمائے ہوئے ہیں کہ اسے حضور حق حاصل ہے۔ اسے پتہ ہے جنگل ہے اسے کوئی بھی نہ دیکھے اس کا اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

فرمایا میرا منصب یہ ہے۔ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ میں یقیناً برائی کے انجام بد اور نیکی کے انعام سے بروقت آگاہ کرنے والا ہوں ان لوگوں کے لئے جن کے دل میرے دل سے جڑتے ہیں۔ کافر نبی ﷺ کو دیکھتے بھی تھے۔ آپ ﷺ کی آواز مبارک بھی ان کے کانوں میں پڑتی تھی۔ سنتے بھی

تھے۔طنز بھی کرتے تھے جواب بھی دیتے تھے لیکن اللہ نے فرمایا صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ البقرہ:18 بہرے بھی ہیں اندھے بھی ہیں۔ بھئی ظاہری آنکھوں سے تو دیکھ رہے تھے ظاہری کانوں سے تو بات سن رہے تھے۔ حضور ﷺ پر سوال کر رہے تھے اعتراض کر رہے تھے فرمایا نہیں یہ آنکھوں کا بھی صحیح استعمال نہیں کر رہے یہ ایسے ہیں جیسے آنکھیں نہیں ہوتیں۔ کانوں کا بھی صحیح استعمال نہیں کر رہے جیسے کسی کے کان سماعت کے قابل ہوتے نہیں۔ زبان کا بھی صحیح استعمال نہیں کر رہے یہ گونگے ہو گئے ہیں۔ کیوں! ان کے دلوں نے نور قلب اطہر سے برکات حاصل نہیں کیں۔ انہیں ایمان نصیب نہیں ہوا۔ تو جب تک خلوص دل سے ایمان نہ لائے فرمایا اسے تو میری بات کی سمجھ نہیں آئے گی اسے تو اعتراض سوجھتے رہیں گے وہ تو کہتا رہے گا لیکن جس کے دل میں ایمان ہوگا اسے ساری بات سمجھ آجائے گی اور کمال یہ ہے کہ اس عالم آب وگل میں رہتے ہوئے نزع کے حالات موت کے واقعات، بعد از موت کے حالات برزخ کے واقعات میدان حشر کی باتیں جنت و دوزخ حضور ﷺ نے اس طرح کھول کے رکھ دیئے کہ ہر صاحب ایمان سمجھتا ہے ہر چیز میرے سامنے ہے۔ پھر اپنے اپنے یقین کی بات ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے کسی نے پوچھا کہ آخرت میں تو بہت عجیب و غریب حالات واقعات پیش آئیں گے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ فرمایا اگر آج قیامت قائم ہوجائے تو مجھے کسی بات پر کوئی حیرت نہیں ہوگی وہی کچھ ہوگا جو حضور ﷺ نے بتایا جو میں جانتا ہوں مجھے کسی بات پر کوئی حیرت نہیں ہو گی چونکہ ہر چیز حضور ﷺ نے کھول کے نگاہوں کے سامنے رکھ دی ہے۔

وصول کرنے والا جو سیٹ ہے وہ ہمارا قلب ہے اسے ٹھیک ہونا چاہیے اگر یہ سیٹ زنگ خوردہ ہو جائے ٹوٹ پھوٹ جائے اس پر خاک جم جائے تو وہ کہتا ہے کہ مجھے کچھ خبر نہیں، دیکھا جائے گا مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ کس نے دیکھا ہے مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ یہ باتیں تب منہ سے نکلتی ہیں جب یہ سیٹ خراب ہو جاتا ہے زنگ لگ جاتا ہے۔ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ جس طرح ٹیلی ویژن کی سیٹلائٹ کی نشریات آرہی ہیں لیکن ہر بندہ تو نہیں دیکھ سکتا، نہیں سن سکتا۔ وہی دیکھتا سنتا ہے جس کے پاس سیٹ بھی ہو اور سیٹ صحیح بھی ہو اور پھر اس کی فریکوئنسی بھی صحیح ہو۔ دل زندہ بھی ہو اس میں نور ایمان بھی ہو برکات نبوت بھی ہو اور اس کا تعلق محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن کریم سے ہو تو پھر ہر چیز سامنے آجاتی ہے۔

سورۃ الاعراف رکوع 24 آیات 189 تا 206

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ
اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا
اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا
صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَ
یُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا
وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ
سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ
لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا
شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ
وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ
نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا
یَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ
بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

وہ (اللہ) ہی ہے جس نے تم کو فرد واحد سے پیدا فرمایا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے اُنس (راحت) حاصل کرے پھر جب اس (میاں) نے اس سے قربت کی تو اس کو ہلکا سا حمل رہ گیا پس وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی رہی پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں (میاں بیوی) اللہ سے جو ان کا پروردگار ہے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہمیں تندرست اولاد عطا فرمائی تو ہم ضرور آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ ﴿۱۸۹﴾ پھر جب ہم نے ان دونوں کو تندرست بچہ عطا فرمایا تو اس کی عطا کی ہوئی چیز میں اس کے شریک قرار دینے لگے پس اللہ تعالیٰ ان کے شریک بنانے سے برتر ہیں۔ ﴿۱۹۰﴾ کیا وہ ایسی چیزوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بنا نہ سکیں اور خود بنائی جاتی ہوں۔ ﴿۱۹۱﴾ اور نہ وہ ان کی مدد کر سکتی ہیں اور نہ اپنے آپ کی مدد کر سکتی ہیں۔ ﴿۱۹۲﴾ اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمہاری بات نہ مانیں۔ تمہارے لئے برابر ہے کہ تم ان کو دعوت دو یا تم خاموش رہو۔ ﴿۱۹۳﴾ بے شک جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ بھی تمہاری طرح بندے ہیں پس تم ان کو پکارو

تو چاہیے کہ وہ تمہارا کہا پورا کردیں اگر تم سچے ہو تو۔﴿ ۱۹۴ ﴾ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنیں؟ فرمایئے اپنے شریکوں کو بلاؤ اور میرے خلاف تدبیر کرو پس مجھے کوئی مہلت نہ دو﴿ ۱۹۵ ﴾یقیناً میرا مددگار اللہ ہے جس نے (یہ) کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد فرماتا ہے۔﴿ ۱۹۶ ﴾اور جن کو تم اُس کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے وہ اپنی ہی مدد نہیں کر سکتے۔﴿ ۱۹۷ ﴾اگر آپ ان کو سیدھے راستے کی طرف بلائیں تو نہ سنیں گے اور آپ انہیں دیکھتے ہیں (گویا) آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں اور وہ نہیں دیکھتے۔﴿ ۱۹۸ ﴾آپ درگزر کرنے کو اختیار فرمائیں اور نیک کاموں کا حکم کریں اور جاہلوں سے کنارہ کش رہیں۔﴿ ۱۹۹ ﴾اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیجئے یقیناً وہی سننے والے جاننے والے ہیں۔﴿ ۲۰۰ ﴾یقیناً جو لوگ پرہیزگار ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو وہ (اللہ کی) یاد میں لگ جاتے ہیں یکا یک وہ دیکھنے لگتے ہیں (آنکھیں کھل جاتی ہیں)۔﴿ ۲۰۱ ﴾اور ان کے بھائی (کفار) انہیں گمراہی کی طرف کھینچتے ہیں پھر وہ (اس میں) کوتاہی نہیں کرتے۔﴿ ۲۰۲ ﴾اور جب آپ ان کے پاس (کچھ روز) تک کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں آپ نے خود کیوں نہ بنا لی۔ فرما دیجئے کہ میرے پروردگار کی طرف سے جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے میں یقیناً اس کی پیروی کرتا ہوں (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے دانش وبصیرت اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔﴿ ۲۰۳ ﴾اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔﴿ ۲۰۴ ﴾اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں یاد کریں عاجزی اور خوف سے اور اونچی آواز کے

بغیر صبح و شام (ہمہ وقت) اور (کبھی) بھولنے والوں میں شامل نہ ہوں ۔ ﴿۲۰۵﴾ یقیناً جو (فرشتے) آپ کے پروردگار کے مقرب ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی کو یاد کرتے ہیں اور اسی کے سامنے سجدہ کرتے ہیں ۔ ﴿۲۰۶﴾

تفسیر و معارف

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اللہ وہ ذات ہے جس نے اے روئے زمین کے تمام انسانو! تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ایک وجود سے پیدا فرمایا۔ آدم کو مٹی سے تخلیق فرمایا۔ مٹی کے ایسے ذرات بنا دیئے جن میں انسانی زندگی کے راز سمو دیئے ۔ آج کی سائنسی ترقی نے اس کی تفصیل ظاہر کر دی ہے کہ ہر انسانی وجود میں ہزار کھرب ذرات ہیں یوں وجودِ آدمؑ کے ذرات کو یہ حیثیت دے دی کہ ان کے وجود سے ان کی زوجہ تخلیق فرمائی ۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا ان کی اہلیہ مبارک کو تخلیق فرمایا۔ وہ قادر ہے اس نے مرد کے وجود سے عورت تخلیق فرمائی ۔ اس نے اس وجود کے نظام سے کچھ جینز الگ کر کے اس کا جوڑا بنا دیا جوڑا بنانے کا مقصد کیا تھا ؟ لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ کہ مرد اس سے سکون حاصل کرے راحت حاصل کرے ۔ یہ آج کل کے جوڑوں کو سوچنا چاہیے ۔ مرد کہتے ہیں کہ جی دعا کریں بیوی بڑی بدزبان ہے گالیاں دیتی ہے ۔ بیوی کہتی ہے میاں کہنا نہیں مانتا ، بڑا تنگ کرتا ہے ۔ مارتا ہے ۔ کمال ہے کیسے لوگ آ گئے ہیں ۔ ایسا کیوں ہوتا ہے جبکہ میاں اور بیوی ایک دوسرے پر اللہ کے نام پر حلال ہوتے ہیں ۔ ان کا اتنا قریبی رشتہ بن جاتا ہی کہ جو باتیں بہن بھائیوں سے والدین سے اولاد سے بھی زیر بحث نہیں لا سکتے بیوی سے بے تکلفی سے ساری بات سمجھ سمجھا سکتے ہیں تو پھر یہ کیوں ہوا کیسے ہوا ؟

خاتون کی ذمہ داری :

لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا خاتون کی یہ ذمہ داری ہے کہ مرد کے سکون کا سامان فراہم کرے اور مرد کی ذمہ داری ہے کہ اس کے سارے احساسات کا خیال رکھے ۔ اگر ایک بستر ہمیں آرام پہنچاتا ہے تو کیا ہماری ذمہ داری نہیں ہے کہ اسے صاف رکھیں ، سنبھال کے رکھیں ، ٹوٹنے سے بچائیں اگر اسے آگ لگا دیں گے تو پھر کہاں سے آرم ملے گا ؟ تو فرمایا وہ ذات ہے ۔ ایسی قادر ہے کہ اس نے ایک وجود پیدا فرمایا اور اس وجود

میں سے ایک وجود نکال کر اس کی بیوی بنا دی۔ اس لئے کہ لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا اس سے سکون حاصل کرے بیوی کے پاس جائے تو اپنے دکھ اور پریشانیاں بھول جائے۔ گھر آئے تو ماحول ایسا خوشگوار ملے کہ تھکن دور ہو جائے۔ گھر کو پرسکون اور آرام دہ بنانا خاتون کی ذمہ داری ہے۔

بھوک پیاس کا مارا ہوا آئے تو اسے پیار ملے سادہ روٹی ملے لیکن پیار سے محبت سے ملے سادہ پانی ملے پیار سے شفقت سے ملے کہ وہ دن بھر کی تھکاوٹ بھول جائے۔ لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ

اللہ کی رحمت اور انسانی رویہ

جب انہوں نے قربت کی تو خاتون کو ہلکا سا حمل رہ گیا۔ خاتون چلتی پھرتی رہے تو اسے کوئی محسوس نہیں ہوتا ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لیکن جب وہ بھاری ہو جاتا ہے۔ جب وقت گزرتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ حمل ہو گیا تو پھر میاں بیوی اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔ پھر دونوں دعا کرتے ہیں۔ لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ اے پروردگار عالم ہمیں صالح اولاد، اچھی اولا، دنیک بچہ دے تو ہم تیرا شکر ادا کریں گے جو تندرست بھی ہو، ذہنی اعتبار سے، قلبی اعتبار سے، زندگی کے ہر شعبے میں دین و دنیا میں ایک کامیاب انسان ہو ہمیں ایسی اولاد دے کہ ہم تیرا شکر ادا کریں۔ فرمایا پھر انسان عجیب چیز ہے فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جب انہیں وہ صالح بچہ مل جاتا ہے اللہ عطا فرما دیتا ہے جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ پھر انہیں اس میں بہت سے شریک یاد آ جاتے ہیں۔ یہ تو فلاں نے دیا۔ یہ تو پیر نے دیا یہ تو بت نے دیا یہ تو فلاں دیوتا نے دیا۔ یعنی جب مصیبت میں ہوتے ہیں تو کافر کو بھی اللہ ہی یاد آتا ہے اور جب سہولت ملتی ہے تو بہت سے برائے نام مسلمان بھی ایسے ہیں جو اللہ کو بھول جاتے ہیں اور پھر وہ نعمت کسی اور کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے ملی ہے۔ یعنی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے قلب اطہر سے رابطہ ہونا اور نہ ہونے کا یہ فرق ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق مضبوط ہے تو پھر اللہ سے رشتہ مضبوط ہے۔ پھر بندہ ہر نعمت اللہ سے لیتا ہے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ نہیں ہے تو پھر کسی فرد، کسی ذات، کسی مفروضہ ہستی جس کا وجود ہی نہیں ہے اس نے کوئی دیوی دیوتا بنا لیا انہیں غائبانہ پکارتا ہے پھر جب کوئی نعمت مل چکتی ہے تو کہتا ہے یہ تو فلاں نے دی فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ وہ بھول جاتے ہیں کہ جو لوگ شرک کرتے ہیں اللہ اس سے بہت بلند ہے۔ وہ خود بھٹک جاتے ہیں۔ اللہ سے دور ہو جاتے ہیں۔ عظمت الٰہی کو پا نہیں سکتے۔ اپنے آپ کو تاریک راہوں پر گم کر دیتے

ہو۔ پر وہ بندہ جو بارگاہ نبوت ﷺ سے کٹتا ہے وہ تاریک راہوں میں گم ہو جاتا ہے۔ پھر اسے اپنے بھلے برے کی بھی تمیز نہیں رہتی۔ سوفرمایا کاش وہ یہ بات سمجھ سکتے۔ میرے نبی ﷺ! یہ اعلان فرما دو سب کو بتا دو فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ لوگ جو شرک کرتے ہیں اللہ کی ذات اس سے بہت بلند اور برتر ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں وہ بلند و برتر ہے لیکن یہ حقیقتیں سمجھنے کے لئے نور نبوت چاہیے اس نور کی روشنی میں یہ سارے حقائق منکشف ہوتے ہیں۔

اللہ کریم ہمیں دین پر استقامت دے دین پر زندہ رکھے دین پہ موت دے اور دیندار بندوں کے ساتھ حشر فرمائے۔

شرک ایمان کے لئے زہر قاتل ہے:

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ فرمایا یہ ان کو اللہ کا شریک کرتے ہیں جنہوں نے کوئی رائی برابر چیز کائنات میں پیدا نہیں کی بلکہ خود مخلوق ہیں۔ خالق اور مخلوق کا ایک یقینی فاصلہ ہے کہ مخلوق ہونا خود محتاج ہونے کی دلیل ہے۔ مخلوق ہونا خود اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ وہ محتاج ہے۔ کسی نے اسے پیدا کیا تو وہ پیدا ہوا۔ کسی نے اسے بنایا تو وہ بنا۔ خالق وہ ہے جو پیدا کرتا ہے اسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔ وہ ازل سے ہے ابد تک ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ کے لئے ہے۔ ہر چیز پر قادر ہے۔ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ مخلوق جو اپنے بننے میں محتاج ہے وہ زندگی گزارنے یا دنیا پہ اپنا وقت پورا کرنے میں بھی ہر طرح سے محتاج ہے۔ پھر اس کی مجبوری یہ بھی ہے کہ اسے فناء بھی ہونا ہے اسے موت کے راستے سے گزرنا بھی ہے۔ جب تک بنانے والا چاہے جس حال میں چاہے اسے رکھے۔ تو فرمایا یہ ان کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں جنہوں نے کوئی ذرہ پیدا نہیں کیا بلکہ خود پیدا کئے گئے ہیں کچھ بھی انہوں نے پیدا نہیں کیا خود مخلوق ہیں وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا تو وہ ان کی کیا مدد کریں گے؟ کوئی مدد نہیں کر سکتے وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وہ تو خود اپنے آپ کی مدد نہیں کر سکتے۔ کوئی سورج کو پوجتا تھا کوئی چاند کی پوجا کرتا تھا کوئی آگ کی پوجا کرتا تھا کوئی فرشتوں کی، کوئی جنوں کی، کوئی کاہنوں کی، کوئی جوتشیوں کی، کوئی فرضی دیوی اور دیوتاؤں کی تو فرمایا یہ ساری چیزیں مخلوق ہیں یہ اپنے وجود میں خود بننے کے محتاج ہیں انہیں خالق نے پیدا کیا ہے۔ یہ اپنی مدد کرنے کے بھی اہل نہیں ہیں کہ اللہ ان پر کوئی مصیبت بھیج دے تو یہ اپنی قوت سے اسے ٹال سکیں یہ ممکن نہیں یعنی یہ اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے تو ان کی کیا مدد کریں گے۔ اپنے آپ کو باقی نہیں رکھ سکتے، اپنی پسند کے مطابق اپنی شکل

نہیں بنا سکتے۔ اپنی مرضی کے مطابق اپنی صحت نہیں بنا سکتے اپنی مرضی کے مطابق اپنا رزق نہیں حاصل کر سکتے۔ بت تو خیر ہے ہی پتھر کوئی اگر کسی انسان کی پوجا کرتا ہے یا جن یا فرشتے کی بھی کرتا ہے تو اسے بھی یہ سوچنا چاہئے کہ یہ تو خود مخلوق ہے اور قدم قدم پر محتاج ہے تو محتاج دوسرے محتاج کو کیا دے گا۔ جب کوئی اللہ کے ساتھ اس کی ذات میں اس کی صفات میں کسی کو شریک کرتا ہے تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اس شرک پر اتنا پکا ہو جاتا ہے کہ اگر اللہ کا نبی ﷺ کی دعوت دے تو وہ نبی ﷺ کی دعوت پر توجہ نہیں دیتا اور شرک پہ قائم رہتا ہے تو فرمایا ان میں ایک خامی پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کے دل تباہ ہو جاتے ہیں۔ شرک ایمان کے لئے ایسا ہے جیسے پودے کی جڑوں میں تیزاب ڈال دیا جائے پانی کی بجائے تیزاب سے اس کی کیاری بھر دیں۔ آن واحد میں وہ خشک ہو کر جھڑ پت ہو جائے گا۔ تو ان کے دل تباہ ہو چکے ہیں وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو یہ بات نہیں مانیں گے چونکہ ماننے کے لئے وہ دل چاہیے جو بات کو سمجھے۔ جس میں شعور ہو جو بیدار ہو۔ جو زندہ بھی ہو اور بیدار بھی ہو۔ زندہ انسان بھی اگر سو جائے تو اسے بھلے برے کی تمیز نہیں رہتی۔ دل زندہ بھی ہو بیدار بھی ہو پھر وہ بات کو سمجھتا ہے۔ ان کے دل تو مردہ ہو چکے ہیں یہ آپ کی بات نہیں سمجھیں گے۔ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ ان کے لئے برابر ہے اگر آپ لوگ ان کو دعوت دیں یا خاموش رہیں کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی ذات یا صفات میں شرک کر کے اپنے آپ کو تباہ کر لیا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ فرمایا جو لوگ اللہ کی ذات کو چھوڑ کر دوسروں سے مدد مانگتے ہیں دوسروں کو پکارتے ہیں، دوسروں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں تو یہ نہیں سوچتے کہ وہ ان کی طرح اللہ کے بندے ہیں۔ وہ اللہ نہیں ہیں نہ اللہ کی ذات میں شریک ہیں، نہ اس کی صفات میں شریک ہیں۔ بت ہوں، دیوی دیوتا ہوں، سورج، چاند، ستارے ہوں جن ہوں یا انسان ہوں کسی کو عبادت کا حق نہیں۔ عبادت کا حق صرف اللہ کو ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ یہ اللہ کا حق ہے کہ اس کو پکارا جائے اپنی ضروریات اس کے سامنے پیش کی جائیں اور وہی واحدہٗ لاشریک ہے جو ساری ضرورتیں ہر جگہ ہر وقت پوری فرماتا ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر جن کو لوگ پکارتے ہیں فرمایا وہ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ بھی ان کی طرح مخلوق ہیں۔ وہ اپنی تخلیق میں محتاج ہیں اپنی بقاء میں محتاج ہیں اپنے وجود کی سلامتی میں اللہ کے محتاج ہیں۔ محتاج دوسرے محتاج کو کیا دے گا؟ اور اگر تم سچے ہو تو ذرا ان کو پکارو جن کو تم پکارتے ہو تو پھر جو مصیبت تم پر اللہ بھیج دیتا ہے، ان شریکوں سے کہو کہ وہ اسے ہٹا کر دکھائیں یا اس چیز کو روک کر دکھائیں جو اللہ تمہیں دینا چاہتا ہے۔

اب یہ ساری باتیں، وہ ہیں جو دل کی سلامتی سے متعلق ہیں جن کو دماغ شائد سمجھے نہ سمجھے لیکن دل سمجھتا ہے اور جن کے دل ہی مردہ ہو چکے ہیں ان سے دل کی بات کرنے کا کیا فائدہ سو اللہ کریم نے یہ بات تو ان لوگوں کیلئے ارشاد فرمائی جن کے سینے میں ہنوز دل ہے۔ جو اپنے دل ہی کو مار چکے ہیں ان کے لئے فرمایا کہ ظاہری عقل سے بھی دیکھو اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ کیا ان بتوں کو پاؤں لگے ہوئے ہیں اور یہ چل پھر سکتے ہیں۔ جن بتوں کو تم پوجتے ہو کیا یہ بت چلتے پھرتے ہیں، حرکت کرتے ہیں، کہیں اپنی مرضی سے آ جا سکتے ہیں یا اس میں بھی تمہارے محتاج ہیں کہ تم اٹھا کر انہیں رکھ دو تو خدا بن جائیں اٹھا کر پھینک دو یا دیوار میں لگا دو تو پتھر بن جائیں۔ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ کسی چیز کو پکڑ سکیں یا کسی کو دے سکیں یا کسی سے لے سکیں یہ تو پتھر کے بت ہیں ان پر اگر مکھی بیٹھ جائے تو یہ اسے اڑا بھی نہیں سکتے یا اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ یا ان کی آنکھیں ہیں کہ تمہاری آہ وزاری کو تمہارے سجدوں کو تمہاری پوجا پاٹ کو تمہارے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو تمہاری خوشبوئیں جلانے کو یہ دیکھ رہے ہیں اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا کیا ان کے کان ہیں کہ تمہاری بات سن رہے ہیں؟ نہ ان کے ہاتھ ہیں نہ پاؤں ہیں نہ آنکھ ہے نہ کان ہے تو پھر تم ان کی پوجا کس خوشی میں کر رہے ہو یہ نہ تمہاری بات سن سکتے ہیں نہ کہیں چل پھر سکتے ہیں نہ کچھ لے سکتے ہیں نہ کچھ دے سکتے ہیں فرمایا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿١٩٥﴾ اے میرے حبیب ﷺ آپ ان بت پرستوں سے کہئے تم نے جو اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں بت گھڑ رکھے ہیں ان سب کو بلا لو ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ اور اپنے ان معبودان باطلہ سے کہو کہ میرے خلاف جو کر سکتے ہو کر لو۔

ایک ضمنی بات

یہاں ایک بات ضمناً آ گئی لیکن بات اتنی ضروری ہے کہ کرنی چاہیے جو آج کل مسلمان کہلانے کے باوجود لوگوں کا بڑا مسئلہ ہے۔ تقریباً ننانوے فی صد لوگوں کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ فلاں نے مجھ کو تعویذ ڈال دیئے، فلاں نے مجھ پر جادو کر دیا، میری چارپائی سے تعویذ نکلا، ہمارے کمرے میں تعویذ تھا اور پھر انہیں نقصان بھی ہوتا ہے بیمار ہو جاتے ہیں تکلیف ہوتی ہے۔ گھروں میں لڑائیاں ہو جاتی ہیں۔ ایک طرف تو یہ حال ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں لوگوں کو جادو اور عملیات سے تکلیف ہوتی ہے۔ دوسری طرف اللہ کا ارشاد حق ہے۔ قرآن جو کچھ کہہ رہا ہے یہ حق ہے۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ اے میرے حبیب ﷺ انہیں کہئے کہ یہ اکٹھے ہو کر اپنا سارا جادو ٹونا اکھٹا کر کے اپنے تمام بتوں کو اور اپنے تمام معبودان باطلہ کو بھی بلا لیں اور جو کچھ آپ ﷺ کا

بگاڑ سکتے ہیں بگاڑیں لحاظ نہ کریں لیکن یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔تو پھر ہمارا کیوں بگڑتا ہے؟ آگے اس کی وجہ لکھی فرمایا اس لئے کہ اِنَّ وَلِيِّ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩٦﴾ میرا مددگار یقیناً اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ وہ اللہ جس نے یہ کتاب نازل فرمائی تو کیا اللہ کریم صرف آپ ﷺ کی مدد کرتا ہے اور آپ ﷺ کے امتی خراب ہورہے ہیں اور ان پر جادو تعویذ اثر کر جاتے ہیں اور ان پر ٹونے ٹوٹکے کا اثر ہو جاتا ہے تو اللہ ان کی مدد نہیں فرماتا ﷺ فرمایا يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ہر پرہیزگار بندے کا وہ معاون اور مددگار ہے۔جن پر جادو اثر کرتا ہے ان کا تعلق اللہ سے کمزور ہے۔ یہ اللہ پر اعتماد بھی نہیں کرتے یہ اللہ کے حکم کے مطابق حلال نہیں کھاتے حرام کھانے سے باز نہیں آتے۔ یہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے لوگوں کی خوشامد ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ مخلوق کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ کی بارگاہ ان کے سجدوں سے خالی ہے تو اللہ کسی کا محتاج تو نہیں ہے، محتاج تو بندہ ہے، اللہ تعالیٰ تو بندے کا مددگار ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا اللہ پر ایمان ہو اللہ کے نبیؐ پر ایمان ہو اور بندہ اللہ کے نبیؐ کا اطاعت شعار ہو۔ ایمان کا مطلب ہے اطاعت۔ یہ ایمان نہیں ہے کہ زبانی کہہ دیا جائے میں مانتا ہوں اور اطاعت نہ کی جائے۔ جیسے کوئی اپنے بیٹے سے پانی لانے کو کہے اور بیٹا زبانی زبانی کہتا رہے کہ میں لاتا ہوں۔ لیکن لاکر نہ دے تو کیا باپ یہ سمجھے گا کہ یہ اطاعت کر رہا ہے۔کیا وہ تابعدار کہلائے گا؟ اسی طرح جب ہم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کی پرواہ نہ کریں تو کیا ہم پرہیزگار ہوں گے؟ اور اگر ہم پرہیزگار نہیں ہوں گے تو اللہ کی حفاظت سے محروم ہی ہوں گے۔

ہم اللہ کی عبادت کیوں نہیں کرتے؟

اس کی ایک بنیادی وجہ ہے۔ اگر ہم اپنی ضرورتیں اللہ سے منسلک کرلیں کہ میری ہر ضرورت اللہ نے پوری کرنا ہے تو باقی سب کاموں سے پہلے ہم اللہ کی عبادت کریں گے اور جب ہم اپنی ضرورتیں بندوں سے منسلک کرلیں گے کہ فلاں مجھے نوکری دلائے گا میرے بیٹے کو بھرتی کرے گا، میری دکان چلا دے گا۔ مجھے ادھار دے گا مجھے پیسے لے دے گا۔ میرا علاج فلاں کرا دے گا تو پھر جن سے ہماری امیدیں وابستہ ہوتی ہیں ہم ان کی ہی خوشامد میں لگے رہتے ہیں اللہ سے چونکہ ہماری کوئی امید وابستہ نہیں ہوتی اس لئے اس کی بارگاہ میں ہمارا سر ہی نہیں جھکتا، اور یہ پتہ تب چلے گا جب ہم سر قبر میں رکھیں گے۔ جب قبر پہ مٹی ڈل جائے گی پھر سمجھ آجائے گی کہ ہمارا حقیقی معاون کون تھا ہمیں کس کا حکم پہلے درجے میں ماننا چاہیے تھا اور ہم کس کے پیچھے بھاگتے رہے؟ سو فرمایا سارے بت، سارے جادوگر، سارے کاہن، جوتشی اور اللہ کے سارے شریک جو تم

نے بنا رکھے ہیں سب کو اکٹھا کر لو میرا کچھ بگاڑ و اگر بگاڑ سکتے ہو تو فرمایا تم کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اس لئے کہ میرا پروردگار اللہ ہے وہ اللہ جس نے یہ کتاب نازل فرمائی۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ اور وہ صرف میرا ہی مددگار نہیں ہر اس بندے کا مددگار ہے جو میرے دامن سے وابستہ ہو جاتا ہے ہم صالح کس کو کہیں گے؟ صالح ہر وہ بندہ ہے جو دامان محمد ﷺ سے وابستہ ہو جاتا ہے جو حضور ﷺ کی اطاعت اختیار کر لیتا ہے۔ جو آپ ﷺ کا اتباع اختیار کر لیتا ہے وہ تو اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔

فرمایا جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے اپنی امیدیں وابستہ کرتے ہیں وہ کتنی بڑی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ سادہ سی بات ہے۔ ایک غریب آدمی اس امید پر کسی امیر کے دروازے پر جاتا ہے کہ اسے وہاں سے کچھ مل جائے گا۔ جبکہ وہ اسے آتے ہی کوئی نہ کوئی کام کہہ دیتا ہے۔ وہ امیر آدمی دیکھ رہا ہوتا ہے کہ یہ شخص کچھ اور نہ سہی چار لکڑیاں ہی چیر دے گا۔ خود تمہارا محتاج ہے۔ تمہیں کیا دے گا۔ جو خود تمہارے انتظار میں ہے کہ کوئی آئے اور میری یہ مدد کر دے وہ تمہیں کیا دیتا ہے۔ فرمایا جو اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں وہ دوسرے تمہاری مدد نہیں کر سکتے اس لئے کہ وہ خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے تمہاری کیا کریں گے۔ دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جسے اللہ قوت نہ دے تو وہ حرکت بھی کر سکے۔ آنکھ کی پتلی بند کرنا بھی اللہ کی دی ہوئی طاقت سے ہے اور کھولنا بھی اللہ کی دی ہوئی طاقت سے ہے۔ اگر وہ طاقت سلب ہو جائے تو بندہ آنکھ تک بھی جھپک سکتا تب تک آنکھ دیکھتی ہے جب تک وہ چاہتا ہے۔ جب وہ بصارت چھین لیتا ہے تو وہ آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ تب تک دانت چلتے ہیں جب تک وہ چاہتا ہے۔ جب وہ چھین لیتا ہے تو ایک ایک کر کے گر جاتے ہیں کوئی انہیں روک نہیں سکتا۔ اعضاء و جوارح بدن کے تب تک ساتھ دیتے ہیں جب تک اللہ کا حکم ہو۔ ایک ایک سیل اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ سو فرمایا یہ اپنی مدد نہیں کر سکتے دوسرے کی کیا کریں گے۔ یہ اپنے وجود اپنی بقاء اپنی ذات کے لئے میرے محتاج ہیں۔

معرفت الٰہی کے لئے معرفت پیغمبر ﷺ:

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

میرے حبیب ﷺ آپ اگر انہیں دعوت دیں گے تو یہ آپ ﷺ کی بات ہی نہیں سنیں گے ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں کفر نے ان کے دل برباد کر دیئے ہیں جو۔ ابوجہل کے درجے کو پہنچ چکے ہیں وہ آپ ﷺ کی بات کیا سنیں گے۔ حالانکہ حضور ﷺ کی آواز تو کفار و مشرکین سنتے تھے۔ طنز بھی کرتے تھے ایذا بھی دیتے تھے مذاق بھی اڑاتے تھے لیکن اللہ فرماتے ہیں یہ نہیں سنتے۔ سننا وہ ہے جس پر بندہ غور کر کے اسے قبول کرے۔ وہ

تو سنتا ہے۔ جو سن کر مذاق میں اڑا دے گویا اس نے سنا ہی نہیں اور فرمایا وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ اے میرے میرے حبیب ﷺ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ دیدے پھاڑ پھاڑ کر آپ کو دیکھ رہے ہیں وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ لیکن یہ آپ کو دیکھ نہیں سکتے کافر اندھے تو نہیں تھے حضور ﷺ کو دیکھتے تھے۔ دیکھتے نہیں تھے تو ایذا کیسے دیتے تھے، پتھر کیسے پھینکتے تھے، کس طرح سے پھبتیاں کستے تھے اور مذاق کس طرح سے اڑاتے تھے؟ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ آپ پر نگاہ تو ڈالتے ہیں دیکھتے نہیں ہیں یہ آپ کو نہیں دیکھ رہے یہ اپنے آپ جیسا انسان محض بنو ہاشم کا ایک فرزند قریش کا ایک نوجوان دیکھ رہے ہیں۔ انہیں محمد رسول اللہ ﷺ نظر نہیں آ رہا یہ آپ ﷺ کی شان سے ناواقف ہیں۔ یہ اندھے ہو چکے ہیں۔ ان کے دل کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں۔ یہ محض اپنے رشتہ دار قریش کے ایک نوجوان کو دیکھ رہے ہیں محمد بن عبداللہ کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھ رہے۔ دیکھنا تو محمد رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ یہ آپ ﷺ کی اس شان سے بے بہرہ ہو چکے ہیں۔ مقام رسالت یہ ہے کہ رب جلیل نے فرمایا وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴ النجم: 4-3 میرا حبیب ﷺ اپنی پسند سے لب تک نہیں ہلاتا وہی بات ارشاد فرماتا ہے جو اسے وحی کی جاتی ہے۔ سبحان اللہ! آپ ﷺ نے جو فرمایا یا قرآن تھا یا حدیث رسول ﷺ تھی۔ آپ نے جو ارشاد فرمایا یا وہ اللہ کا قرآن تھا یا قرآن کی تفسیر حدیث رسول ﷺ تھی۔ نطق کہتے ہیں لب، زبان، تالو سب سے مل کر آواز نکالنا۔ جس آواز کا کوئی معنیٰ ہو یعنی بات کرنے کو نطق کہتے ہیں اس لئے انسان کو حیوان ناطق کہتے ہیں۔ ایسا حیوان جسے بات کرنے کا شعور ہے فرمایا مَا يَنْطِقُ میرا حبیب نہ لب ہلاتا ہے نہ زبان مبارک ہلاتا ہے نہ کوئی بات ارشاد فرماتا ہے مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اپنی مرضی سے کچھ ارشاد نہیں فرماتے وہ فرماتے ہیں جو ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہے قرآن تو وحی الٰہی ہے ہی حدیث بھی وحی الٰہی ہے کہ حضور ﷺ تو وحی الٰہی کے بغیر زبان نہیں ہلاتے تھے اس لئے علماء فرماتے ہیں قرآن وحی متلو ہے وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے اس کا مطلب ہے کہ قرآن کے الفاظ بھی وحی کے ہیں اللہ کے ہیں اور مفہوم بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ حدیث وحی غیر متلو ہے وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے وہ بھی وحی الٰہی ہے الفاظ حضور ﷺ کے ہیں مفہوم وہ ہے جو اللہ نے ارشاد فرمایا لہٰذا وہ قرآن کی تفسیر ہے۔

جس نے نبی کریم ﷺ کو نہیں پہچانا اس سے اطاعت نہیں ہوتی:

اب وہ ہستی جو وحی کے بغیر کلام ہی نہ فرمائے اس کی کوئی بات ایسی بھی ہے جو چھوڑ دی جائے اگر وہ

چھوڑ دی جائے گی تو اللہ کی بات چھوڑی جائے گی چونکہ وہ تو اللہ کی بات کے علاوہ ارشاد نہیں فرماتے تو جس نے اللہ کی بات چھوڑ دی تو پھر اس کے پاس باقی کیا بچا؟ سو فرمایا میرے حبیب ﷺ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ یہ لوگ آپ پر نظریں تو ڈالتے ہیں وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ لیکن آپ ﷺ کی شان نہیں سمجھ سکتے۔ آپ ﷺ کی عظمت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ آپ ﷺ کے منصب جلیلیہ کو نہیں جان سکتے اور جس کسی نے نبی کریم ﷺ کو پہچانا نہیں اس سے اطاعت نہیں ہوتی۔ یہ ہم دیکھتے ہیں ہمارے گھروں میں ہماری برادری میں ہمارے گاؤں میں ہمارے شہروں میں ہمارے عزیز و اقارب ہمارے دوست ہمارے دشمن بے شمار لوگ ایسے ہیں جو کبھی سجدہ نہیں کرتے مسجد نہیں جاتے حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتے بینکوں سے ڈاک خانوں سے سود لے کر کھائے جا رہے ہیں پرواہ نہیں کرتے کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے محمد رسول اللہ حبیب کبریاء ﷺ کو پہچانا ہی نہیں۔ بات پتہ ہے کہاں جا پہنچتی ہے ہم سارے دعویٰ تو کرتے ہیں مسلمانی کا، جو مرتا ہے اس کا جنازہ بھی ہم پڑھ دیتے ہیں اور اس کی مغفرت کے لئے دعا بھی کر دیتے ہیں اور امید بھی رکھتے ہیں کہ اللہ اسے بخش دے اللہ کریم ہے لیکن یہ دیکھو کس کی زندگی میں محمد رسول اللہ ﷺ کی اہمیت کتنی ہے کیا اس نے حضور ﷺ کی عظمت کو پہچانا؟

آج کسی کی جرأت ہے کہ کسی حکمران کے حکم کے خلاف کرے۔ اس کی جرأت ہے کہ کسی MPA-MNA کے خلاف حکم کرے یا کسی چوکیدار تھانیدار کے خلاف کرے جو وہ کہیں گے وہی کرے گا ان کے خلاف نہیں کر سکتا تو ان کی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کی اتنی اہمیت ہے کہ جو آپ ﷺ فرماتے ہیں اسے پوچھتا ہی کوئی نہیں اس پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتا۔ کیوں ہم سے نمازیں چھوٹ گئی ہیں، کیوں ہم جھوٹ بولتے ہیں، کیوں ہم ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے پھرتے ہیں، کیوں ہم ایک دوسرے کو قتل کرتے پھرتے ہیں؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارا تعلق محمد رسول اللہ ﷺ سے ختم ہو چکا ہے۔ جو لوگ یہ سب کچھ کر رہے ہیں انہوں نے عظمت رسالت پناہی کو سمجھا ہی نہیں، پہچانا ہی نہیں۔ ایک رسم ہے مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے۔ اب وہ مسلمانی گلے پڑ گئی انہوں نے تحقیق نہیں کی کہ حضور ﷺ کا مقام کیا ہے آپ ﷺ کی شان کیا ہے اور جسے سمجھ آ جائے اس کی جرأت نہیں پڑتی کہ حضور ﷺ کے حکم کے خلاف کچھ کر سکے۔

فرمایا خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ سبحان اللہ! کسی نے بہت خوب کہا تھا۔

'یا رب تو کریمی و رسول تو کریم'
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

اے اللہ تو بھی کریم ہے اور تیرا رسول ﷺ بھی کریم ہے اور تیرا شکر کہ ہم دو کریموں کے درمیان ہیں اور دیکھو کیا ارشاد ہو رہا ہے۔ کہ یہ آپ ﷺ کی بات کو پہچانتے ہی نہیں۔ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے آپ ﷺ کی عظمت رسالت سے واقف ہی نہیں۔ آپ ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ فرمایا خُذِ الْعَفْوَ ان سے درگزر فرمائیں سبحان اللہ! ان کو جو مہلت اللہ نے دی ہے جب تک موت نہیں آتی ان سے درگزر فرمایئے کوئی سزا نہ دیجئے ان کے لئے بددعا نہ کیجئے ان کے ساتھ کوئی جنگ نہ کیجئے۔ درگزر کیجئے۔

وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ اور بھلی بات ارشاد کرتے رہیئے یہ مانیں یا نہ مانیں آپ نیکی کی بات کرتے رہیئے۔ نیک کاموں کا حکم دیتے رہیئے وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ جو جاہل ہیں یعنی جو آپ کو پہچانتے ہی نہیں آپ بھی ان سے کنارہ کر لیجئے۔ نہیں پہچانتے تو نہ پہچانیں۔ تین درجے لوگوں کے اللہ نے فرمائے ہیں۔ ایک وہ جن سے درگزر فرمایئے لیکن دوسرا ان لوگوں کا ہے جن کو نیکی کا حکم کرتے رہیئے شائد کبھی مان ہی لیں اور تیسرے وہ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو پہچانا ہی نہیں آپ بھی انہیں نہ پہچانیئے ان سے کنارہ کش ہو جائیں الگ ہو جائیں۔

ذرا میرے وہ بھائی جو دین پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتے حرام کھانا چھوڑ نہیں سکتے جو جھوٹ بولنا نہیں چھوڑ سکتے جو قتل و غارت گری کرتے پھرتے ہیں ذرا یہ سوچ لیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا وَاَعْرِضْ کنارہ کش ہو جایئے، رخ انور پھیر لیجئے اعراض ہوتا ہے مُڑ جانا عَنِ الْجٰهِلِيْنَ یہ آپ ﷺ جانتے ہی نہیں ذرا ان سے کوئی یہ پوچھے کہ جب محمد رسول ﷺ نے کنارہ کر لیا تو قبر میں حشر میں تمہارا کیا بنے گا۔ تمہارا کون ہوگا وہاں کس کا دامن تھامو گے؟ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۰۰ اے میرے بندو جو میرے نبی ﷺ کا اتباع کرتے ہو جو میرے نبی ﷺ کو پہچانتے ہو جو میرے حبیب ﷺ سے پیار کرتے ہو اور اس پیار میں آپ ﷺ کی غلامی اختیار کئے ہوئے ہو شیطان تمہیں بھی وسوسے ڈالنے سے باز تو نہیں آئے گا۔ شیطان کا تو کام ہی یہی ہے۔ اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ تو اللہ کی پناہ مانگو۔ تمہارے پاس تو آسان سا علاج ہے۔ تمہیں تو صرف تعوذ پڑھنا ہے۔ تم نے صرف یہ کہنا ہے اے اللہ میں شیطان سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ تو مجھے شیطان سے بچا۔ بات ختم اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اللہ بے شک سنتا بھی ہے۔ وہ تمہاری پکار سن رہا ہے اور تم نہ بھی پکارو تو وہ سنتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی حفاظت فرما رہا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تم بتلاؤ گے تو اللہ کو پرواہ ہوگی تمہارے بتائے بغیر بھی وہ جانتا ہے لیکن اگر تم پکارو گے تو تمہارے پکارنے کا بھی ایک درجہ ثواب ملے گا اور جب تم اللہ کا نام لو گے تو شیطان خود بھاگ جائے گا۔ لہٰذا اپنے دل کو زندہ کرو نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس دل کو اللہ اللہ نصیب ہو

جائے جو دل ذاکر ہو جائے تو شیطان جو مچھر کی طرح کاٹتا ہے اس طرح اپنی سونڈھ دل میں داخل کرتا ہے کہ کوئی وسوسہ ڈالوں جب دل میں اللہ اللہ ہو رہی ہو تو پیچھے کھینچ لیتا ہے اور غافل دل ہو تو اس میں وسوسے انڈیلتا رہتا ہے وسوسوں کا علاج یہاں اس آیہ کریمہ میں اللہ نے بتا دیا کہ اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے یعنی وسوسہ آئے نہیں محض آنے لگے یہ خطرہ ہی ہو کہ مجھے کوئی وسوسہ آئے گا تو فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اللہ کی پناہ مانگ لو۔ اللہ کا ذکر کرو اللہ کو پکارو وہ سن بھی رہا ہے اور جانتا بھی ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۤىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ یقیناً اِنَّ الَّذِيْنَ جو لوگ پرہیز گار ہیں پرہیز گاری کیا ہے؟ ہر اس کام سے پرہیز جس سے حضور ﷺ نے منع فرما دیا پرہیز گاری ہے۔ ہر اس بات پر عمل جس کا محمد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ یہ پرہیز گاری ہے اور یہ تقویٰ ہے۔ فرمایا جو لوگ پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں میرے حبیب ﷺ کی غلامی خلوص دل سے اختیار کرتے ہیں اِذَا مَسَّهُمْ طٰۤىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ جب شیطان کی طرف سے انہیں کوئی وسوسہ آتا ہے تَذَكَّرُوْا تو وہ اللہ کی یاد میں لگ جاتے ہیں۔ اللہ کے ذکر میں لگ جاتے ہیں جب شیطانی وسوسہ آتا ہے وہ ذکر قلبی میں اللہ کی یاد میں لگ جاتے ہیں لسانی طور پر درود شریف پڑھنے لگتے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ پڑھنے لگ جاتے ہیں کوئی تسبیح پڑھنا شروع کر دیتے تعوذ پڑھتے ہیں تسمیہ پڑھتے ہیں اور اگر قلبی ذکر نصیب ہو تو پھر اس کا تو ثانی ہی کیا ہے! جب وہ ذکر کرتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں انہیں پتہ چل جاتا ہے یہ شیطان بکواس کر رہا ہے شیطان بھاگ جاتا ہے اور یاد رکھو قرآن نے ایک ایک بات پر بحث فرمائی ہے یاد رکھو وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ ان کے کچھ بھائی ایسے بھی ہوتے ہیں۔ رشتہ دار دوست ملنے جلنے والے جو برائی کی طرف کھینچتے رہتے ہیں يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ گمراہی کی طرف انہیں کھینچتے رہتے ہیں مشورے دیتے اور ترغیب دلاتے ہیں کہ ادھر آ جاؤ یہاں اتنے پیسے ملتے ہیں، فلاں عہدہ مل جائے گا غیر اللہ کی غلامی کر لو یہ مل جائے گا اور برائی کرنے والے کبھی اپنی برائی کے مشوروں میں کمی نہیں کرتے ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ ہمیشہ برائی کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں کہ ہماری بات مان لو۔ چھوڑو کیا تم ملاں بن گئے ہو تم پر ہر وقت مسجد کی دھن سوار رہتی ہے۔ کھاتے پیتے کیوں نہیں یہ کون سا حرام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بدکار لوگوں کو برائی میں مبتلا کرنے کے لئے اتنی محنت کرتے ہیں تو جو لوگ دامان پیغمبر ﷺ سے وابستہ ہیں انہیں کیا زیادہ محنت نہیں کرنی چاہیے؟ جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے وابستہ ہیں انہیں ان بدکاروں کی نسبت تو کئی گنا زیادہ محنت کرنی چاہیے کہ کسی نہ کسی بندے کو اللہ کے غضب سے بچا لیں۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ فرمایا اگر نبی ﷺ کریم کے پاس کچھ دن وحی نہیں آتی کچھ آیات نازل نہیں ہوتیں تو یہ بدکار کہتے ہیں لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ آپ خود کیوں نہیں گھڑ لیتے ؟ جب حضور ﷺ پر ایک سوال پیش ہوا اور دو چار دن وحی نہ آئی تو کفار نے کہا آپ خود کیوں نہیں گھڑ لیتے۔ فرمایا اے میرے حبیب آپ ﷺ ان سے فرما دیجئے اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ میں کوئی لفظ اپنی طرف سے ارشاد نہیں فرماتا میں اتباع کرتا ہوں اس وحی کا جو میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر آتی ہے اور جس وحی کی میں پیروی کرتا ہوں هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے سراپا دانش و بصیرت ہے یعنی ساری کی ساری دانش، ساری کی ساری بصیرت قرآن کے سمجھنے میں ہے۔

ببیں تفاوت را از کجا است تا با کجا

وقت بدل گیا کہ آج کا نو دولتیہ طبقہ اور برسر اقتدار طبقہ قرآن کی تعلیمات کو کہتا ہے کہ یہ پرانی ہو چکیں یہ قدامت پسندی ہے اور جو بے حیائی انہوں نے خود اختیار کی ہے اسے روشن خیالی کہتے ہیں، جدیدیت کہتے ہیں کہ ہم تو نئے عہد کے نئے لوگ ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اے میرے حبیب ﷺ ان لوگوں سے کہہ دیجئے میں ایک لفظ بھی اپنی طرف سے نہیں بناتا وہی ارشاد فرماتا ہوں جو میرا پالنہار میرا پروردگار مجھ پر وحی فرماتا ہے۔ اس کا مطلب ہے وحی فرمانا بھی صفت ربوبیت کا مظہر ہے اللہ رب ہے۔ ساری ضرورتیں پوری کرنا اس نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ لوگوں کی ہدایت کا سامان مہیا کرنا بھی اسی کے لائق ہے اسی کی شان ہے اسی کو زیبا ہے اور وہ مجھ پر وحی فرماتا ہے اور یہ وحی معاذ اللہ مذاق نہیں ہے۔ ساری کی ساری دانش اور بصیرت اس وحی میں ہے یہی ہدایت ہے اور یہی قرآن ساری رحمت ہے لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ لیکن نصیب انہیں ہوگا جنہیں ایمان نصیب ہوگا یہ ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ساری دانش دنیا و آخرت کی ساری دانائی ساری عقلمندی قرآن کو پڑھنے اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے پر موقوف ہے اور ہم ہر وقت رحمت الٰہی کے محتاج ہیں اور فرمایا ساری کی ساری رحمت یہی ہے اس پر ایمان لاؤ۔ اس کا اتباع کرو۔ اس کے احکام پر عمل کرو تمہیں قدم قدم پر رحمت الٰہی ملے گی لیکن یاد رکھو یہ ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جن کا ایمان صحیح ہوتا ہے۔

قرآن حکیم سننے کے آداب:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے

تو اسے غور سے سنو خاموش رہو تا کہ تم پہ رحم کیا جائے۔ تلاوت قرآن پاک سنت ہے لیکن اگر تلاوت ہو رہی ہو تو اسے سننا فرض ہے۔ خاموش رہ کر سننا فرض ہے۔ اب یہ صرف سامعین پر نہیں تلاوت کرنے والے کو بھی یہ دیکھنا چاہیے کہ سامعین جہاں آرام سے سن سکتے ہیں اس کی طرف متوجہ ہیں وہاں بلند آواز سے تلاوت کرے اور اگر سامعین کے لئے بیٹھنا اور آرام سے سننا ممکن نہ ہو تو پھر تلاوت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ آہستہ تلاوت کرے اس حکم کی نافرمانی اور تلاوت کی بے حرمتی کی ایک صورت مروجہ شبینہ ہے۔

لاؤڈ سپیکر پر تلاوت شروع کر دیتے ہیں سپیکر باہر لگا دیئے ہیں اور آواز سارے گاؤں میں سنائی دے رہی ہوتی ہے۔ سارا گاؤں خواتین، بچے مرد کس طرح سارا کاروبار چھوڑ کر بیٹھ کر سن سکتے ہیں یہ ممکن نہیں ہے۔ کوئی رفع حاجت کے لئے جا رہا ہے۔ کوئی جانور باندھ رہا ہے کوئی اپنے کاروبار میں لگا ہے کوئی کھانا بنا رہا ہے کوئی کھا رہا ہے۔ تو اس سارے کی ذمہ داری ان پر آتی ہے جو بلند آواز سے تلاوت کر رہے ہیں۔ کوئی شبینہ کرانا چاہتا ہے تو کرائے۔ اچھی بات ہے لیکن مسجد میں یا گھر میں جہاں کرتا ہے وہاں سپیکر اندر ہونے چاہئیں چھوٹے سپیکر ہوں جو اندر ہوں۔ جتنی دیر جو سننا چاہتا ہے جس کے پاس جتنا وقت ہے وہ اندر جائے۔ آرام سے باوضو، باادب بیٹھ کر سنے۔ جب کوئی تھک جائے یا اسے نیند آ جائے تو اٹھ کر چلا جائے۔ یہ جو باہر سپیکر لگا کر پوری بستی کو یا دور دور تک سنایا جاتا ہے درست نہیں۔ تلاوت کرنے والے کو بھی چاہیے کہ اگر بہت سے لوگ بیٹھے تلاوت کر رہے ہیں تو اتنا شور نہ کرے کہ ایک دوسرے کو ڈسٹرب کریں اپنا اپنا خاموشی سے دل لگا کر آہستہ آواز میں پڑھیں۔ اپنے لئے تلاوت کریں جیسے مسجد میں دس بارہ پندرہ بندے تلاوت کر رہے ہوتے ہیں اپنے اطمینان سے، سمجھ سے، شعور سے اور خشوع وخضوع خود سے تلاوت کریں مسجد میں تو کوئی نوافل پڑھنے آ جاتا ہے۔ کوئی جماعت سے رہ گیا وہ فرائض پڑھنے آ جاتا ہے تو ان کو پریشان نہ کیا جائے۔ یعنی یہ صرف سامعین پر نہیں ہے پڑھنے والے پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جہاں وہ سمجھتا ہے کہ کچھ لوگ میری تلاوت سن رہے ہیں وہاں تلاوت سنائے اور سامعین خاموش رہ کر سنیں۔ جیسے امام صاحب جماعت پڑھاتے ہیں اور پیچھے سارے مقتدی خاموش رہتے ہیں تو اس کی دلیل بھی یہیں سے لی گئی ہے کہ جب امام قرآن پڑھ رہا ہے تو باقی خاموش رہ کر سنیں امام جب تکبیر کہتا ہے تو مقتدی اس کے پیچھے تکبیر کہتے ہیں۔ امام التحیات پڑھتا ہے تو مقتدی التحیات اپنا پڑھتے ہیں امام ثناء پڑھتا ہے تو ثناء وہ اپنی پڑھتے ہیں لیکن جب وہ سورۂ فاتحہ سے قرآن کریم شروع کرتا ہے اور دوسری سورت ملاتا ہے تو سارے مقتدی خاموش ہو جاتے ہیں۔ تو قرآن کا خاموشی سے اور متوجہ ہو کر سننا فرض ہے۔ جس چیز کا حکم قرآنی آیت سے ثابت ہو، نص سے ثابت

ہو وہ فرض ہوتی ہے۔ تو فرمایا وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ جب قرآن پڑھا جارہا ہو تو پوری توجہ سے پورے غور سے سنو وَاَنْصِتُوْا اور خاموش رہو آواز نہ نکالو لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ تاکہ تم پر اللہ کریم کی طرف سے رحم کیا جائے یعنی حصول رحم کا، اللہ کی رحمت حاصل کرنے کا، اللہ کی طرف سے اس کی مہربانیاں سمیٹنے کا سلیقہ یہ ہے کہ جب قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو تو خاموشی سے اور متوجہ ہو کر سنو۔ تلاوت کرنے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر اس انداز سے پڑھے کہ الفاظ کی سمجھ آ رہی ہو اور اس کی سب سے زیادہ خلاف ورزی نماز تراویح میں ہوتی ہے۔ حفاظ کرام کو جلدی ہوتی ہے کہ ختم کریں پیچھے جتنے نمازی کھڑے ہیں انہیں کوئی سمجھ نہیں آتی کیا پڑھ رہے ہیں کہاں سے پڑھ رہے ہیں اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ٹھہر کر پڑھنے سے دیر ہو جاتی ہے تو ختم پڑھنے سے چھوٹی سورتیں پڑھ لینا بہتر ہے لیکن امام کم از کم اس انداز سے پڑھے کہ پچھلوں کو سمجھ آ رہی ہو کہ کون سی آیت پڑھ رہا ہے یا کون سا لفظ ادا کر رہا ہے۔ سامعین کو بھی سمجھ آنی چاہیے۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر کوئی شبینہ کرنا چاہتا ہے ختم قرآن کرنا چاہتا ہے تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ جتنے لوگ سامعین ہیں وہ پیچھے نفل نیت کر لیں اور امام نفلوں کی نیت کرے اور اس میں پارہ پارہ ایک ایک رکعت میں دو دو پارے بے شک پندرہ پندرہ پارے پڑھے دو رکعت میں سننے سنانے کا پتہ چلے لطف آئے۔ اتنی دیر کھڑے نہیں ہو سکتے تو آدھا آدھا پارہ پڑھ کے دو رکعت میں پارہ پڑھ لے اس طرح سے پندرہ دفعہ نفل کی نیت کریں تو قرآن ختم ہو جائے گا لیکن ہم لوگ محنت بھی نہیں کرنا چاہتے، ہم اللہ کو راضی نہیں کرنا چاہتے۔ ہم لوگوں کو سنوانا چاہتے ہیں کہ میں نے شبینہ کرایا اور اس کے لئے اتنا اہتمام کیا قرآن حکیم ہدایت کے لئے ہے کسی کی نمائش یا شان بنانے کے لئے نہیں ہے۔ لہٰذا ارشاد ہو رہا ہے کہ قرآن حکیم سننے سنانے کا احترام ملحوظ رکھو۔

خشوع حاصل کرنے کا طریقہ:

اس کے بعد خشوع و خضوع اور متوجہ الی اللہ ہونا ہے اس کے لئے دل کی ایک خاص حالت چاہیے۔ قلب کی ایک خاص کیفیت چاہیے ورنہ آپ خاموش بیٹھے رہیں گے تو دل کہیں اور بھٹکتا رہے گا اور پتہ نہیں کیا جمع تفریق کرتا رہے گا اور کیا باتیں سوچ رہا ہوگا۔ بدن کہیں ہوگا دل کہیں ہوگا اس کا سلیقہ بتایا کہ اس دل کو ذاکر کرو۔ جب دل خود ذاکر ہوگا خود اللہ کے نام سے آشنا ہوگا جب اس میں انوارات و تجلیات باری منعکس ہوں گے جب اس میں نبی کریم ﷺ کے انوارات و برکات آئیں گے تو یہ خود کلام الٰہی کی طرف کھچا رہے گا اس طرف متوجہ رہے گا۔ اس کا طریقہ کیا ہے؟ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں یاد کر، اللہ اللہ اللہ، دل ہی دل میں اللہ کا ذکر کر وتَضَرُّعًا نہایت عاجزی سے یہ

احساس رہے کہ میں جس کا نام لے رہا ہوں وہ رب العالمین ہے اور میں اس کی مخلوق میں سے ایک ادنیٰ سا فرد ہوں۔ جس کی مخلوق میں شمار نہیں کر سکتا وہ جانے اور اس کی مخلوق جانے۔ ان لشکروں کا جو اس نے پیدا فرمائے ہیں میں ایک ادنیٰ فرد ہوں۔ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً اس خوف سے ہیبت الٰہی طاری ہو ہیبت الٰہی کا احساس ہو اسے مذاق نہ سمجھا جائے اسے عام نہ لیا جائے بلکہ اللہ اللہ کے ساتھ ایک تو عاجزی ہو اپنی محتاجی کا احساس ہو دوسرے عظمت الٰہی کا ادراک ہو۔ دل پر اس کی ہیبت طاری ہو کہ وہ بہت بڑی ہستی ہے اور میں ایک ذرۂ بے قیمت ہوں میں اس کا نام لے رہا ہوں۔ وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ اس میں آواز ہیں آنی چاہئے اور اونچی آواز کے بغیر یعنی جہر نہیں ہونا چاہیے خفی ہونا چاہیے بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رات دن مسلسل کیا جائے۔ ہر وقت ہر لمحے کیا جائے بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ سے بھی یہی مراد ہے ہمہ وقت صبح، شام، رات دن ہر لمحے وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ کتنا کیا جائے۔ کوئی اس کی تعداد ہے؟ کہ ایک لاکھ بار دس لاکھ بار پچاس لاکھ بار کیا جائے فرمایا وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ غافلوں میں سے مت ہونا۔ اب عمر بھر کی غفلت بھی غفلت ہے۔ پانچ دس سال کی غفلت بھی غفلت ہے ایک دن کی غفلت بھی غفلت ہے۔ ایک گھنٹے کی غفلت بھی غفلت ہے ایک لمحے کی غفلت بھی غفلت ہے۔ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی سوانح حیات مہر منیر ہے اس میں ایک واقعہ نظر سے گزرا کہ آپؒ کی محفل میں کسی نے ذبیحہ کا مسئلہ پوچھا انہوں نے وہ مسئلہ بتایا۔ بعض اوقات جانور بے ہوش ہو گیا، گولی لگی، زخمی ہو گیا لیکن جب تک دل دھڑک رہا ہوتا ہے تب تک وہ مرتا نہیں اور جب ذبح کیا جائے تو دل دھڑکنے کی دلیل یہ ہے کہ جب ذبح کریں تو گردن کی رگیں جب کٹتی ہیں تو ان سے خون نکلتا ہے چونکہ دل اسے پمپ کر رہا ہوتا ہے۔ جب دل کی حرکت رک جائے پھر ذبح کریں تو رگوں سے خون نہیں نکلتا۔ تو وہ مسئلہ بتانے کے بعد پیر صاحب محفل میں بیٹھے دوستوں اور خادموں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ جانور مکلف نہیں ہے لیکن اگر اللہ کے نام کے بغیر اس کا دم نکل جائے تو حرام ہو جاتا ہے اس کا کھانا حلال نہیں حالانکہ حلال جانور ہو لیکن چاہیے کہ اس کا دم اللہ کے نام پر نکلے اور اگر اللہ کے نام کے بغیر نکل جائے تو حرام ہو جاتا ہے تو انسان جو مکلف ہے اس کی جتنی سانسیں اللہ کے نام کے بغیر نکلتی ہیں کیا وہ حرام نہیں ہیں۔ اسی لئے صوفیوں کا ایک مقولہ ہے ''جو دم غافل سو دم کافر'' اس میں ناشکری کی گئی اللہ کا شکر ادا نہیں کیا گیا لہٰذا قرآن کریم کی یہ آیہ کریمہ ذکر خفی کا پورا طریقہ بتاتی ہے۔ کئی لوگ طریقہ ذکر پر اعتراض کرتے ہیں۔ ذکر خفی قلبی پر حضرت صاحب حافظؒ سے کسی نے اعتراض کیا تھا تو انہوں نے یہ آیہ کریمہ سورۂ اعراف کی پڑھی فرمایا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ اپنے دل میں اللہ کو یاد کر عاجزی سے خوف سے اور آواز کے بغیر رات دن ہمہ وقت اور غافلوں میں سے نہ ہونا۔ فرمایا اگر ہمارا طریقہ ذکر خفی کا درست نہیں ہے تو اس آیت کے مطابق کوئی دوسرا طریقہ بتا

کے دکھاؤ۔ یہ جو آیہ کریمہ حکم دے رہی ہے اس کے مقابل کوئی طریقہ بتا کر دکھاؤ کہ ہر سانس میں اللہ کا نام بھی ہو، اس میں دل بھی شامل ہو، آواز زبان سے نہ نکلے، زبان خاموش ہو اور پھر دن رات ہوتا رہے، دل غافل نہ ہو، ہمہ وقت دل ذاکر ہو جائے آپ سو رہے ہوں دل اللہ اللہ کر رہا ہے۔ آپ چل پھر رہے ہوں وہ اللہ اللہ کر رہا ہے۔ آپ کام کر رہے ہیں ''ہتھ کار وَل دل یار وَل'' آپ کام کر رہے ہیں ہاتھ پاؤں کام میں مصروف ہیں دل اللہ اللہ کر رہا ہے۔ فرمایا یہ جو آیہ کریمہ ہے اس کے مطابق کوئی طریقہ بنا کے مجھے دکھاؤ۔ تو واپس اسی جگہ آؤ گے کہ پوری توجہ دل پر کر کے سانس کی آمد و شد میں اللہ ھو کو سمو دیا جائے اور جب قلب ذاکر ہوتا ہے، لطائف ذاکر ہوتے ہیں قلب، روح، سری، خفی اور سلطان الاذکار۔ سلطان الاذکار جب ذاکر ہوتا ہے تو بدن کا ذرہ ذرہ ذاکر ہو جاتا ہے۔ ہر سیل چھوٹے سے چھوٹا سیل جو بدن میں ہے وہ ذاکر ہو جاتا ہے۔ جب ہر سیل اللہ کا نام لیتا ہے تو ہزار کھرب بار اس کے وجود سے اللہ کا نام نکلتا ہے۔

ایک حکیم صاحب ہوتے تھے شاہ صاحب مرحوم اللہ پاک مغفرت فرمائے ملتان سے تعلق رکھتے تھے فوت ہو گئے۔ انہوں نے بڑی قیمتی بات کہی۔ ایک دفعہ حضرت جی سے کہنے لگے کو جو احسان بحیثیت ذکر خفی قلبی عطا کر کے مجھ پر کیا ہے اگر میری کھال اتار لی جائے اور اس سے جوتے بنا کر آپ کو پہنا دیئے جائیں پھر بھی اس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے بڑا قیمتی جملہ کہا کہ جو شخص یہ اہلیت رکھتا ہے کہ قلب ذاکر ہو جائے سلطان الاذکار نصیب ہو جائے وجود کا ہر سیل ذاکر ہو جائے تو اگر وجود کی کھال اتار کر اس شخص کے لئے جوتے بنوا دیئے جائیں تو پھر بھی اس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا یہ اتنی بڑی نعمت ہے۔

ذکر خفی کے قرآنی اصول:

قرآن کریم نے اس کا پورا پورا طریقہ ارشاد فرما دیا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اپنے پروردگار کو یاد کر فِيْ نَفْسِكَ دل ہی دل میں تَضَرُّعًا عاجزی سے وَّخِيْفَةً اس کی عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہیبت الٰہی کو تصور میں لاتے ہوئے وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بغیر آواز نکالے۔ زبان بند، ہو خاموشی ہو متوجہ الی اللہ ہو۔ اپنی بے مائیگی کا احساس ہو۔ اس کی جلالت اور عظمت کا احساس ہو بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رات دن، صبح شام، ہمہ وقت وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ کوئی لمحہ ایسا نہ آئے کہ جس میں تو اللہ کا ذکر نہ کر رہا ہو۔ کبھی غافل نہ ہونا۔ زبان سے جو ذکر کیا جاتا ہے وہ بھی ذکر الٰہی ہے لیکن زبان ہمہ وقت ذکر نہیں کر سکتی اسے اور بھی بہت سے کام ہیں بہت سی باتیں کرنا ہوتی ہیں عملاً جو کام شریعت کے مطابق کیا جاتا ہے وہ عملی ذکر ہے لیکن شاید پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم سارے کام شریعت کے مطابق نہیں کرتے ہم سے بہت سی نافرمانیاں ہو جاتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر

کوئی ایسا فرشتہ صفت انسان ہو جو ہر قدم شریعت کے مطابق اٹھائے ہر بات شریعت کے مطابق کرے ہر کام شریعت کے مطابق کرے تو جب وہ سو جائے گا تو کام تو ختم ہو جائیں گے پھر تو ذکر چھوٹ گیا، غفلت آگئی، زبان خاموش ہو جائے گی، سو جائے گا تو غفلت آگئی لیکن جب دل ذاکر ہو جاتا ہے تو بندہ سو جائے وہ دھڑک رہا ہے، بندہ کام کر رہا ہے وہ دھڑک رہا ہے، بندہ بے ہوش ہو گیا وہ دھڑک رہا ہے۔ اگر اس نے دھڑکنا بند کر دیا تو زندگی کی شمع بند ہو جائے گی۔ جب تک سانس کی ڈوری چل رہی ہے وہ دھڑک رہا ہے۔ اب اگر اس کو اللہ اللہ پہ لگا دیا جائے اور وہ اللہ اللہ پہ لگ جائے تو پھر اس سے بڑی بات کیا ہے۔ کسی شخص کے پاس کسی کو ذکر قلبی اور لطائف بھی نصیب ہو جائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ بڑا ہی بیوقوف ہے کہ اس سے بڑی کسی کرامت کا مطالبہ کرے۔ یہ بجائے خود اتنی بڑی کرامت ہے کہ کسی کے پاس بیٹھ کر آپ کے ہر سیل کو ذکر الٰہی نصیب ہو جائے اور ایک لمحے میں ایک ہزار کھرب دفعہ اللہ ہو بدن سے نکلے تو وہ چلتا پھرتا ایک اللہ کے نام کا روشن ستارہ بن جاتا ہے۔

دنیا دار عمل ہے یہاں عمل کرنا پڑتا ہے اللہ و اللہ کے رسول ﷺ پر اعتماد کر کے۔ یہاں ہم جتنا عمل کرتے ہیں اس میں قبولیت کی ایک ہی شرط ہے کہ اعتماد علی الرسول ہو۔ ہم قرآن پڑھتے ہیں ہمیں نبی کریم ﷺ پر اعتماد ہے کہ یہی قرآن ہے جو اللہ نے نازل فرمایا۔ ہمیں صحابہ کرامؓ پر اعتماد ہے کہ انہوں نے پوری دیانت اور امانت سے وہی قرآن آگے منتقل کیا۔ ہمیں تابعین، تبع تابعین، علمائے امت اور آج تک جس طرح ہمیں وراثتاً قرآن حکیم نصیب ہوا ان سب لوگوں پر اعتماد ہے۔ کس کی وجہ سے؟ محمد رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے کہ انہوں نے آپ ﷺ کا بتایا ہوا قرآن ہم تک پہنچایا اس میں جو احکام ہیں ان کی تشریح حضور ﷺ کی حدیث پاک میں ملتی ہے آپ ﷺ کی حدیث کو قرآن نے وَالۡحِکۡمَۃَ فرمایا ہے وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ ۚ آل عمران: 164 ان کو کتاب کی تعلیم فرماتے ہیں اور دانائی کی۔ دانائی کیا ہے؟ قرآن کریم کی وہ تفسیر جو محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ دانائی ہے۔ عرب بہت بڑے زبان دان تھے۔ کوئی آیہ کریمہ نازل ہوتی حضور ﷺ وہ آیت سناتے اور کئی دفعہ استفسار فرماتے، پوچھ لیتے کہ سمجھ آگئی اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ تو صحابہؓ عرض کرتے تھے اللہُ ورسولہٗ اعلم۔ ہم اپنے علم یا اپنی عربی دانی یا اپنی زبان دانی یا گرائمر یا صرف ونحو سے اس کا ترجمہ نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ جانتا ہے اس کا مطلب کیا ہے اور اللہ کا رسول جانتا ہے۔ آپ ﷺ ارشاد فرمائیں گے تو ہمیں سمجھ آئے گی۔ صحابہ کرامؓ نے وہ مفہوم حضور ﷺ سے سنا حضور ﷺ کے سامنے اس پر عمل کیا۔ نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، وضو کئے، جہاد کیا،

کاروبار کیا، تجارت کی، شادیاں کیں، میتوں کے جنازے پڑھے، میتیں دفنائیں، زندگی کا ہر کام انہوں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اور نبی کریم ﷺ نے قبول فرمایا کہ یہی اسلامی زندگی ہے اور یہ قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔ تو یہ اعتماد ہے صحابہؓ پر، تابعین پر، تبع تابعین پر، مقلدین پر جن کا احسان ہم نہیں اتار سکتے کہ یہ نعمت نسلاً بعد نسلاً ہم تک پہنچی۔ اس کے پہنچانے والا ہر بندہ ہماری دعاؤں کا مستحق ہے۔ شکریے کا مستحق ہے۔

خلاصہ آیت:

اس میں پہلے ذکر کیا قرآن کریم کا کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو توجہ اور غور سے سنو اور خاموش رہو۔ اپنی باتیں نہ شروع کردو۔ زبان بند رکھو اور پوری توجہ قرآن کریم کو سننے پر لگاؤ تاکہ اللہ تم پر رحم فرمائے فرمایا تم کیسے توجہ لگاؤ گے، کس طرح متوجہ الی اللہ ہو گے؟ فرمایا اس کے لئے اپنے دل کو یاد الٰہی سے روشن کرو۔ جب دل ذاکر ہوگا تو قرآن کا ایک ایک لفظ دل پر اثر کرے گا جس طرح بارش برستی ہے۔ فصل پر اس طرح ایک ایک لفظ قطروں کی طرح اس پر پڑے گا اور اس پہ پھول کھلنا شروع ہو جائیں گے، دل اس طرف متوجہ رہے گا۔ دل کو کیسے ذاکر کریں؟ اللہ نے اس کا پورا طریقہ بتا دیا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ اللہ کو یاد کرو اپنے دل ہی دل میں عاجزی کے ساتھ ہیبت الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے، بغیر آواز کے، بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رات دن ہر لحہ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ اور کوئی لحہ غفلت کا نہ آئے۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے جس کو عطا فرما دے اور یاد رکھیں انسان جب تک دنیا میں ہے آزمائش میں ہے اور یہ اللہ کی بڑی سخت آزمائش ہے۔ دنیا کا جو اجر ہے دنیا کا جو بدلہ ہے شہرت ہے، دولت ہے دو ہی چیزیں ہیں پیسہ مل جاتا ہے یا شہرت مل گئی۔ فلاں وزیر ہو گیا، فلاں افسر ہو گیا، فلاں صدر ہو گیا۔ دولت مل گئی دو ہی چیزیں دنیا میں ملتی ہیں اور پھر دونوں سامنے نظر آتی ہیں۔ اگر کوئی عہدہ ملتا ہے تو اس کا رعب بھی نظر آتا ہے۔ آگے پیچھے گاڑیاں ہارن اور پولیس وغیرہ۔ دولت ملتی ہے تو وہ بھی نظر آتی ہے۔ بندہ سمیٹ لیتا ہے لیکن آخرت کا اجر نبی ﷺ پر اعتبار کر کے ملتا ہے کہ یہ نیکی کرو گے تو اس کا اتنا اجر ملے گا وہ دکھایا نہیں جاتا کہ یہ دیکھو یہ اتنا اجر ہو رہا ہے نہیں۔ اگر حجاب ہٹا دیا جائے۔ جنت و دوزخ عذاب و ثواب سامنے ہو تو پھر کون انکار کرے پھر تو ہر کوئی محنت کرے گا اور یہ قیامت کو دکھائی دے گا۔ کافر کہیں گے یا اللہ اب ہم نے جنت بھی دیکھ لی دوزخ بھی دیکھ لی۔ دوزخ بھی میدان حشر میں سامنے لائی جائے گی وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ النّٰزعٰت ۔ کہ لو دیکھ لو یہ دوزخ ہے جس کا تم انکار کرتے تھے وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ الشعرا:90 اور جنت بھی سنوار سنگھار کر کے

سامنے قریب ہی کر دی جائے گی۔ جنت بھی نظر آ رہی ہوگی دوزخ بھی فرشتے بھی اور حساب کتاب بھی تو کافر کہیں گے اللہ ہمیں اب دنیا میں واپس بھیج دے تو جو کام ہم دنیا میں کرتے تھے وہ نہ کریں جو کچھ تو اور تیرا نبی ﷺ فرمائے وہ کام کریں۔ لیکن یہ اتنی نازک چیز ہے اتنی نرم اور حساس چیز ہے یاد رکھو جو چیز جتنی نازک ہوتی ہے اتنی حساس ہوتی ہے۔ اور جو چیز جتنی لطیف ہوتی ہے جتنی باریک ہوتی ہے اس کی طاقت اتنی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ حکمت الٰہی ہے۔ تو دل بڑی نازک اور بڑی حساس چیز ہے۔ اب اسے کسی نے اگر دنیا میں الجھا دیا، دولت وشہرت کے پیچھے لگ گیا تو وہ Visible چیزیں ہیں نظر آنے والی چیزیں ہیں۔ پھر جہاں سے ملے گی وہاں جائے گا۔ جائز ناجائز حلال حرام اچھا برا اس کے لئے کوئی معنے نہیں رکھتا لیکن اگر دل یاد الٰہی میں لگ گیا اس کے اخروی اجر کی طرف چلا گیا تو پھر ہر وہ کام کرے گا جو کرنے کا حضور ﷺ نے حکم دیا ہے اور جہاں اس سے غلطی ہو جائے گی پھر روئے گا معافی مانگے گا توبہ کرے گا کہ میں نے اپنا نقصان کر لیا اللہ مجھے اس نقصان سے بچائے اور اس کی تلافی فرمائے۔ تو دل کے ذاکر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آخرت سے محبت، نیکی سے محبت، اللہ سے محبت، اللہ کے نبی علیہ السلام سے محبت، اللہ کے بندوں سے محبت، اللہ کی مخلوق سے بھی محبت ہو جائے تو سمجھیں کہ دل ذاکر ہے اور اگر دل ذاکر نہیں ہوتا تو نیکی میں بھی شہرت چاہتا ہے۔ بندے دیکھے گا تو نماز لمبی کر دے گا کہ یہ سمجھیں کہ بڑے خشوع وخصوع سے پڑھ رہا ہے۔ اکیلا ہوگا تو چھوٹی سی پڑھ لے گا۔ لوگوں کو دکھا کر پیسے تقسیم کرے گا فوٹو بنوا کر غریبوں کو خیرات دے رہا ہے۔ سیلاب زدگان کی مدد کر رہا ہے، اسی فکر میں رہتا ہے کہ ہر ٹی وی چینل پر فوٹو آیا؟ اخبار میں آیا؟ بس مقصد شہرتِ دنیا ہے غریبوں کی مدد کرنا خلوص اور للٰہیت نہیں ہے تو اگر دل دنیا میں لگ جائے گا تو غریب کی مدد کرنا یا سیلاب زدہ کی مدد کرنا تو نیکی ہے۔ لیکن وہ نیکی بھی نیکی نہیں رہتی اس کا مقصد بھی شہرت حاصل کرنا بن جاتا ہے۔ تو بندے کو اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے۔ کوئی ذاکر ہے اس کو بھی محاسبہ کرنا چاہیے جس کو ذکر نصیب نہیں ہے وہ ان لذتوں کو کیا جانے۔ اسے کیا خبر کہ یہ کیا ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کو زندگی میں ذکر قلبی نصیب نہیں ہوا تو اگرچہ وہ بہت نیک بھی ہو تو یہ ایک محرومی ہے اس کی حسرت اسے حشر کو ہوگی اور اگر ذکر بھی نصیب نہیں اور نیک بھی نہیں علم بھی نہیں رکھتا دینی علم بھی نہیں رکھتا نیک عمل بھی نہیں رکھتا تو وہ تو بہت بدنصیب ہے۔ سو اللہ کریم نے ذکر خفی قلبی کا پورا طریقہ اس آیہ کریمہ میں بتلا دیا اور فرمایا قرب الٰہی کی دلیل یہ ہے۔ یہی جو میں عرض کر رہا تھا کہ ہمارے پاس کیا دلیل ہے کہ آخرت تو نظر نہیں آتی۔ جنت تو ہمارے سامنے نہیں ہے۔ دوزخ ہم نہیں دیکھ رہے۔ ہم نے سنا ہے

قرآن سے، اللہ کے رسول ﷺ سے کہ آخرت میں حساب ہوگا جنت ہے، دوزخ ہے، ثواب ہے، آگ ہے تو پھر ہمیں کیا پتہ چلے کہ ہمارا قلب ذاکر ہوگیا ہمارے لطائف ذاکر ہو گئے کہ ہمارا سلطان الاذکار ہمارا سارا وجود ذاکر ہوگیا۔ فرمایا جنہیں قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ جو تیرے رب کے مقرب ہیں جو آپ کے پروردگار کے مقرب ہیں لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ دل کے ذاکر ہو جانے کی دلیل یہ ہے کہ عبادات الٰہی سے محبت ہو جاتی ہے۔ دل راغب ہو جائے دل چاہے۔ عبادت کرنے کی ایک کیفیت ہوتی ہے ہم اپنے آپ کو پکڑ کر لے آتے ہیں مسجد میں پھر جلدی جلدی وضو کرتے ہیں، چھینٹے اڑاتے ہیں کوئی جگہ گیلی کی ہوگی کوئی خشک رہ گئی۔ پھر آتے ہیں جلدی جلدی اٹھے بیٹھے دو سجدے کئے اور پھر بھاگ گئے۔ یہ ہوتا ہے ٹوٹل پورا کرنا لیکن جب دل ذاکر ہو جائے تو پھر وضو میں بھی احتیاط کرتا ہے کہ جو طریقہ حضور ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے جو جو اعضاء دھونے ہیں وہ دھل جائیں نماز کا بھی ایک ایک لفظ ارادتاً ادا کرتا ہے۔ پورا رکوع پورا سجود سکون سے ادا کرتا ہے۔

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ الحشر: 18 اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ بندے کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کل کے لئے، فردائے قیامت کے لئے کیا آگے بھیج رہا ہے۔ عموماً ساری تفاسیر میں جو میں نے دیکھی ہیں ان کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا اور اکثر تراجم میں اس سے یہی مراد لیا گیا ہے کہ اپنے گناہوں پر نگاہ کرے کہ آگے کل کے لئے کیا بھیج رہا ہے۔ غلطیاں کر کے، گناہ کر کے، برائی کر کے وہ قیامت کے لئے تو نہیں بھیج رہا؟ لیکن میں نے اس آیہ کریمہ سے ایک دوسرا انداز بھی سمجھا الحمد للہ، اللہ نے مجھے ایک دوسرے انداز کی سمجھ بھی عطا فرمائی کہ گناہ تو ہیں ہی گناہ ہم جو نیکی کرتے ہیں اسے بھی ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کیا یہ نیکی ہے کہ جس کی امید پر میں اسے کل کے لئے بھیج رہا ہوں۔ ہم جب نماز ادا کرتے ہیں تو اس وقت ہمیں یہ احساس ہونا چاہیے کہ ان رکعات کا مجھے اجر ملے گا آخرت میں؟ جب ہمیں یہ احساس ہوگا تو ہم پوری طرح قیام بھی کریں گے رکوع بھی مکمل کریں گے سجود اور جلسے بھی پورا کریں گے۔ سوچ سمجھ کر آیات بھی پڑھیں گے۔ اگر یہ احساس نہیں ہوگا تو پھر آدمی ٹوٹل پورا کرے گا اور جو پڑھتا ہی نہیں اس کی بدنصیبی کا کیا کہنا اللہ معاف کرے اللہ سب مسلمانوں کو توفیق دے۔ یہ بڑی محرومی ہے کہ مسلمان ہو کر نماز سے محروم رہے یہ اللہ کی ناراضگی کی دلیل ہے کہ وہ اسے سجدہ کرنے کی بھی توفیق نہیں دے رہا۔ اپنی بارگاہ میں پیشانی رکھنے کی بھی توفیق نہیں دے رہا، اپنے گھر میں آنے کی بھی توفیق نہیں دے رہا۔ یہ تو بہت بڑی محرومی ہے۔ لیکن یہ دیکھنا چاہیے۔ فرمایا جس کا قلب ذاکر ہو جائے اسے عبادات سے محبت ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ کا ایک ارشاد ہے اس کا مفہوم ہے

کہ ایک بندہ فجر پڑھتا ہے اور پھر اس امید میں رہتا ہے کہ ظہر کا وقت ہو اور وہ اسے بروقت ادا کرے ظہر سے فارغ ہوتا ہے تو اسے عصر کا انتظار ہوتا ہے کہ عصر ہوگی تو ادا کروں گا۔ عصر سے فارغ ہوتا ہے تو مغرب کا انتظار ہوتا ہے کہ مغرب ہوگی تو ادا کروں گا پھر عشاء کا انتظار کرتا ہے۔ عشاء پڑھ کے فارغ ہو جاتا ہے لیکن بے فکر نہیں ہوتا صبح کی فکر ہوتی ہے کہ کہیں صبح سوتا نہ رہ جاؤں نماز چلی نہ جائے اور جب اٹھتا ہے وضو کرتا ہے نماز ادا کرتا ہے تو فرمایا یہ بندہ جو ایک نماز ادا کر کے دوسری کا دل ہی دل میں انتظار کر رہا ہوتا ہے اللہ کریم کے فرشتے اسے مسلسل حالت نماز ہی میں لکھتے ہیں۔ گویا وہ رات دن کا ہر لمحہ نماز ہی میں کھڑا ہے اس طرح اللہ اسے اس کا اجر دے گا۔ اب جو بندہ ادا ہی نہیں کرتا اس بات کو اگر ہم پیچھے لے جائیں تو ایسے نظر آتا ہے جیسے اسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر اعتبار ہی نہیں ہے جو کچھ حضور ﷺ نے فرمایا اسے اس پر اعتبار نہیں ہے اور یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ سو فرمایا یہ جانچتا رہے۔ ہمارے ذاکرین ساتھیوں کو بھی بڑا تجسس ہوتا ہے کہ کوئی مجھے بتائے میرے مراقبات کتنے ہیں کوئی مجھے بتائے کس کو کیا منصب مل گیا؟ قرآن بتا رہا ہے کہ جب ذکر قلبی نصیب ہوتا ہے کیفیات قلبی نصیب ہوتی ہیں تو اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ جنہیں تیرے رب کا قرب نصیب ہوتا ہے ان سے مفسرین نے مقرب فرشتے مراد لئے ہیں لیکن بات عام ہے کہ جسے قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے تو پھر عبادت میں تو اس کا جی لگ جاتا ہے۔ وہ قربان ہو جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ سجدے ہی کرتا رہوں تلاوت ہی کرتا رہوں درود ہی پڑھتا رہوں ذکر ہی کرتا رہوں۔ اللہ کی عبادت سے محبت ہو جاتی ہے وَيُسَبِّحُوْنَهٗ ہمہ وقت اس کی پاکی بیان کرتا رہتا ہے۔ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ۝۲۰۶ اور وہ صرف اس کے سامنے سربسجود ہوتا ہے۔ ان کا سر اس کی بارگاہ میں جھکتا ہے۔ اپنی اغراض ومقاصد کے لئے کسی دوسرے دروازے پر ان کا سر نہیں جھکتا کسی اور کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوتا اور اگر یہ کیفیت نصیب نہ ہو تو ایک ایک لقمے کے لئے دس دس دروازوں پہ سجدے دیتے ہیں۔ عاجزی کرنا منتیں کرنا یہی سجدہ ریزی ہے جو سر اللہ کی بارگاہ میں نہیں جھکتا وہ بے شمار دروازوں پر جھکتا ہے اور جو اللہ کی بارگاہ میں جھکتا ہے وہ پھر کسی دوسرے دروازے پر نہیں جھکتا اس آیت کے پڑھنے سے ایک سجدہ واجب ہو جاتا ہے پڑھنے اور سننے دونوں طرح سے مجھ پر بھی ہے آپ پر بھی ہے۔ ایک سجدہ کر لیجئے گا۔ اللہ کریم قبول فرمائے۔ اللہ تمام مسلمانوں کو ذکر قلبی خفی نصیب فرمائے۔ وہ کیفیات نصیب فرمائے۔ اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت اور عبادت میں رغبت عطا فرمائے۔

سورۃ الانفال رکوع 1 آیات 1 تا 10

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ②ۚۖ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④ۚ كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ⑤ۙ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑥ؕ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ⑦ۙ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ⑧ۚ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِيْنَ ⑨ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ⑩ۧ

آپ سے غنیمتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (جو بغیر لڑائی کے حاصل ہو) فرما

دیجئے کہ غنیمتیں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔ سو اللہ سے ڈرو اور آپس کے معاملات کی اصلاح کرو اور اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔ ﴿۱﴾ یقیناً ایمان والے تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان کو اس کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ﴿۲﴾ (اور) وہ لوگ کہ قائم کرتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے (نیکی پہ) خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۳﴾ یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں۔ ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس بڑے درجات ہیں اور بخشش اور عزت کی روزی ہے۔ ﴿۴﴾ جس طرح آپ کے پروردگار نے آپ کو آپ کے گھر سے حق (تدبیر) کے ساتھ (بدر کی طرف) نکالا اور بے شک مسلمانوں کی ایک جماعت (اس کو) گراں سمجھتی تھی۔ ﴿۵﴾ وہ اس مصلحت کے کام میں، اس کے بعد کہ یہ ظاہر ہو گیا تھا، آپ سے (مشورہ میں) بحث کرتے تھے یوں جیسے انہیں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں۔ ﴿۶﴾ اور جب اللہ تم سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتے تھے کہ وہ تمہارے ہاتھ آ جائے گی اور تم چاہتے تھے کہ جو بغیر شوکت (اسلحہ وغیرہ) کے ہے وہ تمہارے ہاتھ لگ جائے اور اللہ چاہتے تھے کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھیں اور کافروں کی جڑ (بنیاد) کاٹ دیں۔ ﴿۷﴾ تا کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا (عملاً) ثابت کر دیں اور خواہ مجرم لوگ ناخوش ہی ہوں۔ ﴿۸﴾ جب آپ (ﷺ) اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے آپ (ﷺ) کی دعا قبول فرمائی کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد فرماؤں گا جو ایک دوسرے کے پیچھے چلے آتے ہیں۔ ﴿۹﴾ اور اس بات کو اللہ نے خوشخبری بنایا اور تا کہ تمہارے قلوب اس کے ساتھ قرار پکڑیں اور مدد (حقیقتاً) صرف اللہ کی طرف سے ہے۔ یقیناً اللہ غالب ہیں حکمت والے۔ ﴿۱۰﴾

تفسیر ومعارف

سورہ انفال شروع ہوتی ہے۔ یہ ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ مکی اور مدنی سورتوں میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں زیادہ بات ایمان پر اور اعتقادات پر کی گئی ہے۔ جو سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر احکام ارشاد فرمائے گئے۔ یہ مدنی سورتوں میں سے ہے۔ فرمایا یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ انفال، منافع، انعام کہہ لیجئے جو چیز بغیر کاوش کے مل جائے اسے بھی انفال کہتے ہیں۔ وہ غنیمتیں جہاں جنگ نہیں ہوئی کفار نے کچھ مال دے کر صلح کر لی یا کفار میدان چھوڑ کر اور اپنا مال چھوڑ کر بھاگ گئے جنگ نہیں ہوئی اور وہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا اسے بھی انفال کہتے ہیں کہ وہ بطور انعام اللہ کی طرف سے مل گیا۔ ویسے سارے مال غنیمت کو بھی انفال کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک مال غنیمت کسی امت پر حلال نہیں تھا۔ جہاد ہوتا، کفار کو شکست ہوتی جو مال ہاتھ آتا اسے میدان میں ڈھیر کر دیا جاتا اور آسمان سے آگ آتی بجلی کی طرح کوئی چیز آتی اور اسے جلا کر راکھ کر دیتی اور یہ اس کی قبولیت کی دلیل ہوتی تھی اور اگر کبھی کسی جہاد میں پہلی امتوں میں اس طرح مال رکھا جاتا اور وہ جلتا نہیں تو بھی اسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا تھا وہ سمجھتے تھے کہ اس جہاد میں کوئی قصور ہوا ہے یا اس مال میں کوئی نحوست ہے کہ اللہ نے قبول نہیں فرمایا تو پھر بھی اسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا تھا وہ پڑا پڑا ہی گل سڑ جاتا تھا۔ جہاں حضور اکرم ﷺ کے بہت سے فضائل ہیں وہاں آپ کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے طفیل آپ کی امت کے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں اور جو مال کفار کی شکست کے بعد ہاتھ آتا ہے اس کے مصرف کے مختلف طریقے بتائے گئے ایک بنیادی اصول تو یہ تھا کہ پانچواں حصہ بت المال کو چلا جاتا۔ چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہو جاتے تھے اور اس میں بھی یہ قانون تھا کہ جو پیدل لڑ رہا ہے اس کو ایک حصہ ملتا۔ جو گھوڑے پر ہے یا سواری پر ہے تو اس کا اور اس کی سواری کا یعنی اسے دو حصے عطا کئے جاتے تھے اور یہ حکم پہلی بار معرکہ بدر میں نافذ ہوا۔ مشرکین کو عبرتناک شکست ہوئی اور جو وہ مال ومتاع ساتھ لائے تھے۔ اسلحہ گھوڑے، اونٹ وغیرہ اور بے شمار چیزیں جو ان کے پاس تھیں وہ بطور غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اس غنیمت کا کیا کیا جائے تو اللہ کریم نے اصول ارشاد فرمادیا یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ آپ سے انفال کے بارے میں پوچھتے ہیں انفال انعام کو کہتے ہیں اسی لئے جو زائد نماز پڑھتے ہیں اسے نفل کہتے ہیں قربانی جو ہر

صاحب نصاب پر واجب ہے اس کے علاوہ جو دیتے ہیں تو نفل ہوتی ہے۔فرض حج کسی نے کر لیا پھر کرتا ہے تو وہ نفل ہوتا ہے۔اسی طرح زکوٰۃ دے دی پھر صدقہ مزید کرتا ہے تو نفل ہے نفل کا معنی ہے انعام کہ اسے بطور انعام یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ اللہ کی راہ میں کام کر رہا ہے جو ہم فرائض سنت کے بعد پڑھتے ہیں اسے نفل کہتے ہیں۔نفل سے مراد انعام ہے کہ اللہ نے توفیق دی اور مزید انعام حاصل کر رہا ہے۔آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں کہ جو مال بغیر جنگ کے حاصل ہو جائے جنگ نہ کرنی پڑے اور جو مل جائے اس پر کیا ہوگا؟ جو جنگ سے حاصل ہوتا ہے اس کا تو ایک اصول بن گیا کہ پانچواں حصہ بیت المال کو جائے گا چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے۔دوسرا طریقہ یہ تھا کہ یہ ارشاد فرمادیا جاتا کہ جو جس کافر کو قتل کرے گا اس کافر کا مال یعنی اسلحہ، زرہ، خود، تلوار، نیزہ اور گھوڑا اس کا ہوگا۔جس نے اسے قتل کیا تو یہ دوسرا طریقہ تھا تو وہ مال اس طرح تقسیم ہو جاتا تھا۔تیسرا طریقہ ایک یہ بھی تھا کہ جو چار حصے مال مجاہدین میں تقسیم ہونا ہے اس میں کچھ لوگ ایسے ہوتے تھے جو مجاہدین کی خدمت پر مامور ہوتے تھے جو عملاً جنگ میں حصہ نہیں لیتے تھے جیسے ایک عملہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے پر، یا پانی پلانے پر یا مجاہدین کا کھانا بنانے پر یا گھروں میں ان کے گھروں کی نگرانی کرنے کے لئے کسی کی ڈیوٹی لگ جاتی تھی کہ تم محاذ پر آنے کے بجائے مجاہدین کے گھروں کی دیکھ بھال کرو گے یا ان کے بچوں کو سودا سلف لا کر دو گے تو وہ سارے اس جہاد میں شامل تصور کئے جاتے تھے اور ان کا حصہ بھی اس میں سے الگ کیا جاتا تھا۔انہیں بھی دیا جاتا تھا۔لیکن جو مال فے یعنی بغیر جنگ کے جو مال حاصل ہو جائے اس میں اور کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا تھا۔فرمایا قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فرمایا مال فیئ یا انفال میں کسی کا کوئی حق نہیں یہ محض اللہ کا اپنا ہے اور اللہ عطا فرماتا ہے اپنے رسول ﷺ کو اب رسول ﷺ کہاں خرچ کریں گے وہ بھی ارشاد فرمادیا آگے دوسری جگہ ارشاد فرمادیا فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ الانفال:41 اور اس طرح کے پانچ چھ جو مصرف تھے وہ بھی ارشاد فرمادیئے گئے۔فرمایا اصل بات جہاد سے غنیمت یا مال جمع کرنا نہیں ہے۔جو غنیمت جنگ کر کے حاصل ہوتی ہے اس کے طریقے الگ مقرر ہو گئے جو بغیر جنگ کے حاصل ہوتی ہے وہ رسول اکرم ﷺ کی ثوابدید پر چھوڑ دی گئی اور آگے اس کے مستحقین مقرر کر دیئے گئے۔حضور ﷺ کے قرابت دار جن کا خرچہ حضور برداشت فرماتے تھے یا یتیم یا مساکین یا مسافر یا غرباء کو حضور ﷺ اپنی پسند سے جس کو جتنا چاہیں عطا فرمادیں۔حصول غنیمت کے بنیادی طور پر تو دو ہی طریقے تھے ایک جنگ سے غنیمت آتی تھی دوسری کفار بغیر جنگ کے بھاگ گئے مال چھوڑ گئے وہ بغیر جنگ کے غنیمت آگئی تو اس کے اصول مقرر کر دیئے گئے اور یہ باتیں غزوۂ بدر

میں مقرر ہو گئیں ۔ احد میں حضور اکرم ﷺ نے پچاس جانبازوں کا ایک دستہ ایک درے پر مقرر فرمایا تھا جو اسلامی لشکر کی پشت پر تھا جب کفار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگنے لگے اور مسلمان تعاقب کر رہے تھے اور ان کی غنیمتیں ، ان کے خیمے ، ان کا مال ، ان کی چیزیں ، ان کی دولت رہ گئی تو ان جانبازوں نے جو درے پر مقرر تھے انہوں نے کہا اب تو جنگ ختم ہو گئی کفار کو شکست ہو گئی وہ بھاگ رہے ہیں تو ہم بھی ان کو مارنے میں ان کو بھگانے میں حصہ لیں ۔ جو وہاں امیر لشکر تھے انہوں نے فرمایا نہیں ہمیں حکم ہے یہاں رہنے کا ہم یہیں رہیں گے تو ان کے ساتھ کوئی چھ سات آدمی اور رہ گئے باقی سارے لوگ نیچے اتر آئے جیسے حضرت خالد بن ولیدؓ اس وقت احد میں کفار کی طرف سے ایک سردار کی حیثیت سے تھے ۔ سپہ سالار تو ابوسفیان تھے لیکن یہ بھی جرنیل قسم کے اور سالار قسم کے تھے ۔ انہوں نے دیکھا تو انہوں نے اندازہ لگایا کہ درہ خالی ہو گیا ہے صرف سات بندے رہ گئے ہیں ہم گھوڑ سوار لے کر پیچھے سے درے سے حملہ کر سکتے ہیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا ۔ وہ ساتوں وہاں شہید ہو گئے اور مسلمانوں پر پشت سے حملہ ہو گیا جس میں بہت سے صحابہ کبار شہید ہوئے ۔ طوفان مچ گیا کسی نے شور کر دیا کہ حضور ﷺ بھی شہید ہو گئے ۔ مفسرین لکھتے ہیں شیطان نے یہ نعرہ لگایا تھا ان **محمد ﷺ اقد قتل** کہ حضور شہید کر دیئے گئے تو بہت افراتفری مچی ۔ بعض عہد حاضر کے علماء نے اس پر لکھا ہے کہ وہ غنیمت کے لالچ میں بھاگ آئے ۔ صحابہ کرامؓ پر اس طرح طنز کرنا درست نہیں ہے ۔ غنیمت کا تو ایک اصول تھا اس کے مطابق وہ وہیں رہتے تو انہیں اپنا حصہ مل جانا تھا ۔ غنیمت لوٹنے کا تو مقصد کوئی نہیں زیادہ لوٹنے کی کیا ضرورت پڑی تھی غنیمت کا کوئی یہ مطلب نہیں تھا کہ کوئی زیادہ لوٹ لے تو وہ زیادہ لے جائے جو تھوڑا لوٹے تھوڑا لے جائے ۔ غنیمت تو ساری بارگاہ رسالت میں جمع ہوتی تھی اور ہر اس بندے کو اس کا حصہ ملنا تھا جو وہاں شریک تھا یا میدان میں نہیں تھا کہیں بھی جہاد کی ڈیوٹی دے رہا تھا اس کا بھی حصہ تھا ۔ تو یہ غلط الزام ہے ہاں وہ شوق شہادت میں اور شوق جہاد میں ان سے غلطی ہو گئی ، اجتہادی غلطی تھی ۔ انہوں نے سمجھا اب جنگ ختم ہو گئی اب ہماری ڈیوٹی کی کیا ضرورت ہے اب مشرکین بھاگ رہے ہیں اس کے باوجود پھر بھی مسلمانوں نے کئی میل تک مشرکین مکہ کا تعاقب کیا انہیں بھگایا اسی میں حضور اکرم ﷺ کا رخ انور زخمی ہوا خود مبارک کی کڑیاں چہرہ انور میں دھنس گئیں ۔ دندان مبارک میں سے دانت مبارک شہید ہوا ، خون مبارک گرا ، زخمی ہوئے اور مقام احد پر ابھی تک وہ غار موجود ہے جس میں حضور ﷺ کو لے جایا گیا مرہم پٹی کی گئی تو یہ کہنا کہ غنیمت کے لالچ میں اتر آئے تھے یہ سراسر زیادتی ہے اللہ معاف فرمائے صحابہؓ کے حق میں زبان کو بہت محتاط رکھنا چاہیے کہ یہ قرآن کے مثالی مسلمان اور حضور ﷺ کے صحبت یافتہ ہیں ۔

ارشاد باری ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ غنیمت کی طرف توجہ کرنے اور یہ سوچنے کے مجھے مال غنیمت میں سے کیا ملے گا اس کے بجائے فَاتَّقُوا اللّٰهَ عظمت الٰہی کا احساس وادراک کرو جس کی خاطر تم جان لے کر میدان میں آئے ہو جس کے کلمہ حق کو غالب کرنے کے لئے تم لڑ رہے ہو۔ اس کی طرف متوجہ رہو کہ وہ تمہاری یہ کاوش یہ محنت قبول فرمائے۔ بعض اوقات صورتاً ایک چیز بھلی ہوتی ہے نیک عمل ہوتا ہے لیکن اگر بندے کی نیت درست نہ ہو تو وہ نیکی جو صورتاً ہوتی ہے وہ حقیقتاً نیکی نہیں رہتی۔ ایک غزوہ کا واقعہ ہے کہ ایک نومسلم بڑی بے جگری سے لڑ رہا تھا اور صحابہ کرام نے حضور ﷺ کی توجہ اس کی طرف مبذول کروائی کہ دیکھیں یہ شخص کتنی بے جگری سے لڑ رہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ جہنمی ہے۔ بڑے حیران ہوئے کہ جہاد کر رہا ہے حضور کی طرف سے بڑی بے جگری سے لڑ رہا ہے۔ کچھ دیر گزری اسے تیر لگا زخمی ہو کر گر گیا جانبر ہونے کی توقع نہیں تھی تو اس نے زمین پر تیر رکھ کر اوپر اپنا سینہ رکھ کے خود کو گرا دیا اور خودکشی کر کے مر گیا۔ تو صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے درست فرمایا اُسے شہادت تو نصیب نہیں ہوئی اس نے تو خودکشی کر لی تو حضور ﷺ نے جو فرمایا اس کا مفہوم ہے کہ وہ اللہ کے لئے نہیں لڑ رہا تھا وہ جو بے جگری سے لڑ رہا تھا اس کی نیت میں یہ تھا کہ میں فلاں قبیلے کا آدمی ہوں۔ ہم بڑے جنگجو ہیں میرے قبیلے کا نام رہے کہ اس قبیلے کے لوگ بڑے لڑتے ہیں۔ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے لئے نہیں لڑ رہا تھا۔ اپنی شہرت کے لئے لڑ رہا تھا اس لئے میں نے بتا دیا کہ یہ جہنمی ہے۔ بظاہر تو وہ جہاد میں شامل تھا۔ لیکن نیت دین کی مدد کرنا یا رسول اللہ ﷺ کی غلامی یا اللہ کی رضا نہیں تھی، نیت اپنی شہرت تھی۔ تو اس طرح سے بعض لوگ بڑی عبادتیں بڑی چلہ کشی بڑی محنت کرتے ہیں لیکن اغراض دنیاوی ہوتی ہیں کہ لوگ مجھے پارسا سمجھیں لوگ میرے لئے پیسے لائیں لوگ میری خدمت کریں شہرت ہو جائے تو جہاں خلوص نہیں ہوتا وہاں غضب الٰہی ہوتا ہے۔ فرمایا غنائم کا قصہ تو اللہ نے طے کر دیا۔ احکام متعین ہو گئے۔ اللہ کا رسول ﷺ نافذ فرمائے گا۔ بات ختم ہو گئی۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ تم اس بات کا احساس رکھو کہ تمہارا جو عمل ہے وہ رضائے الٰہی کے لئے ہے۔ تقویٰ کہتے ہیں اس کیفیت کو جس میں بات کرتے وقت، کام کرتے وقت یہ احساس دل میں ہو کہ اللہ میرے اس کام سے راضی ہو۔ جب یہ احساس ہو گا تو وہ کام اللہ کے حکم کے مطابق ہو گا۔ نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے اور سنت کے مطابق ہو گا۔ تو یہی تقویٰ ہے تو فرمایا جہاد کرو یا عبادت کرو یا کاروبار کرو یا زندگی کا کوئی کام بھی کرو بنیادی طور پر فَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ جل شانہٗ کی عظمت کا احساس دل میں رکھو وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ اور تمہارے جو آپس کے معاملات ہیں ان کی اصلاح کرو ان میں کھرے رہو۔ ایک

دوسرے کو دھوکا نہ دو۔ ایک دوسرے کا مال لوٹنے کی کوشش نہ کرو۔ ایک دوسرے سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔ ایک دوسرے سے ناجائز سفارشیں نہ کراؤ۔ ایک دوسرے کی آبرو کی طرف میلی نظر سے نہ دیکھو اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ آپس کے معاملات کی اصلاح کرو۔ جس کام کا اللہ نے فیصلہ کر دیا اس کا ذمہ دار اس نے اپنے حبیب ﷺ کو بنایا اس کی فکر تمہیں کیوں ہے؟ غنیمت کا اصول اور اس کی تقسیم منصب رسالت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے بتا دیا کہ اس طرح تقسیم ہوگا۔ اب وہ آپ ﷺ کی ذات والہ صفات پر منحصر ہے تو جو کام آپ کے کرنے کا نہیں جو کام مجاہدین اور غازیان اسلام کے کرنے کا نہیں آپ اس کی فکر نہ کریں۔ اس کی فکر کریں جو آپ کے کرنے کا کام ہے۔ ہمارے ہاں اب اللہ معاف فرمائے یہ طریقہ الٹ گیا ہے اور ہمارا رویہ یہ ہے کہ ہر بندہ دوسرے پہ تنقید کرنے کو تیار ہے کہ وہ صحیح نہیں کر رہا۔ یہ سوچنے کو کوئی بھی تیار نہیں کہ جو میں کر رہا ہوں وہ ٹھیک ہے یا غلط۔ اصول یہ ہے کہ پہلے اپنی خبر لو کہ میرے معاملات کیسے ہیں، میرے لوگوں سے تعلقات کیسے ہیں، میری ذمہ داریاں کیا ہیں، کیا میں وہ ادا کر رہا ہوں یا نہیں کر رہا، میرے فرائض کیا ہیں؟ پہلے فرائض ادا کرو پھر اپنے حقوق کا مطالبہ کرو۔ ہمارے ہاں رویہ یہ ہو گیا ہے کہ اپنا فرض کوئی ادا نہیں کرتا حق کے مطالبے کے لئے جلوس نکالے جاتے ہیں حالانکہ ایک فرد کا فرض دوسرے کا حق ہے۔ اگر ہر ایک اپنا فرض ادا کرے تو دوسروں کو ان کے حقوق از خود پہنچتے رہیں گے۔ فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ اللہ سے ڈرو عظمت الٰہی کا احساس رکھو اور آپس کے معاملات کی اصلاح کرو۔ انہیں درست کرلو۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اور اگر تم ایمان رکھتے ہو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم مومن ہیں مسلمان ہیں۔ اگر تم واقعی ایمان رکھتے ہو تو پھر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سوا تمہارے پاس کوئی راستہ نہیں۔ گویا جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت سے نکل جاتا ہے اس کا ایمان مشکوک ہو جاتا ہے کہ اس میں ایمان ہے بھی کہ نہیں۔ ایمان لانا ایک دعویٰ ہے کہ میں مسلمان ہوں، میں مومن ہوں، میں ایمان لاتا ہوں، ہر دعوے کو گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اعمال ہی گواہ ہیں۔ انسان جب عمل کرتا ہے تو اس کا کردار اس کے اس دعوے پہ گواہ ہے کہ یہ مومن ہے جھوٹ نہیں بولتا کیوں نہیں بولتا۔ اللہ سے ڈرتا ہے کسی کا مال ناجائز نہیں کھاتا۔ کیوں نہیں کھاتا؟ اس لئے کہ وہ مومن ہے۔ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا کسی سے زیادتی نہیں کرتا تو یہ جو اچھا کردار ہے یہ اس کے مومن ہونے کا گواہ ہے۔ فرائض وقت پہ ادا کرتا ہے، نماز ادا کرتا ہے، روزہ رکھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، حج فرض ہو تو حج کرتا ہے، فرائض دینی کے ساتھ دنیاوی امور میں سنت نبوی ﷺ کا خیال رکھتا ہے تو اس کا کردار اس کے ایماندار ہونے پہ گواہ ہے۔ سو

فرمایا اگر تم مومن ہو تو تمہارے پاس صرف ایک راستہ ہے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا۔ دوسرا کوئی راستہ مومن کے لئے ہے ہی نہیں۔ زندگی گزارنے کا دوسرا طریقہ مومن کے پاس نہیں ہے۔ معاملات کا کوئی طریقہ مومن کے پاس نہیں ہے۔ ایک یہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے۔

عظمتِ صحابہؓ

قرآن حکیم صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو مثالی مسلمان کہتا ہے اور آج کا، اس دور کا، پندرہویں صدی کا ایک مسلمان اٹھ کر صحابہ کبارؓ پر تنقید کرتا ہے جنہوں نے اسلام کی بنیاد رکھی۔ حضرت جیؒ اللہ آپ پر کروڑوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اپنے مشاہدات بہت کم بیان فرمایا کرتے تھے۔ بہت کم۔ لوگوں نے آپؒ کی پوری سوانح عمری میں بھی بہت کم دیکھا ہوگا کہ کہیں حضرت نے اپنا مشاہدہ بیان فرمایا ہو۔ ساتھیوں سے فرماتے تھے تم مراقبہ کر کے دیکھو، لیکن ایک مشاہدہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ اس وقت ہم چار پانچ ساتھی تھے پوری جماعت صرف چار پانچ ساتھیوں پر مشتمل تھی۔ تو ایک دن فرمانے لگے کہ میں نے پندرہ سولہ سال صرف لطائف کئے ہیں اور پھر اس کے بعد حضرت نے سالک المجذوبی تک مراقبات کرا کے فارغ کر دیا میں گھر آ گیا تو گھر بھی گھنٹوں ذکر کیا کرتا تھا، تلاوت کیا کرتا تھا، کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ کہیں آتا جاتا نہیں تھا کسی سے ملتا ملاتا نہیں تھا۔ صوفی اعراض کی کوشش کرتے ہیں۔ لوگوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں ایک دن میں نے دیکھا نبی کریم ﷺ جلوہ افروز ہیں، محفل مبارک لگی ہوئی ہے جس طرح بارگاہ عالی میں ہوتی ہے۔ میں خدمت عالی میں حاضر ہوں حضور ﷺ نے مجھے مخاطب نہیں فرمایا۔ پر حضور ﷺ کی عادت دار دنیا میں بھی تھی کہ کسی ایک فرد کو مخاطب کر کے ارشاد نہیں فرماتے تھے اگر اصلاح فرمانا مقصود ہوتی تو عمومی ارشاد فرماتے تھے کہ اس طرح کرنا چاہیے اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔ تو حضور ﷺ فرمانے لگے کہ یہ جو اسلام کی عمارت ہے اس میں پتھر نہیں لگے اس میں میرے صحابہؓ کی ہڈیاں لگی ہیں اور اس میں جو گارا لگا ہے وہ مٹی کا نہیں ہے میرے صحابہؓ کا خون اور گوشت اس عمارت کا گارا بنا ہے اور آج لوگ ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور ان پر تنقید کرتے ہیں اور ایسے بندے جنہیں اللہ نے علم دیا ہے اور اس کا دفاع کر سکتے ہیں وہ دفاع نہیں کرتے اور بیٹھے رہتے ہیں کہ مجھ پر نحوست آئے گی تو یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ یہ تو صحیح نہیں ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات کھٹک گئی کہ یہ تو مجھے فرمایا جا رہا ہے میں دفاع کر سکتا ہوں۔ میں معترضین کو جواب دے سکتا ہوں لیکن میں تو اپنی کیفیات بچانے کے لئے باہر نکلتا ہی نہیں، فرماتے

ہیں تب میں نے میدان عمل میں قدم رکھا۔ بیان کرنا شروع کیا۔ پھر مناظرے کئے۔ پھر ساری عمر عظمت صحابہؓ کا دفاع کرتے رہے۔ کتابیں تصنیف کیں، مناظرے کئے، معرکے ہوئے قاتلانہ حملے ہوئے ایک ایسی زندگی تھی کہ آخری دم تک اس میدان میں مصروف عمل رہے اور یہ تو باہر والے ساتھیوں کو بھی پتہ ہے کہ جب کبھی بیٹھتے یہی موضوع ہوتا یہی باتیں ہوتیں۔ کوئی بات ذاتی نہیں ہوتی تھی۔ کوئی اپنے منافع کی نہیں ہوتی تھی سارا ہی یہی موضوع ہوتا تھا تو صحابہ کرامؓ وہ عظیم لوگ ہیں جن کے طفیل آج ہم بھی مسلمان ہیں تو ان کی شان میں زبان کھولنے سے پہلے سو بار سوچنا چاہیے سو اگر تم مومن ہو تو تمہارے پاس ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کیا ہے؟ اور مومن کون ہے؟ ہر کوئی طرہ باندھے پھرتا ہے میں مومن ہوں۔ اللہ فرماتا ہے میرے مومن بندے وہ ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ یقیناً پکی بات یہ ہے الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وہ لوگ جن کے پاس اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل عظمت الٰہی کے سامنے بچھ جاتے ہیں وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ اس کا لفظی معنی جو ہے کہ ان کے دل ڈر جاتے ہیں لیکن یہ وہ ڈر نہیں جو خوف زدہ کر دیتا ہے۔ اس ڈر سے وہ کیفیت مراد ہے جو کسی بہت بڑی ہستی کے سامنے آنے سے ہوتی ہے۔ ایک کیفیت جو اس ہستی کی جلالت و عظمت کے باعث دل پر طاری ہوتی ہے وَجِلَتْ سے وہ ڈر مراد ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو عظمت الٰہی ان کے قلوب پر چھا جاتی ہے۔ بات عجیب ہے۔ سنتے تو کان ہیں اور کان تو کافروں کے بھی سنتے تھے۔ حضور ﷺ کے ارشادات بھی سنتے تھے ان پر تو کچھ نہیں گزرتا تھا۔ اس لئے کہ ان کے دل مردہ تھے۔ مومن زندہ دل ہوتا ہے۔ مومن کے صرف کان نہیں سنتے اس کا دل بھی سن رہا ہوتا ہے۔ ذکر الٰہی کی بات ہوتی ہے اللہ کا ذکر آتا ہے اللہ کی ذات اور صفات کی بات ہوتی ہے وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ تو ان کے دل اللہ کی عظمت و جلالت سے بھر جاتے ہیں سہم جاتے ہیں وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھتا ہے۔ زیادہ ہوتا ہے۔ ایمان نام ہے ایک کیفیت کا جسے آپ اردو میں یقین کہہ سکتے ہیں، اعتبار کہہ سکتے ہیں تو وہ جو یقین کی کیفیت ہے اس میں مزید ترقی ہوتی ہے۔ وہ سب کچھ وہی کرتے ہیں جو دوسرے لوگ کرتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں، لباس پہنتے ہیں، مکان بناتے ہیں، بچے پالتے ہیں، ملازمت کرتے ہیں، تجارت کرتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں، مزدوری کرتے ہیں، زراعت کرتے ہیں، صلح، جنگ، دوستی، دشمنی سارے معاملات ہوتے ہیں لیکن ہر کام کے جائز اسباب اختیار کرتے ہیں اور بھروسہ اللہ پر رکھتے ہیں وَّعَلٰى رَبِّهِمْ

يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ میں نے پیدا کیا، وجود دیا، حواس خمسہ دیئے، بے شمار نعمتیں دیں، دل دیا، دماغ دیا۔ وہی ربّ ہے جو سارے کام انجام دینے والا ہے جو ہمہ وقت رزق دے رہا ہے زندگی کا ایک لمحہ عطا فرما رہا ہے فرمایا توکل کا معنیٰ یہ بھی نہیں ہے کہ کام کاج چھوڑ کر بیٹھ جاؤ کہ ہم نے توکل کر لیا۔ نہیں۔ توکل سے مراد یہ ہے کہ جو اسباب کسی کے بس میں ہیں انہیں اختیار کیا جائے نتائج کے بارے یقین رکھا جائے کہ اللہ چاہے گا تو یہ کام ہوگا، اللہ نہ چاہے تو نہیں ہوسکتا اور یہ کہ میری جائز طریقے پر کی گئی کوشش کے باوجود وہی بہتر ہے کہ جو اللہ کو منظور ہو وہی بہترین ہے۔ اس طرح اگر کسی کو نقصان ہو تو وہ پریشان نہیں ہوتا اور فائدہ ہو جائے تو اسے اللہ کا انعام سمجھتا ہے تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا زندگی گزارنے کا یہی اسلوب بہترین ہے تو فرمایا مومن وہ ہے، یقیناً ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں عظمت الٰہی سے بھر جاتے ہیں اور جب ان پر آیات مبارکہ پڑھی جائیں تو ان کے یقین وایمان میں زیادتی ہوتی ہے یہ لوگ زندگی کے سارے اُمور میں اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جب بھروسہ اللہ پہ ہے تو ناجائز ذرائع اختیار کرنے کی کوئی ضرورت پیش آتی ہے؟ کسی بھی کام میں اگر یہ ایمان نصیب ہو جائے یہ اللہ نے کرنا ہے تو ہونا ہے اللہ نہیں کرے گا تو نہیں ہوگا۔ تو پھر آدمی جائز وسائل اختیار کرتا ہے۔ اللہ پہ بھروسہ نہ ہو تو پھر ناجائز ذرائع اختیار کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے، رشوت دیتا ہے، ناجائز سفارش کراتا ہے کہ یہ کام ضرور ہو جائے لیکن اللہ پہ بھروسہ ہو تو جائز ذرائع کا استعمال کرتا رہتا ہے ناجائز کی طرف نہیں جاتا۔ توکل کا معنی یہ ہے کہ زندگی کا ہر کام جائز طریقے سے اور محنت سے کیا جائے اور نتائج کا بھروسہ اللہ پہ رکھا جائے۔

مومنین کا اگلا وصف یہ ہے الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وہ لوگ اللہ کی عبادت کو اور نماز کو قائم رکھتے ہیں۔ نماز ادا کرنا ایک بات ہے نماز کو قائم کرنا دوسری بات ہے۔ قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ خود بھی ادا کرتے ہیں اس کے پورے لوازمات کے ساتھ، وقت کے ساتھ، لباس کی پاکیزگی، طہارت کے ساتھ، خشوع وخضوع کے ساتھ اور پھر دوسروں کو اِردگرد جو لوگ ہیں ان کو بھی تلقین کرتے ہیں اور نماز کے قائم کرنے کا سبب بنتے ہیں اور ہم نے جو نعمتیں انہیں دی ہیں انہیں نیکی پہ خرچ کرتے ہیں۔ مال دیا ہے تو اسے اللہ کی راہ پہ خرچ کرتے ہیں۔ زکوٰۃ تو فرض ہے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ نفلی صدقہ بھی دیتے ہیں۔ قوت اور طاقت دی ہے تو وہ محض صرف نہیں کرتے بلکہ اللہ کی راہ میں نیکی پہ صرف کرتے ہیں۔ اقتدار دیا ہے تو لوگوں پر ظلم نہیں کرتے اس سے انصاف کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ کرتے ہیں،

علم دیا ہے تو اسے دبا کر نہیں بیٹھ رہتے مال و دولت علم، طاقت، اقتدار جو بھی ہے اسے اللہ کی راہ میں نیکی پہ خرچ کرتے ہیں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ یہ ہیں پکے سچے ایمان والے۔ قرآن نے ہمارے سامنے آئینہ رکھ دیا یہ آیت مبارکہ ایک آئینہ ہے کہ اس میں تم دیکھ لو کہ تم مومن ہو یا نہیں۔ اگر یہ صفات تم میں ہیں تو اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ پکے صحیح مومن ہو اور ان صفات میں جتنی کمی ہے اتنے تمہارے مومن ہونے میں کمی ہے۔ اگر یہ سب صفات تم سے چھوٹ ہی گئی ہیں تو پھر شائد ایمان بھی بچا ہے یا نہیں اس بات کو سمجھنے کا ایک آسان سا طریقہ ہے میڈیکل سائنس میں بہت ترقی ہو رہی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مختلف قسم کے وائرس پھیلے رہتے ہیں جب تک وہ وائرس جسم میں رہتا ہے صحت ٹھیک نہیں ہو سکتی خواہ کتنی ہی دوا کیوں نہ کھالی جائے لہٰذا جب وائرس ختم ہوگا تب ہی بیماری ختم ہوگی۔

یہی مثال ایمانی زندگی کی ہے جیسے بخار اتر جائے تو سمجھیں کہ اندر وائرس نہیں رہا اسی طرح اللہ کی فرمانبرداری ہو رہی ہو تو سمجھیں کہ اندر ایمان ہے اگر ایمان اندر ہے تو اعضاء و جوارح سے ظاہر ہوتا رہے گا اگر اندر ایمان ہے تو جو بات زبان سے نکلے گی وہ اس کی شہادت دے گی۔ نظر اٹھے گی تو وہ تمہارے مومن ہونے کی شہادت دے گی۔ اللہ کی عبادت کا وقت ہوگا تو کس خشوع وخضوع سے اور پابندی سے کرتے ہو یہ تمہارے ایمان کی علامت ہوگی اور اگر یہ آثار ختم ہو گئے تو سمجھو ایمان کوئی نہیں رہا پھر تمہیں تلاش کرنا ہوگا کہ کہاں کمی ہے اور کیوں کمی ہے؟ جن میں یہ آثار جو قرآن کریم نے گنوائے ہیں موجود ہیں وہ پکے اور سچے ایمان والے ہیں لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے پروردگار کی بارگاہ میں ان کے لئے بڑے بلند درجات ہیں۔ وَمَغْفِرَةٌ اور مغفرت ہے یہ نیک ہیں مخلص ہیں ذاکر ہیں، صاحب حال ہیں لیکن پھر بھی انسان ہیں ان سے کوتاہی غلطی سستی ہو سکتی ہے۔ اگر ان سے بھول چوک ہو گئی ہے تو ان کے لئے ان کے اللہ کی مغفرت اور بخشش موجود ہے وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴ اور بے پناہ عزت کی روزی ان کی منتظر ہے اعلیٰ جنتیں اعلیٰ مقامات اعلیٰ رزق اعلیٰ لباس ہر نعمت ان کے لئے موجود ہے جو مومن ہیں جن میں یہ اوصاف موجود ہیں اور جو اللہ کے بھروسے جیتے ہیں۔

معرکہ حق (بدر) اور اللہ کی مدد:

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ جس طرح آپ کے پروردگار نے آپ کو حق کے ساتھ نکالا وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ بے شک مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔

حضور اکرم ﷺ کی مدنی حیات مبارکہ میں چوراسی کے قریب غزوات وسرایہ ہیں۔غزوات اُن اسفار کو کہا گیا ہے جن کی قیادت خود حضور اکرم ﷺ نے کی اور سریہ کی جمع سرایہ ہے۔ سرایہ ان کو کہا گیا ہے جن کی قیادت حضور اکرم ﷺ نے کسی خادم کے سپرد فرمائی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے یہ چوراسی غزوات وسرایہ، چوراسی جنگیں نہیں ہیں۔ جب بھی حضور اکرم ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے اسے غزوہ کہا گیا۔ جب بھی آپ ﷺ وسلم نے باہر جانے کی ذمہ داری کسی اور کی لگائی اسے سریہ کہا گیا ہے خواہ وہ سفر دیکھ بھال کے لئے تھا، حفاظت کے لئے تھا، کافروں کی فوجوں کی نقل وحرکت کو دیکھنے کے لئے تھا۔ تو جو سفر بھی مسلح ہو کر مدینہ منورہ سے باہر کئے گئے ان سب کو غزوات یا سرایہ کا نام دیا گیا لہٰذا یہ چوراسی جنگیں نہیں ہیں۔ جہاد ہیں جن کی تعداد بہت کم ہے جن میں سب سے پہلا جہاد غزوہ بدر ہے پھر احد ہے، خندق ہے یہ جہاد ہیں جیسے غزوہ حنین ہے، فتح مکہ ہے، فتح خیبر ہے یا یہود کے قبائل کا گھراؤ کیا گیا یعنی جسے جنگ کہا جائے وہ چھ سات یا آٹھ مقابلے بنتے ہیں۔ جب چوراسی غزوات وسرایہ کہا جاتا ہے تو یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ شائد دس برس حضور ﷺ جنگ ہی کرتے رہے جبکہ حضور ﷺ تو رحمت اللعٰلمین مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ کا مقصد عالی مخلوق کی اصلاح تھا۔ بندوں کو قتل کرنا نہیں تھا جیسا کہ حضور ﷺ نے ایک سریے میں حضرت علی کرم اللہ وجھہٗ الکریم کو امیر لشکر بناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ بات یاد رکھنا ایک ہزار کافر کو بحالت کفر قتل کرنے سے ایک کافر کا مسلمان ہو جانا اللہ کریم کو زیادہ پسند ہے یعنی لوگوں کو اسلام سے آشنا کرنے کی کوشش کیجئے گا قتل کرنے کی نہیں۔ پھر جنگوں میں بھی حضور ﷺ کے احکام موجود ہیں کہ جو تلوار نہ اٹھائے اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ بوڑھے کو قتل نہ کیا جائے۔ بچے کو قتل نہ کیا جائے۔ عورتوں کو قتل نہ کیا جائے اور جو لوگ اپنے مندروں، بت خانوں، بت کدوں میں بیٹھے ہیں انہیں نہ چھیڑا جائے۔ درخت نہ کاٹے جائیں، فصل نہ اجاڑے جائیں تو اسلام بنیادی طور پر جنگ کی سرے سے نفی کرتا ہے۔ جنگ ہوتی ہے مخالف کو ہرانے کے لئے اس کے وسائل برباد کرنے کے لئے اس کو اتنا کمزور کرنے کے لئے کہ پھر مقابلے کے لئے نہ اٹھ سکے اسلام نے جنگ کو کُلی طور پر ختم کر دیا اور اس کی جگہ جہاد کا تصور دیا۔ جہاد دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ حق کو ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جہاد اس کوشش کا نام ہے جس میں باطل کو باطل اور حق کو حق واضح کر دیا جائے۔ اس کے لئے بندوں کو قتل کرنا ضروری نہیں ہے۔ جتنی جنگیں حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ہوئی ہیں اور بڑے عظیم معرکے ہوئے ہیں تو مقتولین کی تعداد مسلمانوں اور غیر مسلموں کو ملا کر کوئی ایک ہزار سے کچھ اوپر بنتی ہے۔ کسی

نے آٹھ لکھی ہے کسی نے چودہ لکھی ہے اور دنیا کی جنگوں میں آپ دیکھ لیں۔ جنگ عظیم اول میں مرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے جنگ عظیم دوئم میں اور آج بغیر جنگ کے جہاں اعلان جنگ نہیں ہو رہا وہاں پوری دنیا کو انسانی خون سے رنگین کر دیا گیا ہے اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم امن قائم کر رہے ہیں یعنی دعویٰ ہے کہ ہم دہشت گردی ختم کر رہے ہیں اور دہشت گردی یہ ہے کہ کچھ لوگ دوسروں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں اس سے زیادہ لوگوں کو قتل کرنے کو امن قائم کرنا کہا جاتا ہے۔ سحر انصاری کا ایک شعر ہے۔

نئے طور ہیں نئے زمانے کے لئے

آگ ہی لائی گئی آگ بجھانے کے لئے

یعنی پہلے آگ لگی ہوئی ہے یہ مزید شعلے بھڑکا رہے ہیں کہ یہ پہلے والی آگ نیچے دب جائے گی۔ آگ تو دب جائے گی لیکن وہ گھر تو جل جائے گا تو یہ جو اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا اور تلوار کے زور سے پھیلا انہیں یہ سوچنا چاہیے کہ ایک تاریخی حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے اور اسلام نے کسی قوم، کسی قبیلے، کسی ملک پر چڑھائی نہیں کی۔ جتنی جنگیں عہد نبوی ﷺ میں ہوئیں، عہد صحابہ میں ہوئیں، عہد خلفائے راشدین میں ہوئیں جوابی جنگیں تھیں جس ملک سے مملکت اسلامیہ کو خطرہ محسوس ہوا اسے بجائے اس کے کہ وہ گھر آ کر لڑے مسلمان خود اس کے گھر جا کے لڑے اور یہ ایک کامیاب جنگی طریقہ ہے کہ آپ اپنے صحن کو میدان جنگ نہیں بننے دیتے بلکہ جنگ کو دشمن کے صحن میں لے جاتے ہیں۔ یہ ایک کامیاب جنگی چال ہوتی ہے اور یہ بڑی مشکل ہے ہر کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ تو یہ جنگی حکمت عملی مسلمانوں کی تھی اور سب سے پہلا جہاد جسے بدر کہتے ہیں اس کا سبب یہ بنا کہ اہل مکہ نے مشاورت کی کہ ہم نے تو سمجھا تھا مسلمان مکہ سے نکل جائیں گے تو بات ختم ہو جائے گی اور کوئی ان کی بات نہیں سنے گا یہ تو مدینہ جا کر ایسے بس گئے اور اس طرح سے پھیلنے لگے کہ اب تو پورے جزیرہ نمائے عرب میں ان کی بات سنی جانے لگی ہے بلکہ یہ تو پوری دنیا میں بات پھیلانا چاہ رہے ہیں اس کا سد باب کیا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے مشورہ یہ کیا کہ جو سرمایہ کسی کے پاس ہے اسے تجارت پہ لگایا جائے اور اس کے لئے چھوٹی چھوٹی بچیوں کے کانوں سے بالیاں تک اتار لیں گئیں۔ کروڑوں کا سرمایہ اس عہد میں جمع کیا اور ایک تجارتی قافلہ شام کو بھیجا کہ اس سے جتنا منافع آئے گا وہ کسی کو نہیں ملے گا وہ صرف مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے لئے خرچ کیا جائے گا وہ قافلہ اپنی کامیاب تجارت کر کے واپس ہوا۔ مسلمانوں کو بھی اس کی خبر تھی حضور اکرم ﷺ کے پاس اطلاع پہنچ چکی تھی اس قافلے نے بدر کے پاس سے

گزرنا تھا۔ شام سے آتے ہوئے بدر سے گزر کر مکہ مکرمہ جانا تھا تو حضور اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ اس کا راستہ روکا جائے اور یہ اللہ کی طرف سے حکم ہوا۔ دنیا عالم اسباب ہے اللہ اسباب کا محتاج نہیں ہے جو چاہے کرسکتا ہے اور یقیناً وہی کرتا ہے لیکن اس کی سنت یہ ہے کہ اس عالم کو اسباب کے تابع چلاتا ہے۔ اسباب بھی خود پیدا کرتا ہے اس کے نتائج بھی خود پیدا فرماتا ہے تو اللہ کریم نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ باہر نکل کر ان کا راستہ روکیں اسی لئے یہاں ارشاد ہوتا ہے كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ اللہ کریم نے جس طرح آپ ﷺ کو اپنے گھر سے بدر کے لئے، جنگ بدر کے لئے یا غزوۂ بدر کے لئے نکالا بِالْحَقِّ عین انصاف کے ساتھ یہ عین انصاف تھا کہ اس سے پہلے کہ قاتل تیاری کر کے، مال اسباب لے کر مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو قتل عام کرنے چڑھ دوڑیں ان کو روکا جائے اس سبب کو روکنا عین انصاف تھا عین حق تھا۔ سو فرمایا كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ جس طرح آپ کے پروردگار نے آپ ﷺ کو آپ کے گھر سے حق کی تدبیر کے ساتھ نکالا انصاف کے ساتھ انصاف کو زندہ رکھنے کے لئے مظلوموں کی حفاظت کے لئے ظالموں کی قوت توڑنے کے لئے آپ ﷺ کو آپ کے دولت کدے سے نکالا۔

ایک ضروری وضاحت:

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ اور مومنوں کی ایک جماعت ایسی تھی جو اسے گراں سمجھتی تھی انہیں یہ پسند نہیں تھا۔ اس پر بعض لوگوں نے جو اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلاتے ہیں اور عالمِ دین ہونے کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں انہوں نے بھی یہ اعتراض کئے ہیں خصوصاً صحابہ کرامؓ کے اس جملے پر جو قرآن نے فرمایا وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ مومنوں میں ایک ایسی جماعت تھی جو اس کو پسند نہیں کرتی تھی۔ اس پر بڑے اعتراض کئے ہیں جب حضور ﷺ نے فرمایا جنگ ہوگی تو یہ جان بچاتے تھے یا معاذ اللہ ڈرتے تھے یہ تھا وہ تھا۔ یہ ساری باتیں فضول ہیں۔ جن لوگوں نے پسند نہیں فرمایا ان کی وجہ یہ تھی کہ وہ محبت کرتے تھے اپنے نبی ﷺ سے اور ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم مٹھی بھر لوگوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو لے کر اہل مکہ کے مقابلے میں چلے گئے تو وہ ایک بڑا لشکر لے آئیں گے جو مسلح بھی ہوگا جنگجو بھی ہوں گے تعداد بھی زیادہ ہوگی تو ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو نقصان پہنچ جائے۔ اگر ایسا ہوگیا تو یہ مشن محمدی کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے کائنات کے لئے مبعوث فرمایا ہے تو یہ مشن یہیں ٹھپ ہو جائے گا اور اس رائے کی تائید نبی کریم ﷺ نے خود بدر میں دعا فرماتے ہوئے فرمائی اور فرمایا اَللّٰھُمَّ اَنْ

تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَد۔ یا اللہ اگر یہ لوگ آج یہاں مارے گئے تو قیامت تک کوئی تیرا نام لینے والا نہیں ہوگا او کما قال رسول اللہ ﷺ فرمایا میں سارے کا سارا اسلام لے آیا ہوں۔ یہ تین سو تیرہ بندے نہیں ہیں۔ اب جن بندوں کو اللہ کا نبی ﷺ مجسم اسلام کہہ رہا ہے۔ حضور نے دعا میں فرمایا کہ اے اللہ میں سارے کا سارا اسلام لے آیا ہوں اور اگر یہ لوگ یہاں کھیت رہے تو پھر قیامت تک دنیا میں تیرا کوئی نام لیوا نہیں ہوگا۔ جن لوگوں کو اللہ کا رسول جو وحی الٰہی کے بغیر لب مبارک نہیں کھولتا وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ النجم : 3/4 جو اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے جب تک وحی نہ ہو تو وہی زبان حق ترجمان جب صحابہؓ کو سارے کا سارا اسلام کہہ رہی ہے تو پھر کسی کی رائے کو کوئی اہمیت ہے؟ کسی کے کچھ کہنے کی گنجائش ہے؟ کسی نے خوب لکھا ہے کہ کسی کا کوئی محبوب ہو کسی کو کسی سے حقیقی محبت ہو اور اس کی جان کو خطرہ ہو اور وہ اسے وہاں جانے سے روکے کہ وہاں جاؤ گے تو تمہیں خطرہ ہے۔ کاش ان معترضین کا کوئی محبوب ہوتا اس کی جان کو خطرہ ہوتا پھر انہیں وہ کیفیت سمجھ آتی کہ صحابہ کرامؓ کیوں اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ مبادا ایسا نہ ہو کہ حضور عالی ﷺ کو کوئی گزند پہنچ جائے۔ اگر آپ ﷺ شہید ہو جاتے ہیں تو یہ مشن یہیں ختم ہو جائے گا جس کے لئے ہجرت کی گئی جس کے لئے تکالیف اٹھائی گئیں جس کیلئے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں جہان بھر کے دکھ برداشت کئے وہ تو وہیں ختم ہو جائے گا اور اس سارے کا کیا حاصل حتیٰ کہ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ ان صحابہ کرامؓ نے یہ سمجھ لیا کہ ہمارا اہل مکہ کے سامنے کھلے میدان میں جانا کھلی آنکھوں موت میں جانے کے مترادف ہے تو حضور اکرم ﷺ سے وہ عرض کرتے تھے کہ اے حبیب کبریاء ﷺ یہ خطرہ مول نہ لیا جائے آپ ﷺ تشریف نہ لے جائیں یہ تو کسی نے نہیں کہا کہ آپ جائیں گے تو میں گھر بیٹھوں گا بلکہ کچھ ایسے بچے بھی شامل تھے جو بدر میں شہید بھی ہوئے۔ دو شہید ہوئے ایک غازی بنا جس بچے کو حضور ﷺ نے فرمایا تمہاری ابھی مسیں نہیں بھیگیں تمہاری عمر کم ہے تمہیں جنگ کی اجازت نہیں دیتا تو وہ رو پڑا اور اتنے دردناک طریقے سے رویا کہ حضور ﷺ نے فرمایا اچھا ٹھیک ہے تمہیں اجازت ہے آ جاؤ۔ دوسرا آیا آپ نے منع کیا اس نے بڑا اصرار کیا بڑی منتیں کیں اللہ کے رسول ﷺ مجھ پر کرم فرمائیں اس کے والد نے اسے روکا اس نے والد سے کہا کہ ابا آپ مجھے جنت میں جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتے کیوں مجھے جنت کے راستے سے روکتے ہیں؟ حضور ﷺ نے اسے بھی اجازت دے دی۔ جب تیسرا آیا تو وہ ان دونوں سے ذرا کمزور تھا۔ اس نے بھی اصرار کیا تو حضور ﷺ نے اسے اجازت نہ دی اس نے عرض کی یا رسول ﷺ یہ جسے آپ نے اجازت دی ہے میں اسے کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں میں اس سے

تکڑا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا اچھا کشتی کرو جب وہ کشتی کرنے لگے تو اس نے اس کے کان میں کہا میں جانتا ہوں تو مجھ سے تکڑا ہے لیکن مجھے گرانا نہیں مجھ سے گر جانا کہ مجھے جہاد پر جانے کی اجازت مل جائے۔ یعنی ذوق شہادت کا یہ عالم تھا کہ بچے، نوعمر، جوان سب ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لینے کے خواہش مند تھے اور پھر انہی دو بچوں نے ابوجہل کو قتل کیا۔ ان میں سے ایک خود بھی شہید ہوگیا، دوسرا غازی بنا۔ یہی ابوجہل کے قاتل تھے۔ میدان بدر میں انہوں نے ایک صحابی سے پوچھا چچا جان ابوجہل کون ہے؟ سنا ہے وہ نبی کریم ﷺ کی توہین کرتا ہے۔ انہوں نے کہا بھتیجو تم ابوجہل کو جان کر کیا کرو گے کہنے لگے ہم مقابلہ کریں گے دیکھیں گے کہاں تک جاتا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں میں حیران ہوگیا یہ نوعمر بچے ہیں بارہ، چودہ، پندرہ، پندرہ سال کے کیا کریں گے؟ ابوجہل ایک شاطر جنگجو پرانا جرنیل ہے۔ لیکن تب تک ابوجہل گھوڑے پہ نظر آیا تو میں نے انہیں دکھایا کہ وہ ابوجہل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ باز کی طرح اس پر جھپٹے اس سے لڑے، ان میں سے ایک شہید ہوگیا۔ لیکن ان دونوں نے اسے مار گرایا۔

صحابہ کی بحث اس بات پر تھی کہ مسلمان اہل مکہ کے مقابلے پر بے سروسامانی کی حالت میں تھے کہ کُل 313 مجاہد تیار ہوسکے، جو افرادی قوت تھی، ان کے پاس سواری کے لئے ستر گھوڑے، ستر اونٹ تھے ستر سواریاں تھیں، آٹھ زرہیں اور گیارہ تلواریں تھیں، یہ اسلحہ تھا۔ صبح شام کا راشن یہ تھا کہ صبح شام پانچ پانچ کھجوریں فی کس ملتی تھیں۔ یہ جنگ رمضان المبارک میں ہوئی اور حضور ﷺ نے جنگ کے دن افطاری کا حکم دیا کہ آج روزہ نہ رکھو۔ جو شہید ہوگیا وہ جنت میں جائے گا۔ جو غازی بنا وہ بعد میں قضا کرے گا لیکن آج عین دوران جنگ روزہ نہ رکھے۔ حضور ﷺ نے رخصت دے دی تو پانچ پانچ کھجوریں صحابہؓ میں تقسیم کی گئیں۔ صف بندی کے وقت ایک نوجوان صحابی کو جب کھجوریں دی گئیں تو اس نے سوال کیا یارسول اللہ اگر آج میں مارا گیا تو جنت جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، بے شک تو اعلیٰ درجے کا شہید ہوگا اور جنت جائے گا۔ تو اس نے وہ کھجوریں پھینک دیں اس نے کہا پھر وہیں جا کر بھوک مٹائیں گے۔ ان کھجوروں سے ہی ساری عمر پیٹ بھرا ہے جنت میں جا کر کھانا کھائیں گے اور واقعی بدر میں وہ شہید بھی ہوگیا۔

مجھے حیرت ہوتی ہے جو لوگ مسلمان بھی کہلاتے ہیں، قرآن بھی پڑھتے ہیں اور پھر اس کے معانی میں مغرب کے کافروں کے اعتراضات لے لیتے ہیں اور صحابہ کرامؓ پر چسپاں کر دیتے ہیں انہوں نے عظمت صحابہؓ اور صحابہؓ کا ایمان عقیدہ اور ایثار جو ہے اسے سمجھا ہی نہیں۔ وہ اپنے پر قیاس کر بیٹھے ہیں کہ جیسے ہم

مسلمان ہیں صحابہؓ بھی ایسے ہی مسلمان تھے۔ ایسا نہیں ہے۔ ہم ان کی خاک، پا کے بھی برابر نہیں ہیں۔ وہ اللہ کے مثالی مسلمان تھے۔ یہ دیکھو 313 لوگوں کو اللہ کا رسول فرمار ہا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم کہ یا اللہ میں سارے کا سارا اسلام لے آیا ہوں۔ اگر آج یہ کھیت رہے تو قیامت تک کوئی تیرا نام نہیں لے گا۔ ان پر اعتراض کرنے کی گنجائش کہاں باقی رہ جاتی ہے؟ بات سمجھنے کی ضرورت ہے۔ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴿۶﴾ وہ آپ سے اس حق کے مقابلے میں آپ کا نکلنا حق تھا لیکن اس میں وہ آپ سے بحث کرتے تھے کیوں؟ جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ کھلی آنکھوں موت میں دھکیلے جا رہے ہیں۔ یعنی یہ مقابلہ جو ہے کسی سبب سے نہ مادی قوت سے نہ اسلحہ سے کسی طرح سے مقابلہ نہیں بنتا بلکہ یہ سیدھا سیدھا کھلی آنکھوں موت کے منہ میں جانے کے مترادف ہے اور اگر حضور ﷺ فرماتے میں مدینہ منورہ میں رہتا ہوں تم جاؤ تو کوئی بھی مشورہ نہ کرتا۔ جب اس مشورہ پر اصرار ہوا تو نبی کریم ﷺ نے اثنائے سفر میں مہاجر وانصار کو جمع کر کے خطاب فرمایا لوگو! میں اپنی مرضی سے نہیں نکلا۔ مجھے وحی الٰہی سے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس مقابلے کے لئے نکلوں۔ جب حضور ﷺ نے یہ فرمایا اور پوچھا کہ اب تمہارا کیا مشورہ ہے؟ سب سے پہلے ابوبکر صدیق بولے مہاجرین میں سے۔ پھر فاروق اعظم ان کے ساتھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ جب اللہ کا حکم ہے بات ختم ہو گئی مشورہ کس بات کا۔ مشورہ تو تب ہے کہ آپ ﷺ مشورہ طلب فرمائیں فیصلہ مشورے سے کرنا ہو۔ جب اللہ کا حکم ہے تو بات ختم ہو گئی مشورہ کس بات کا ہم آپ کے خادم آپ کے ہمرکاب ہیں۔ حضور ﷺ نے انصار سے پوچھا۔ ایک انصاری نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم موسیٰ علیہ السلام کی امت کی طرح نہیں کہ کہیں گے قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴿۲۴﴾ المائدہ: 24 آپ جائیں آپ اور آپ کا پروردگار لڑیں ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ یہ جملہ ہم نہیں کہیں گے۔ آپ جہاں جائیں گے ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور آپ کے حکم پر عمل پیرا رہیں گے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کے سردار تھے وہ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ جب ہم آپ پر ایمان لائے تو ہمیں یہ روز روشن کی طرح واضح تھا کہ دنیا کا سارا کفر ہمارے خلاف ہو جائے گا۔ اب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں آپ اگر سمندر میں گھوڑے دوڑا دیں تو ہمیں آپ ہمرکاب پائیں گے۔ آپ جہاں تک چلے جائیں گے ہم آپ کے ساتھ

جائیں گے۔ جہاں آپ ہوں گے آپ سے پہلے ہم اپنی جان پیش کریں گے۔ مشورے کی بات گزر گئی جب اللہ کا حکم ہے مشورہ ختم ہو گیا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جماعتیں دو ہو گئی ہیں۔ قافلے والوں کو بھی یہ سن گن پہنچ گئی کہ مسلمان مدینے سے نکل پڑے ہیں تو وہ میدان بدر کو چھوڑ کر بدر سے مغرب کی طرف پہاڑیاں ہیں جن کے سامنے میدان بدر ہے ان پہاڑیوں کے پیچھے قریب ہی سمندر ہے تو وہ ساحل سمندر کے محفوظ راستے کی طرف ہو گئے اور ایک تیز رفتار قاصد کو مکہ روانہ کر دیا۔ اس نے مشرکین مکہ کو کہا کہ قافلے کو بڑا خطرہ ہے تو مشرکین بڑے کروفر سے تیار ہوئے۔ انہوں نے ایک ہزار کا لشکر جرار تیار کیا جو بڑے مانے ہوئے جنگجو جوان تھے اور بڑے بڑے قریش کے سردار اور جرنیل بھی ساتھ ہو گئے ایک ہزار کا لشکر جرار بے شمار اسلحہ، گھوڑے، اونٹ، کھانے کے لئے خوراک سارا انتظام کر کے وہ نکل پڑے۔ مسلمانوں کو بھی خبر ہو گئی کہ لشکر مکہ سے بھی آ رہا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان دو میں سے ایک لشکر پر آپ کو فتح دوں گا۔ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ جب اللہ نے آپ ﷺ سے وعدہ کر دیا کہ ان دو لشکروں میں سے ایک پر آپ ﷺ کو فتح ہو گی۔ فرمایا ایک لشکر تمہارے قابو آ جائے گا تمہارے ہاتھ آ جائے گا وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ تب بھی صحابہ کرام ؓ کا خیال یہ تھا کہ قافلہ ہاتھ آ جائے جو کم مسلح ہے غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وہ قافلہ بھی غیر مسلح تو نہیں تھا۔ ستر مسلح افراد اس کی حفاظت کے لئے ساتھ تھے ستر سے صحابہ ؓ کی عددی قوت زیادہ تھی۔ تو صحابہ کا دل یہ چاہتا تھا۔ فرمایا تم چاہتے تھے کہ جو بغیر اسلحہ کے ہے وہ تمہارے ہاتھ آ جائے۔ لیکن وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ اللہ جل شانہ یہ چاہتے تھے کہ حق کو اپنے فرمان سے قائم کر دیں اور دنیا کو دکھا دیں کہ حق ہی غالب ہوتا ہے اور باطل مغلوب ہوتا ہے خواہ اس کے پاس کتنے ہی وسائل ہوں، دنیاوی اسباب ہوں، شان و شوکت ہو۔ لیکن فتح حق کی ہوتی ہے۔ اللہ یہ بات ظاہر کرنا چاہتے ہیں وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اور اللہ یہ چاہتے تھے کہ کافروں کی جڑ ہی کاٹ دیں۔ ان کا جو زعم ہے اور جس طرح یہ تکبر میں مبتلا ہیں ان کو ایسا ذلیل کیا جائے کہ ان کے دعویٰ کی جڑ ہی کٹ جائے اور پوری دنیا دیکھ لے کہ حق کس کے ساتھ ہے تاکہ لوگوں کو دین نصیب ہو اسلام نصیب ہو لوگ اسلام کی طرف مائل ہوں اور عرب کے بے شمار قبائل اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں ان دونوں میں سے کون غالب آتا ہے اور عرب اس معاملے میں بڑے دانا لوگ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ حضور ﷺ اگر واقعی سچے نبی ہیں تو یقیناً

غالب آئیں گے اور اگر معاذ اللہ ان کا دعویٰ محض شہرت حاصل کرنے کا ہے تو پھر اہل مکہ کے ہاتھوں قتل ہو جائیں گے۔ تو یہ مقابلہ ایک دفعہ دیکھ لیں۔ اگر اہل مکہ کو شکست ہوتی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور سچے نبی ﷺ ہیں پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ اللہ نے فرمایا! اللہ ہر بات کو جانتا ہے۔ اللہ نے فرمایا یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ اللہ چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کو فاتح کرے، واضح کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ ان کی شان وشوکت خاک میں ملا دے۔ جب حضور اکرم ﷺ نے یہ خبر صحابہؓ کو دی تو آپ ﷺ نے بدر میں وہ جگہیں بھی دکھلائیں تفاسیر میں ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک ایک کافر کے قتل کی جگہ دکھا دی کہ یہاں فلاں کافر قتل ہوگا، یہاں فلاں کافر قتل ہوگا۔ یہاں فلاں کافر قتل ہوگا۔ یہاں فلاں سردار مارا جائے گا۔ اس جگہ فلاں شخص قتل ہوگا اور جنگ کے بعد صحابہ کرامؓ نے دیکھا کہ ان کے لاشے انہی جگہوں پر پڑے تھے جن کی حضور ﷺ نے باذن الٰہی خبر دی تھی۔ چونکہ اللہ نے حضور ﷺ کو خبر دے دی تھی کہ آپ کو فتح ہوگی اور ان کے چوٹی کے لوگ، مکہ کے چیدہ چیدہ جوان، شہسوار اور سرداروں میں سے ستر مارے گئے اور ستر مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گئے۔ ایک قاصد مکہ مکرمہ اس شکست کی خبر لے کر گیا اس نے عربوں کے جاہلیت کے رواج کے مطابق اپنی قمیض کو الٹا کر کے پہنا پھر قمیض کا گریبان پھاڑ دیا پھر اپنی سانڈنی کے ناک کو چیر دیا اور پھر الٹی طرف یعنی پیچھے کی طرف منہ کر کے سواری پر بیٹھ گیا شہر میں داخل ہونے سے پہلے بڑا شور کیا کہ مکہ والو تم برباد ہو گئے ہو فلاں بھی مارا گیا، فلاں بھی مارا گیا، فلاں بھی مارا گیا۔ ستر نام تو اس نے مرنے والوں کے گنے۔ ستر قیدیوں کے گنے تو پورے مکہ مکرمہ میں کہرام مچ گیا۔ کوئی گھر ایسا نہیں تھا جہاں سے شور نہیں اٹھا۔ تو فرمایا جب اللہ نے آپ سے وعدہ کر دیا کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے ہاتھ آ جائے گی تو آپ لوگ چاہتے تھے کہ جو غیر مسلح یا کمزور جماعت ہے یعنی قافلے والے ہیں وہ ہاتھ لگیں لیکن اللہ کریم چاہتے تھے کہ حق کو اپنے فرمان سے غالب کریں۔ اور باطل کا باطل ہونا عملاً ثابت فرما دیں۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ۸ خواہ آپ کے دشمن اس سے ناخوش ہی ہوں۔ خواہ مجرموں کو اس سے دکھ ہی ہو۔ خواہ نافرمانوں کو یہ بات پسند نہ آئے اور یہ عجیب بات ہے کہ 313 بندے جن کے پاس کل ستر سواریاں ہیں آٹھ زرہیں اور گیارہ تلواریں ہیں۔ وہ ایک لشکر جرار کے ساتھ جو آزمودہ کار جنگجوؤں کا ہے جن کے پاس اسلحہ بھی وافر ہے راشن بھی وافر ہے کس طرح لڑیں۔ عریشِ بدر وہ مقام ہے جہاں عارضی سا سایہ بنا دیا گیا تھا

وہاں حضور ﷺ نے دعا فرمائی تھی ۔ آج اس مقام پر مسجد بنا دی گئی ہے ۔ وہاں آپ ﷺ دعا فرما رہے تھے حتیٰ کہ دوش مبارک سے ایک طرف سے چادر مبارک گر گئی اور سیدنا ابوبکر صدیق خدمت عالی میں حاضر تھے ۔ آپؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ بس کیجئے اللہ نے آپ کی دعا سن لی ہے ۔ آپ اس قدر الحاح و زاری نہ کریں ۔ اب بس کر دیں ۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ جب آپ ﷺ اپنے پروردگار سے دعا فرما رہے تھے فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اس نے آپ کی دعا قبول فرمالی ۔ دعا مومن کا بہت بڑا ہتھیار ہے اور ہر کام میں دعا کرنی چاہیے ۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں صرف دعا سے کام نہیں ہوتا ۔ دعا کرنے کا طریقہ وہ ہے جو نبی کریم ﷺ نے بتا دیا کہ جو تین سو تیرہ خدام مُیسّر تھے انہیں ساتھ لیا، سواری کے جو اسباب مُیسّر تھے وہ لئے، جتنا اسلحہ مُیسّر تھا وہ لیا، 150 کلومیٹر مدینہ سے چل کر مقام بدر میں تشریف لائے، وہاں اعلیٰ مقام منتخب کیا، پانی کے چشمے پر قبضہ فرمایا پھر بدر کے دن ان 313 کو صف آرا کیا ۔ حضور ﷺ کے دست اقدس میں چھڑی تھی جس سے آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے پوری صف بندی خود حضور ﷺ نے کرائی سارے اسباب مکمل کر کے عریش بدر میں تشریف لے گئے کہ اللہ کی مدد سے کام ہوگا، دعا سے ہوگا تو دعا کا مطلب یہ نہیں کہ بندہ کام کرنا چھوڑ دے اور بیٹھا دعا کرتا رہے ۔ بعض لوگ پوچھتے ہیں جی رزق کے لئے وظیفہ بتائیں ۔ کاروبار کے لئے وظیفہ بتائیں ۔ تو وظیفہ سادہ سا ہے کہ محنت سے کاروبار کریں اور اس کے بعد اللہ کی بارگاہ میں اپنے لئے دعا کریں کہ یا اللہ مجھے اس سے رزق میں فراوانی عطا کر اور مجھے کامیاب کر ۔ لیکن پوری دیانتداری سے پوری محنت کر کے کام کریں ۔ یہی طریقہ حضور ﷺ نے تعلیم فرمایا کہ اسباب پورے فرما کر عریشِ بدر میں جب آپ ﷺ نے دعا فرمائی اللہ نے فرمایا میں نے قبول کر لی اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۝۹ کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد فرماؤں گا جو ایک دوسرے کے پیچھے چلے آتے ہیں ۔

آپ ﷺ کی دعا کی شانِ قبولیت :

فرمایا، اب میں آپ کے لئے اور آپ کے خدام کے لئے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں جو صف در صف ایک دوسرے کے پیچھے چلے آتے ہیں ۔ صف در صف، اسے فوجی زبان میں کہتے ہیں (Formation) میں چلے آتے ہوں گے ۔ چار چار، پانچ پانچ کی ٹولیاں بنا کر جس طرح فوجی آگے پیچھے چلتے ہیں اسے

(Formation) کہتے ہیں اور قرآن نے کہا مُرْدِفِیْنَ کہ صف در صف ایک دوسرے کے پیچھے آپ کی خدمت میں چلے آتے جائیں گے۔

بارالہا فرشتے تو تیری وہ مخلوق ہے ایک ایک فرشتے نے زمین کے تختے الٹ دیئے۔ ایک ایک فرشتے نے قوموں کی قوموں کو تباہ کر دیا۔ ایک ایک فرشتے نے پہاڑوں کو اڑا دیا تو یہاں ایک ہزار فرشتے کیا کریں گے؟ فرمایا میں جب عذاب بھیجتا ہوں تو ایک فرشتے کو بھی حکم دوں تو وہ ان کے لئے کافی ہے لیکن یہ تو میرا نبی ﷺ دعا مانگ رہا ہے۔ مانگنے والے کا مقام بھی تو دیکھو۔ کام ایک فرشتہ بھی کر سکتا ہے لیکن عظمت نبوت یہ ہے کہ ایک ہزار بھیجے پھر تین ہزار اور بھیجیں گے کہ جو ہاتھ مبارک دعا کے لئے اٹھے ہیں ان کی عظمت کے لئے ان کی شان بتانے کے لئے۔ ان کا مقام بتانے کے لئے میں نے ایک ہزار فرشتہ بھیج دیا۔ پھر تین ہزار اور بھیجیں گے فرمایا وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۰﴾ اور یہ نزول ملائکہ جو تھا، فرشتوں کا آنا جو تھا یہ تو آپ کے لئے فرشتوں کا آنا ہی جیت کی خوشخبری ہو گیا۔ خوشخبری کی ضمانت ہو گئی، جیت کی ضمانت ہو گئی، فتح کی ضمانت ہو گئی۔ وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ اور تا کہ ان سے تمہارے دل قرار پکڑیں۔ اصل جو بات ہے ایمان اور اسلام کی وہ یہ یقین ہے کہ دل اس بات پر جم جائیں، قرار پکڑ جائیں۔ تمام عبادات خواہ صلوٰۃ ہو یا تسبیح، روزہ و زکوٰۃ ہو یا حج و جہاد یہ سب اوصاف ملکوتی پیدا کرتے ہیں یعنی فرشتوں جیسے اوصاف اور جب کوئی عبادت کرے اور فرشتے اس کے پاس آئیں تو فرشتوں کا پاس آنا اطمینان قلب اور سکون قلب کا باعث ہے اور ایمان کی زیادتی کا سبب بنتا ہے۔ فرمایا فرشتوں کا نزول محض کفار کے قتل کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے سکینہ اور رحمت کے نزول کا سبب بھی ہے۔ اور بے شک اللہ کریم ہی غالب اور حکمت والے ہیں۔

نزول سکینہ کی ایک مثال:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے کچھ فرشتے صرف اس لئے پیدا کئے ہیں کہ جہاں اس کا ذکر ہو رہا ہو وہاں حاضر ہوں اور ذکر کی کیفیات سنیں اور لیں اور بارگاہ الٰہی میں ان لوگوں کے بارے آ کر اطلاع دیں۔ اگرچہ اللہ خود سب کچھ جانتا ہے۔ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق فرشتہ جب کسی کو ذکر اللہ میں مشغول دیکھتا ہے تو دوسرے فرشتوں کو متوجہ کرتا ہے کہ آؤ ہمارا مطلوب یہاں ہے۔ جہاں بہت سے لوگ بیٹھے اکٹھے

ذکر کررہے ہوتے ہیں وہاں فرشتے جمع ہوتے جاتے ہیں۔ حدیث شریف یں آتا ہے کہ وہ اتنے جمع ہوجاتے ہیں کہ بعد میں آنے والے پہلے سے موجود فرشتوں کے اوپر جگہ پاتے ہیں، اسی طرح مزید آجاتے ہیں حتیٰ کہ اگر وہ لوگ دیر تک ذکر کرتے رہتے ہیں تو فرشتوں کی صف آسمان سے جالگتی ہے۔ جب ذکر ختم کرکے وہ دعا کرتے ہیں تو پھر وہ منتشر ہوکر بارگاہ الٰہی کی طرف واپس جاتے ہیں اور وہاں جاکر عرض کرتے ہیں کہ بارالہا ہم ایسی مجلس میں تھے جہاں لوگ آپ کا ذکر کررہے تھے، آپ کو یاد کررہے تھے، آپ کی یاد سے دل اور سینے روشن کررہے تھے تو ارشاد ہوتا ہے کہ گواہ رہو وہاں جتنے لوگ تھے میں نے بخش دیئے تو ان میں سے کچھ فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ کچھ لوگ تو واقعی وہاں ذکر کے لئے آئے تھے کچھ ایسے بھی تھے جنہیں ان لوگوں سے کوئی کام تھا جو ذکر میں مصروف تھے۔ وہ ان کو ملنے آئے وہ ذکر میں مصروف تھے وہ بھی پاس بیٹھ کر ذکر کرنے لگ گئے۔ تو وہ ذکر کی نیت سے تو نہیں آئے تھے ارشاد ہوتا ہے هم الجلساء لا يشقىٰ بهم جليسُهم (متفق علیہ) اوکما قال رسول اللہ ﷺ کہ یہ وہ قوم ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت نہیں رہتا۔ میں نے سب کو بخش دیا۔ جو جس نیت سے بیٹھا تھا۔ سو ذکر قلبی میں ملائکہ کا نزول ہوتا ہے وہ وہاں جمع ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اطمینان قلبی نصیب ہوتا ہے۔ یعنی قلب ارشادات نبوی پر جم جاتا ہے اطمینان قلب کسے کہتے ہیں؟ یہی کہ دل ارشادات نبوی پر جم جائے۔ آخرت کو، قرآن کو، فرشتوں کو، ضروریات دین کو خلوص قلب سے تسلیم کرلے۔

فرمایا یہ فرشتوں کا نزول محض کفار کے قتل کے لئے نہیں ہے اس کے اور بھی عظیم فائدے ہیں ایک تو آپ ﷺ کے لئے آپ ﷺ کے خدامؓ کے لئے فتح کی خوشخبری ہے۔ جنگ ہوئی لیکن فرشتے آ گئے۔ مفسرین نے لکھا ہے اور آگے قرآن کریم میں یہ واقعہ اپنے مقام پر آتا ہے کہ ابلیس نے عربوں کے ایک نہایت جنگجو قبیلے کے جنگجو سردار کا روپ دھارا اور اپنے چیلوں کو جنگجو ساتھی بنا کر ان کے سامنے آیا اور انہیں اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ چونکہ جب قافلہ ایک طرف سے نکل گیا تو مکے کے لشکر میں بھی شور پڑ گیا کہ قافلہ تو بچ کر نکل گیا ہے اب جنگ سے کیا ہوگا تو اب جنگ نہ کی جائے۔ ابو جہل اور اس کے ہمنوا کہتے تھے کہ جب مکہ سے اتنے دور آ گئے ہیں اور مدینہ منورہ اور مکہ کے درمیان آ گئے ہیں تو اب ہم لڑے بغیر واپس نہیں جائیں گے تاکہ مسلمانوں کا قصہ اب پاک کردیا جائے۔ ہماری بڑی تیاری ہے بڑا لشکر ہے۔ یہ بحث ہورہی تھی کہ ابلیس

نے روپ دھار کر ان سرداران قریش سے کہا کہ یہ جنگ ضرور ہو گی۔ میں فلاں سردار ہوں میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ میرا لشکر تمہارے ساتھ ہے۔ چنانچہ جنگ کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔ جب بدر میں صفیں بن رہیں تھیں تو وہ چھوڑ کر بھاگنے لگا۔ ابو جہل نے کہا تمہیں بھاگتے ہوئے شرم نہیں آتی یہاں تک ہمیں بھی لائے ہو تو اس نے کہا انی اریٰ ما لا ترون میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آ رہا۔ اسے تو نظر آ رہا تھا کہ فرشتے نازل ہو رہے ہیں۔ اس نے کہا انی اریٰ ما لا ترون مجھے تو دکھائی دے رہا ہے جو تمہیں دکھائی نہیں دے رہا۔ میں بھاگ رہا ہوں تم جانو تمہارا کام جانے۔ تو فرمایا فرشتوں کا آنا ایک تو فتح کی بشارت تھی اور دوسرا قریب ملائکہ سے خدام نبوی کے قلوب کو سکون واطمینان اور جمعیتِ خاطر نصیب تھی۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے۔ فتح کیا ہے مدد ہے کیا؟ صرف ایک چیز مدد کرتی ہے جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ یہ جو مخلوق بھٹکتی رہتی ہے فلاں میری مدد کرے گا، فلاں پیر میری مدد کرے گا، فلاں مولوی کرے گا، فلاں جادوگر کرے گا، فلاں سیاستدان کرے گا اور اس میں عمریں کھپا دیتے ہیں یہ سب دھوکہ ہے اپنے آپ سے جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔ مدد وہی ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کی طرف سے ملتی ہے وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ حقیقتاً مدد کیا ہے؟ صرف اللہ کی طرف سے ہے دنیا میں سب خود محتاج ہیں۔ محتاج کسی دوسرے کی مدد کیا کرے گا۔ اور جو اہل حق ہیں، علماء حق ہیں، جو پیران حق ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ تم میری مدد سے مقدمہ جیت جاؤ گے تم فلاں کو قتل کر دو بری ہو جاؤ گے۔ نہیں۔ ان کا ایک ہی کام ہے وہ بندے کو اللہ سے واصل کر دیتے ہیں اللہ کی بارگاہ میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ اب وہ جانے اور اس کا پروردگار جانے۔ اسے کوئی مدد چاہیے تو اپنے پروردگار سے مانگے۔ وہ اس کی مدد فرمائے گا۔ اہل اللہ کا کام ہوتا ہے آنے والے کو بارگاہ الوہیت تک پہنچا دیں۔ اسے دعا مانگنے کا سلیقہ سکھا دیں۔ اس کے دل کو روشن کر دیں اس کے ایمان کو مضبوط کر دیں تو فرمایا مدد کیا ہوتی ہے؟ حقیقی مدد صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ یقیناً اللہ غالب ہے جو چاہے کر سکتا ہے لیکن وہ حکیم و دانا بھی ہے۔ اپنی حکمت کے مطابق ہر کام سرانجام دیتا ہے۔ وہ کسی کے مشورے کا محتاج نہیں۔ وہ خود دانا تر ہے اور غالب تر ہے کسی کی مدد کا محتاج ہے نہ کسی کے مشورے کا محتاج ہے۔

سورۃ الانفال رکوع 2 آیات 11 تا 19

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿١١﴾ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿١٥﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩﴾

جب وہ (اللہ) تم پر اونگھ کو طاری کر رہے تھے اپنی طرف سے چین دینے کے لئے اور تم پر آسمان سے (اوپر سے) پانی برسا رہے تھے تا کہ اس کے ساتھ تم کو پاک کر دیں اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دور کر دیں اور تا کہ تمہارے دلوں کو (رابطہ سے) مضبوط کر دیں اور اس سے (تمہارے) پاؤں جما دیں۔ ﴿۱۱﴾ جب آپ کے پروردگار فرشتوں کو حکم فرماتے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو مومنوں کی ہمت بڑھاؤ میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب (اور ہیبت) ڈالے دیتا ہوں سو ان کی گردنیں مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔ ﴿۱۲﴾ یہ (سزا) اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے پیغمبر کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی مخالفت کرتا ہے سو بیشک اللہ سخت سزا دینے والے ہیں۔ ﴿۱۳﴾ یہ (سزا) ہے سو اس کو چکھو اور یہ کہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ ﴿۱۴﴾ اے ایمان والو! جب تم کافروں سے (جہاد میں) دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پیٹھ مت پھیرنا۔ ﴿۱۵﴾ اور جو شخص اس موقع پر ان سے پیٹھ پھیرے گا سوائے اس کے کہ پینترا بدلے یا اپنی فوج سے جا ملنا چاہے (وہ مستثنیٰ ہیں) سو وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ ﴿۱۶﴾ پس آپ نے ان کو قتل نہیں کیا ولیکن اللہ نے ان کو قتل کیا اور جب آپ نے (خاک کی مٹھی) پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی اور تا کہ مومنوں کو اپنے (احسانوں) سے اچھی طرح آزما لیں یقیناً اللہ سننے والے جاننے والے ہیں۔ ﴿۱۷﴾ یہ بات ہو چکی اور یہ کہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کر دینے والے ہیں۔ ﴿۱۸﴾ اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو یقیناً وہ فیصلہ تمہارے سامنے ہے اور اگر باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی وہی کام کریں گے اور تمہاری جمعیت (اکٹھ) ہرگز تمہارے کچھ کام نہ آئے گی اور خواہ کتنی ہی زیادہ ہو اور یہ کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہیں۔ ﴿۱۹﴾

تفسیر و معارف

حق و باطل کا پہلا معرکہ:

غزوۃ البدر کا واقعہ چل رہا ہے۔ انسانی تاریخ میں ظلم کے خلاف مظلوموں کی طرف سے جہاد اور مقابلے کا یہ پہلا بے مثل و بے مثال دن تھا۔ معاشرہ جوروستم سے پُر تھا۔ کفروشرک تھا۔ اور ہر شخص جس کے پاس کچھ قوت یا طاقت تھی وہ دوسروں پر، کمزوروں پر اپنی مرضی مسلط کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ کمزور آدمی کو پکڑ کر غلام بنا کر بیچ دیا جاتا تھا تو اس کی کوئی حیثیت باقی نہ رہتی۔ مال لوٹ لینا، کسی کی آبرو لوٹ لینا یہ ان کے روزمرہ کے مشاغل تھے۔ شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور دُور دُور تک عظمت الٰہی کا کوئی نشان نہیں ملتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا اور کفروشرک کے خلاف آواز حق بلند فرمائی تو تیرہ برس مسلسل مکہ مکرمہ میں بے شمار مصیبتیں سہیں مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پہ کیا کیا مصیبتیں بیتیں حتیٰ کہ گھروں کو مال و جائیداد سب کچھ کو چھوڑ کر ہجرت فرمائی گئی اور حضور ﷺ مدینہ منورہ جلوہ افروز ہوئے۔ پہلے کفار مشرکین کا خیال تھا کہ جب حضور ﷺ بے وطن ہو جائیں گے شہر سے نکل جائیں گے تو شائد ان کی بات کوئی نہیں سنے گا اور یہ بات یہیں ختم ہو جائے گی لیکن ہجرت نے تو تعلیم اسلام اور تبلیغ کو اور جلاء بخشی اور بات اور زیادہ پھیلنے لگی پھر مدینہ منورہ آکر حضور ﷺ نے مہاجرین و انصار میں مواخات کرادی بھائی چارہ کرادیا۔ ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنا دیا اور مسلمان اطمینان سے اپنے کام میں لگ گئے۔ زراعت شروع کر دی، مزدوری شروع کر دی اور ساتھ ساتھ دین پر عمل اور دین کی تبلیغ کو اولیت دی تو مزید پھیلاؤ شروع ہو گیا۔ اسلام پھیلنے لگا۔ مشرکین مکہ کو فکر ہوئی مدینہ کے یہود اور منافقین نے مختلف خبریں پہنچائیں تو ایک تیاری کی گئی کہ مدینہ منورہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا جائے یہ حق و باطل کا وہ پہلا معرکہ تھا جس میں رب کریم کا ارشاد ہے کہ اللہ نے چاہا کہ کفر کی جڑ کاٹ دے اور حق کو غالب فرمائے۔ مکے کا لشکر بڑی تیاری سے آیا تھا۔ مانے ہوئے جنگجو اور مکے کے اکثر سرداران اور قبائل کے سردار ساتھ تھے۔ مسلمان تین سو تیرہ تھے حضور ﷺ کی شرفِ ہم رکابی میں ستر سواریاں تھیں، دس گیارہ تلواریں، آٹھ زرہیں تھیں اس حال میں معرکہ بدر بپا ہوا۔ میدان بدر میں مشرکین مکہ نے بلندی کی طرف زمین پر پڑاؤ لگا لیا اور قبضہ کر لیا۔ مسلمان تھوڑے سے نشیب میں آگئے جہاں زیادہ ریت تھی اور اس میں پاؤں دھنس جاتے تھے۔ تو صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر یہ جگہ وحی الٰہی سے متعین نہیں کی گئی تو ہمیں یہاں سے آگے بڑھ کر بدر کے پانی کے کنویں

پر قبضہ کر لینا چاہیے وہ جگہ نسبتاً بہتر ہے چنانچہ اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر پانی کے گرد ڈیرا لگا لیا اور پانی پر قبضہ کر لیا اور ایک طرف چھوٹی سی پہاڑی پر رسول اکرم ﷺ کے لئے سرکنڈوں کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنا دی گئی جس میں حضور ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکر صدیقؓ تھے جسے عریش بدر کہتے ہیں۔ جہاں اب ایک بہت خوبصورت مسجد ہے۔ تو مقابلے سے پہلے اللہ کریم نے رات کو عجیب انتظام فرمایا اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ ایک تو یہ کرم فرمایا کہ مسلمانوں پر نیند کی قسم ایک غنودگی سی بھیج دی جس نے انہیں بہت اطمینان و سکون بخشا اور کفار کے لشکر کی کثرت اور ان کے ہتھیاروں کی سجاوٹ اور ان کی طاقت ان کے خیال سے نکل گئی اور اللہ پر ان کا بھروسہ مزید بڑھ گیا اور ثابت قدمی عطا ہوئی۔

النُّعَاسَ کی تشریح:

یہاں اسے النُّعَاسَ، نیند کہا گیا ہے۔ یہ ایک کیفیت ہے جو اللہ کی طرف سے وارد ہوتی ہے۔ نیند میں انسان بے خبر ہو جاتا ہے لیکن یہ جو کیفیت وارد ہوتی ہے اس میں جسم نیند کی طرح ہو جاتا ہے لیکن حواس جاگتے رہتے ہیں وہ بات سن رہا ہوتا ہے، سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اسے اصطلاح تصوف میں جذب بھی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے بندہ باطنی طور پر، کلی طور سے اللہ کریم کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ تصوف میں لوگ مجاہدہ کرتے ہیں، محنت کرتے ہیں، نوافل پڑھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں پھر کثرت سے ذکر الٰہی کرتے ہیں اور مراقبہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات کسی نہ کسی کو اس کی اپنی حیثیت کے مطابق یہ جذب نصیب ہوتا ہے لیکن بہت شاز بہت کم ہوتا ہے کہ اسے نہ وقت کا احساس رہے نہ جگہ کا خیال رہے نہ گرمی سردی کا احساس رہے کہ قلبی طور پر کُلی طور پر اللہ کریم کی طرف متوجہ ہو جائے یہ بہت بڑی نعمت ہے اور بہت شاز ہوتی ہے اور یہ اس قسم میں سے ہوتی ہے جس قسم کی نیند انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہوتی ہے۔ انبیاء کے علاوہ ہر بندے کی نیند ناقص وضو ہے نیند میں وضو کیوں نہیں رہتا؟ اس لئے کہ بندے کو خبر نہیں رہتی کہ اس کا وضو باقی ہے یا نہیں۔ بندہ غافل ہو جاتا ہے اسے احساس نہیں رہتا۔ لیکن انبیاء پر ایسی نیند نہیں آتی۔ انبیاء کے حواس نیند میں بھی کام کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا انبیاءؑ کی نیند ناقص وضو نہیں ہوتی۔ تو فرمایا ہم نے مجاہدین بدر کو اس مبارک نیند میں سے حصہ عطا فرمایا۔ ان پر ایسی نیند طاری ہو گئی جس سے انہیں ذہنی اور جسمانی سکون نصیب ہوا۔ اللہ نے چاہا کہ اَمَنَةً مِّنْهُ انہیں امن وسکون عطا کر دے۔ ان کے دل مطمئن ہو جائیں۔ وہ اس بات سے بے نیاز ہو جائیں کہ مشرکین کی تعداد کتنی ہے وہ کتنے جنگجو ہیں یا ان کے پاس اسلحہ کتنا ہے اس کی انہیں پرواہ نہ رہے بلکہ اللہ کریم کی مدد اور اس کی ذات پر بھروسہ مضبوط ہو جائے۔

اللہ کی عطا اس کی شان کے لائق ہے:

یہ وہ انعامات ہیں جن کے لئے لوگ عمریں صرف کرتے ہیں کہ ان کا کوئی شمہ، کوئی ہلکی سی کرن نصیب ہو جائے اور بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں جو ان میں سے اپنی حیثیت کے مطابق کوئی ذرہ بھی پالیں۔ بدر میں جو صحابہؓ کرام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے وہ ایسے خوش نصیب تھے کہ ان پر وہ نعمت اللہ کریم نے اپنی طرف سے بھیج دی۔ بندہ جب کوشش کر کے حاصل کرتا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق حاصل کر سکتا ہے لیکن جب کوئی چیز اللہ عطا فرماتے ہیں تو وہ اپنی شان کے مطابق عطا فرماتے ہیں۔ یہ ایک عمومی اصول ہے اور عام فہم ہے بندے کو سمجھ آنی چاہیے کہ بندہ محنت کر کے کوئی چیز حاصل کرتا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق محنت بھی کرتا ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق اس کا پھل بھی پاتا ہے۔ لیکن جب اللہ عطا کرتا ہے تو وہ اپنی شان کے مطابق عطا کرتا ہے تو یہ نعمت اللہ کریم نے صحابہ کرام کو اپنی طرف سے عطا فرمائی تاکہ ان کے قلوب مطمئن ہو جائیں دل قرار پکڑ جائیں۔ ساتھ دوسری مہربانی یہ فرمائی وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً آسمانوں سے پانی اتار دیا چونکہ چشمے کا پانی اتنا نہیں تھا کہ سارے لوگ یا کچھ لوگ غسل بھی کر سکیں اور آرام سے وضو بھی کر لیں اللہ کریم نے بارش بھیج دی تو اس سے دو بڑے کام ہوئے۔ ایک تو جو جگہ مشرکین مکہ کے پاس تھی وہ مٹی والی زمین تھی اس میں کیچڑ ہو گیا اور دلدل بن گئی۔ جہاں لشکر اسلام مقیم تھا وہاں چونکہ ریت تھی وہ بارش سے جم گئی اور مزید مضبوط ہو گئی پھر پانی وافر جمع ہو گیا وہ نچلی جگہ تھی ڈھلان تھی پانی سے بھر گئی جنہوں نے غسل کرنا تھا انہوں نے غسل کیا۔ جو وضو کرنا چاہتے تھے انہوں نے وضو کیا وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً اور ہم تم پر آسمان سے پانی برسا رہے تھے لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ تاکہ تم اس کے ساتھ طہارت اور پاکیزگی بھی حاصل کرو وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ اور شیطان کے ہر طرح کے وسوسے یا اس کی جو کوشش ہے اللہ کریم اس کو ختم کر دیں۔ باوضو رہنا یا پاک رہنا شیطانی وساوس کے خلاف ڈھال بن جاتا ہے۔ وضو بجائے خود فرض نہیں ہے بالواسطہ فرض ہے۔ جب نماز کا وقت آ جائے تو نماز کے لئے وضو فرض ہو جاتا ہے نماز کے علاوہ وضو فرض نہیں لیکن باوضو رہنے کی برکت سے شیطان سے بچاؤ رہتا ہے۔ لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ تاکہ اس پانی سے تمہیں پاک کر دے وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ اور تم سے شیطانی وساوس کو دور کر دے۔ تو جن لوگوں کو وسوسوں کی شکایت ہے یا جنہیں ڈر لگتا ہے تو ایسے لوگوں کو چاہئے کہ باوضو رہا کریں اور یہ کوئی اتنا مشکل کام بھی نہیں ہے۔ جب بھی رفع حاجت کے لئے جائیں یا کہیں وضو ٹوٹے تو وضو کر لیا جائے اس میں کیا مضائقہ ہے۔ تو باوضو رہنا بجائے خود ایک عبادت بھی ہے اور طہارت میں یہ برکت ہے کہ شیطانی وساوس کا رد ہو جاتا ہے اس سے

دفاع ہو جاتا ہے اور شیطان وسوسے نہیں ڈال سکتا۔

تو فرمایا اس پانی سے اللہ کریم کی منشاء یہ تھی کہ تم وضو کرلو، غسل کرلو، اب دیکھیں صحابہ کرام کوئی نماز کی تیاری نہیں کر رہے تھے وہ تو جہاد کی تیاری کر رہے تھے لیکن فرمایا جہاد میں بھی ہو سکتا ہے شیطان کوئی وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرے کہ اتنے زیادہ کفار ہیں تم مارے جاؤ گے یا اور کوئی وسوسہ ڈالے تو فرمایا اللہ نے پانی اتار دیا کہ تم طہارت کرلو، وضو کرلو اور یہ طہارت وضو تم سے وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ یہ شیطانی وسوسے دور کر دے گا۔ مسلمانوں کے لئے گویا ایک قانون ارشاد فرما دیا گیا۔ ہمیشہ کے لئے کہ جو شخص باوضو رہے گا شیطانی وساوس سے اللہ اس کی حفاظت فرمائے گا اور اسے تحفظ نصیب ہو جائے گا۔ دوسری نعمت یہ ارشاد فرمائی وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ جب تم باوضو ہو گئے شیطانی اثرات تمہارے قلب میں نہیں ہوں گے تو اللہ کریم تمہارے دلوں سے رابطہ مضبوط کر دیں گے۔ یہ رابطہ کیا ہوتا ہے؟ ہماری عام بول چال میں بھی ہم جب کسی آدمی سے کوئی بات کہنا چاہتے ہیں یا کسی آدمی کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں میں نے فلاں سے رابطہ کیا اور اس نے مجھے یہ بتایا اگر اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو جائے اور بندہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کرے اور اس کی عرض سنی جاتی ہو، سنی جارہی ہو تو عام فہم زبان میں یہ رابطہ کہلائے گا۔

اصطلاع تصوف میں لطائف بنیاد ہیں ہر سلسلے میں لطائف کی تعداد میں اختلاف ہے۔ لطائف پانچ ہیں بعض کہتے ہیں سات ہیں اور اور بعض نو کہتے ہیں بعض گیارہ تک بھی کہتے ہیں لیکن تصوف وسلوک کی بنیاد لطائف ہی ہیں۔ جب سالک کے لطائف روشن ہو جاتے ہیں، منور ہو جاتے ہیں تو ان سارے انوارات کو لے کر وہ لطیفہ قلب پہ جاتا ہے اور پھر کوشش کرتا ہے کہ رابطہ ہو یعنی قلب سے اللہ اٹھے جو عرش عظیم تک جائے اور قلب کے انوارات عرش عظیم تک پہنچیں تو یہ جو تعلق قائم ہوتا ہے اسے رابطہ کہتے ہیں۔ یہ رابطہ ہے اور بندے کی طرف سے کوشش ہے تو جتنے لوگ اس کی کوشش کرتے ہیں ان میں سے ہر بندے کا اپنا اپنا درجہ ہے۔ اپنے دل کا خلوص، محنت، توجہ ہر ایک کی اپنی اپنی ہے تو ہر ایک کا رابطہ بھی اس کی اپنی حیثیت کے مطابق ہو گا لیکن اللہ کریم کی طرف سے رابطہ ہوتا ہے اور انوارات الٰہی آکر بندے کے دل پر اترتے ہیں تو پھر وہ رابطہ اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے جب بندہ کرتا ہے تو بندے کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ جب اللہ کریم کرتے ہیں تو اپنی شان کے مطابق کرتے ہیں جیسے موسیٰ کی والدہ کو حکم دیا أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ اس بچے کو کسی تابوت میں ڈال کر دریا کی لہروں کے سپرد کر دو اور فرمایا ہم اسے آپ کے پاس واپس لے آئیں گے اور فرمایا إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ القصص: 7 اس کو ہم

اپنے رسولوں میں سے بنائیں گے یہ ہمارا رسول ہوگا۔ یہ سب بات ان پر القاء کی گئی اور انہیں اتنا یقین تھا کہ یہ بات مجھ پر اللہ کریم کی طرف سے القاء ہوئی ہے کہ انہوں نے اپنے نومولود بچے کو جو اللہ کا رسولؑ تھا اور جسے آگے چل کر اللہ کریم سے ہمکلامی کا شرف ملنے والا تھا وہ کیا چاند سا چہرہ ہوگا، وہ کیا خوبصورت بچہ ہوگا وہ کتنا پیارا بچہ ہوگا؟ پھر ماں کے لئے ہر بچہ بڑا پیارا ہوتا ہے جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے لیکن اس الہام والقاء میں اتنی قوت تھی کہ انہوں نے بچے کو ایک صندوق میں رکھ کے دریا میں ڈال دیا لیکن پھر آخر ماں تھی اور ایک عام خاتون تھیں روزمرہ کی گھریلو زندگی گزارنے والی خاتون تو ایک بیقراری نے انہیں آلیا کہ میں نے بچے کو دریا میں ڈال دیا۔ میں نے کیا کیا اس کا کیا ہوگا تو اللہ کریم فرماتے ہیں لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا القصص:10 ہم نے اس کے دل سے رابطہ کیا۔ اللہ نے ان کے دل سے رابطہ کیا فرماتے ہیں اگر ہم رابطہ نہ کرتے تو ہوسکتا تھا وہ یہ راز افشاء کر دیتیں۔ شور مچا بیٹھتیں۔ میرا بچہ گیا۔ فرعونیوں کو پتہ چل جاتا کہ یہ اسرائیلیوں کا بچہ ہے۔ اللہ فرماتے ہیں ہم نے اس کے دل سے رابطہ کیا یعنی اللہ کی طرف سے انوارات وتجلیات نے آکر دل کو مضبوط کر دیا۔ تو یہاں ان تین سو تیرہ قلوب سے رابطہ فرمایا جو میدان بدر میں حاضر تھے۔ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ تم سب کے دلوں سے ہم نے رابطہ فرما دیا۔ یعنی تجلیات باری بارگاہ الوہیت سے ان کے قلوب پہ جلوہ ریز تھی وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿١١﴾ تاکہ اس رابطے کے ساتھ تمہارے قدموں کو جما دیں تمہیں ثابت قدم کر دیں۔ بعض حرام چیزوں میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ کچھ دیر کے لئے حواس مختل ہو جاتے ہیں لوگ موت زندگی سے بے نیاز ہو جاتے ہیں انہیں پرواہ نہیں ہوتی کہ مر رہے ہیں۔ مادی، وقتی اور حرام چیزوں میں بھی یہ خصوصیت ہوتی ہے لیکن جس دل پر تجلیات باری نازل ہو کر اس طرح اپنی طرف متوجہ کرلیں کہ وہ موت اور زندگی سے بے نیاز ہو جائے اس کا کیا ہی کہنا۔ کیا اس کے بارے میں اور آپ اندازہ لگا سکتے ہیں؟ نہیں۔ ہمارے شعور ہماری سمجھ، ہمارے علم سے بالاتر بات ہے کہ اللہ کریم اپنی طرف سے کسی دل سے ایسا تعلق قائم کریں کہ اسے دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیں اور وہ عشق الٰہی میں سرشار ہو کر آگے ہی بڑھتا چلا جائے۔ زندگی اور موت سے بے نیاز ہو جائے تو یہ جو خوش نصیب تھے جن سے اللہ کریم نے، جن کے قلوب سے اللہ کریم نے ذاتی طور پر رابطہ فرمایا اور ان کے قدموں کو جما دیا۔ پھر ان کی خاطر فرشتے نازل فرمائے اور حکم دیا اِذْ يُوْحِىْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ جب فرشتوں کو حکم دیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میری معیت تمہارے ساتھ ہے میری طاقت تمہارے ساتھ ہے۔ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایسے انوارات القاء کرو مومنین کے قلوب پر کہ ان کے قدم جم جائیں کبھی نہ اکھڑیں۔ رہ گئے مشرکین سوفِیْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ میں کافروں کے دلوں میں

مسلمانوں کا رعب ڈال دوں گا۔ مسلمانوں کی ہیبت ان پر طاری کردوں گا۔ وہ جو بڑے فخر اور تکبر سے ایک ہزار کا لشکر جرار جس میں بڑے بڑے جنگجو نوجوان تجربہ کار اور پرانے جرنیل اور سالار شامل تھے ان کا سارا گھمنڈ خاک میں مل جائے گا اور اللہ کریم فرماتے ہیں میں ان کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب طاری کردوں گا۔ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ اور فرمایا ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کی گردنیں اڑا دو اور ایسی ضرب لگا وَّوَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ جس سے صرف گردن نہ کٹے بلکہ جسم کے پور پور میں درد ہو اور تکلیف محسوس ہو۔ عذاب الٰہی کی عجیب خصوصیت ہے۔ جہنم کے ایک حصے کی بات بتاتے ہوئے قرآن فرماتا ہے کہ وہ ایسی آگ ہے تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿۷﴾ الھمزۃ:7 کہ جسم کے کسی حصے کو چھو جائے تو دکھ دل کے نہاں خانوں تک جاتا ہے۔ صرف حسی بدن کو نہیں صرف مادی وجود کو نہیں سارے بدن میں درد ہوتا ہے حتیٰ کہ دل میں جو احساسات ہیں ان میں بھی درد بھر جاتا ہے۔ عذاب الٰہی اتنی سخت چیز ہے تو فرمایا میں نے فرشتوں کو حکم دیا کہ کفار کے سر اس طرح قلم کرو کہ تلوار تو گردن پر پڑے سر کٹ جائے لیکن اس کے پور پور سے ہر جوڑ سے ہر ہڈی سے درد کی ٹیسیں نکلیں۔ نبی کریم ﷺ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے صحابہؓ کرام کو فتح کی خوشخبری بھی دی تھی اور حضور ﷺ نے میدان جنگ میں مختلف جگہوں کی نشاندہی فرما کر مشرکین مکہ کے بڑے بڑے سرداروں کے قتل ہونے کی پیش گوئی فرمائی کہ وہ فلاں یہاں قتل ہوگا فلاں اس جگہ قتل ہوگا اور فلاں اس جگہ قتل ہوگا۔ اور غزوۂ بدر کی فتح کے بعد دیکھا گیا کہ جہاں جہاں حضور اکرم ﷺ نے نشاندہی جن لوگوں کے لئے فرمائی تھی ان کے لاشے وہیں پڑے تھے اسی جگہ پر قتل ہوئے تو یہ صرف قتل نہ ہوئے بلکہ اس قتل میں عذاب الٰہی کی ایک کیفیت ایسی تھی کہ تلوار تو گردن پر پڑتی تھی سر اڑ جاتا تھا لیکن درد جسم کے پور پور میں ہوتا تھا۔ ہر جگہ ہر ہڈی، ہر ریشے میں الگ سے درد کی ٹیسیں اٹھتی تھیں۔

دردناک عذاب کی وجہ:

ان کے ساتھ اتنا سخت اور اتنا شدید عذاب کا سلوک کیوں ہوا۔ ان پر اتنا دردناک عذاب کیوں وارد ہوا؟ مشرکین مکہ اسلام کے خلاف ایک بہت بڑا محاذ تھے اور عرب کے اردگرد کے قبائل بھی اس انتظار میں تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر حضور اکرم ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں تب ہی مکے والوں پر فتح پا سکتے ہیں ورنہ مکے والے اتنے مضبوط ہیں کہ اگر معاذ اللہ حضور کا وعدہ سچا نہیں ہے تو پھر یہ اور ان کے ساتھی مکے والوں کے ہاتھوں سے نہیں بچ سکتے۔ یہ ایک تصور تھا جزیرہ نمائے عرب کے باقی سارے قبائل میں اور وہ اس بات کے منتظر تھے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے اگر مکے والے غالب آتے ہیں تو قصہ ختم ہو گیا اور اگر حضور ﷺ مکے والوں

یہ غالب آ جاتے ہیں تو پھر یہ اللہ کے رسولؐ ہیں بغیر اللہ کی مدد کے ایسا نہیں پھر ہمیں بھی قبول کر لینا چاہیے کہ یہ اللہ کے رسولؐ ہیں ہمیں بھی ایمان لے آنا چاہیے ان قبائل کا اندازہ تو یہ تھا کہ اگر ہم پلہ بھی ہوں تو اگر مکے سے ہزار آدمی نکلا ہے تو حضورؐ کے ساتھ بھی ہزار آدمی یا بارہ سو یا ان سے زیادہ بھی ہو تو پھر بھی مکے والے بڑے ماہر جنگجو بڑے دلیر بڑے جرأت مند اور فن شمشیر زنی میں بڑے تاک ہیں اور ان کو ہرانا ممکن نہ ہو گا لیکن اللہ کریم ساری کائنات کو دکھلانا چاہتے تھے۔ کہ حق حق ہوتا ہے اور حق غالب آ کے رہتا ہے اور باطل باطل ہوتا ہے اور مٹ جانا باطل کا مقدر ہوتا ہے۔

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ شکاگو میں مزدوروں نے جلوس نکالا ان پر فائرنگ ہوئی آٹھ مزدور مارے گئے مارنے والے اور مرنے والے بھی مسلمان نہیں تھے۔ مارنے والے بھی غالباً عیسائی تھے اور مرنے والے بھی عیسائی تھے ان کے اپنے ملک کی بات تھی لیکن ہمارے اسلامی ملک میں بھی شکاگو کے دن کے واقعہ پر چھٹی ہوتی ہے اور وہ مزدوروں کا دن منایا جاتا ہے۔

یوم بدر مظلوموں کو حق دلانے کا دن ہے:

جس دن پوری دنیا کے محروم طبقوں کو یہ پیغام دیا گیا کہ اگر تم اللہ کے دین کا دامن تھام لو تو کفر کی بڑی سے بڑی طاقت پر غالب آ سکتے ہو قادرِ مطلق نے اپنی قدرت کاملہ سے عملاً یہ کر کے دکھایا۔ اپنے حبیب ﷺ کو میدان کارزار میں لے آیا۔ ذرا سوچیں صحابہ کرامؓ کے دلوں پر کیا گزرتی ہو گی کہ انہیں کائنات میں اپنی جان اپنی اولاد، اپنے ماں باپ سے کہیں زیادہ عزیز تھے محمد رسول اللہ ﷺ۔ محبت جسے کہتے ہیں اگر دنیا میں کسی نے محبت کی ہے تو صحابہ کرامؓ نے محمد رسول اللہ ﷺ سے کی ہے۔ اس کی مثال کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ نہ کوئی دوسرا محبوب حضور جیسا ہے نہ کوئی دوسرا محبت کرنے والا آپ کے صحابہؓ جیسا ہے۔ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک صحابیؓ کو عشاء کے بعد ایک بچہ لینے آتا ان کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے جاتا اور سحری کو جب مسجد نبوی آتے تو بچہ چھوڑنے آتا۔ دن بھر کام کاج کرتے نظر ٹھیک تھی۔ ایک دن کسی نے پوچھ لیا کہ آپ کو رات کو بچہ لینے آتا ہے آپ کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے جاتا ہے سحری کو پھر ہاتھ پکڑ کر آپ کو مسجد چھوڑنے آتا ہے تو کیا آپ کو رات کو دکھائی نہیں دیتا؟ انہوں نے کہا بھائی دکھائی تو دیتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ جب حضور ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر حجرہ مبارک میں تشریف لے جاتے ہیں تو میں آنکھ بند کر لیتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ دن بھر کی میری آخری نگاہ حضور ﷺ کی ذات پر پڑے پھر میں آنکھ نہیں کھولتا۔ بچہ ہاتھ پکڑ کر گھر لے جاتا ہے میں گھر بھی آنکھ نہیں کھولتا صبح سحری میں مجھے بچہ مسجد میں چھوڑنے آتا ہے میں آنکھیں بند کر

کے بیٹھا رہتا ہوں جب حضور ﷺ مسجد میں قدم رنجہ فرماتے ہیں قدم مبارک مسجد میں رکھتے ہیں تو میں آنکھ کھول دیتا ہوں کہ میری پہلی نظر بھی حضور ﷺ پر پڑے۔ جب حضور ﷺ کے وصال کی خبر ہوئی تو کتنے ایسے صحابہؓ تھے جو بیٹھے تھے پھر اٹھ نہیں سکے زندگی بھر بیٹھے رہے۔ اس طرح صدمہ پہنچا کہ جس حال میں تھے وہیں منجمد ہو گئے۔ جب وہ تین سو تیرہ تھے اور سامنے مکے کا لشکر جرار تھا جن کی نیت تھی کہ آج تو یہ قصہ پاک ہی کر دیا جائے اور جب تک رسول اللہ ﷺ کو نعوذ من ذالك ختم نہ کر دیا جائے یہ قصہ ختم نہیں ہوتا۔ آج اسے ختم کر کے چھوڑنا ہے تو صحابہ کرامؓ کے دلوں پہ کیا بیت رہی ہوگی۔ جان تو جان، جان جاناں خطرے میں ہے اور اس دکھ کو انہوں نے ایسا محسوس کیا کہ اللہ کریم نے ان کے لئے بارش برسائی، انہیں کہا طہارت کرلو شیطان وسوسے نہ ڈالے اور وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ ان کے قلوب کے ساتھ رابطہ فرمایا۔ تجلیات باری کو ان پر نازل فرمایا تاکہ ان کے قدم جم جائیں وہ کسی وسوسے میں نہ آئیں وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ رابطے نے صحابہ کرام کو ثابت قدم رکھا پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم بھی ایسے انوار القاء کرو ان خدام نبوی پر کہ ان کے دل روشن ہو جائیں، جم جائیں اور خطرات سے بے نیاز ہو جائیں۔ رہ گئے کافر فرمایا بیشک وہ تعداد میں زیادہ ہوں ان کے پاس اسباب زیادہ ہوں لیکن میں مسلمانوں کا رعب ان پر طاری کر دوں گا۔ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ کافروں کی گردنیں مارو اور ایسی ضرب لگاؤ کہ ہر ایک جوڑ پر ایک پور جسم کے تانے بانے میں ہر جگہ درد محسوس کریں۔ ان کے پور پور میں درد بھر دو اور یہ سزا انہیں اس لئے دی گئی ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کہ انہوں نے اللہ کی مخالفت کی۔ مشرکین مکہ نے مخالفت کیسے کی؟ جب انہوں نے میرے رسول ﷺ کی مخالفت کی تو انہوں نے میری مخالفت کی۔ ان کے لئے یہ سزا اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور یاد رکھ لو وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ یہ بات یاد رکھ لو جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ کے عذاب بڑے سخت ہیں اللہ بہت سخت عذاب بھیجتے ہیں۔

آیہ مبارکہ کی روشنی میں عہد حاضر کے مسائل کا حل:

آج لوگ اللہ کریم سے ناراض ہیں کہ ساری مصیبتیں ہمارے لئے ہیں اور کافر عیش کر رہے ہیں لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اگر ہم پر مصیبتیں ہیں تو کہیں ہم اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت تو نہیں کر رہے؟ ہمارا عقیدہ، ہمارا کردار، ہماری عبادتیں، ہمارے معاملات، ہمارا کاروبار، ہمارا طرزِ معاشرت کیا یہ سارا حضور ﷺ کی اطاعت میں ہے؟ یا ہم حضور ﷺ کی مخالفت کر رہے ہیں؟ اگر اپنے کردار میں یہ خامی نظر

آئے تو پھر توبہ کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ پھر ہمیں چاہیے کہ واپس اطاعت رسول ﷺ پر آ جائیں تا کہ اللہ کی رحمت کو پا سکیں اور اللہ کے اس عذاب سے نجات حاصل کرلیں۔ یہ تو ہم سوچتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے یہ نہیں سوچتے کہ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ یہ بھی سوچنا چاہیے اور میری رائے میں ہمارے ساتھ یہ سب اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم نے عملی زندگی میں ہر کام میں سنتِ پاک کو چھوڑ دیا ہے اور حضور ﷺ کی مخالفت اختیار کر رکھی ہے۔ ہم سود کھاتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، کم تولتے ہیں، دوسرے کا مال لوٹ لیتے ہیں، ایک دوسرے کی برائی کرتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں کیا ہیں؟ مخالفت رسول ﷺ ہے۔ جس درجے میں بھی ہوگی اس درجے کا عذاب ہوگا۔ مشرکین مکہ عقیدے اور ایمان میں بھی مخالفت کرتے تھے عملی زندگی میں بھی کرتے تھے۔ ہمیں اللہ نے یہ پناہ دے رکھی ہے کہ ہم عقیدے میں تو نہیں کرتے یہ بھی اللہ کا احسان ہے الحمد للہ لیکن ہمارا کوئی عمل حضور ﷺ کے عمل کے مطابق ہے؟ دن بھر کے اپنے اعمال کو دیکھیں تو اکثر اعمال حضور ﷺ کے خلاف نظر آئیں گے تو ان کا نتیجہ تو نکلے گا اور نتیجہ یہی ہے جو ہم بھگت رہے ہیں۔ اللہ ہمیں توبہ کی توفیق دے اور حضور ﷺ کی غلامی کی توفیق دے اور ان مصیبتوں سے قوم کو نجات عطا فرمائے۔ اس ملک کو ہمیشہ قائم رکھے اور اس پر عدل کی حکومت قائم فرمائے۔

فرمایا ذٰلِکُمْ فَذُوْقُوْہُ وَاَنَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ یہ سزا ہے اس کو چکھو اور یہ کہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ اس سے پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اللہ سخت سزا دینے والے ہیں اس آیت میں بتایا جا رہا ہے، کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت پر جو پھل لگا وہ عذاب الٰہی ہے لہٰذا اب اسے چکھو اور یاد رکھو کہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔

مخالفتِ رسول اللہ ﷺ کا انجام:

یہاں مخالفت رسول کریم ﷺ کے دو انداز بیان ہوئے ہیں۔ ایک ان کفار کی مخالفت سے جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں ان کے بارے ارشاد ہوا کہ بے شک کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے وَاَنَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ جو میرے نبیؐ کے ارشاد کا انکار کر دیتے ہیں۔ دعوت الی اللہ کو ٹھکرا دیتے ہیں، جو کفر میں پڑ گئے جنہوں نے انکار کر دیا فرمایا وہ تو دوزخ ہی کے رہنے والے ہیں۔ وہ اس دنیا میں رہیں یا اس دنیا میں وہ دوزخی ہیں۔ دونوں جگہ عذاب ہی عذاب میں ہیں۔ دنیا میں دو ہی قومیں ہیں مومن یا کافر۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا الکفر مِلّة واحدہ او کما قال رسول اللہ ﷺ کہ کفر ایک ہی ملت ہے اس کی اقسام الگ ہیں کوئی شرک میں مبتلا ہے کوئی کسی طرح کے کفر میں مبتلا ہے کسی نے کوئی اور طریقہ

اختیار کرلیا کوئی بتوں کی پوجا کرتا ہے کوئی آگ کی کوئی چاند تاروں کی لیکن بنیادی طور پر من حیث القوم من حیث الملت سارا کفر ایک ہی ہے۔تو وہ سارا کفر الگ جملے میں آ گیا وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ بے شک کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔دوزخ کا عذاب جس کے لئے مقدر ہوجاتا ہے تو چونکہ آخرت اصل ہے باقی رہنے والی ہے، دائمی ہے، ہمیشہ رہنے والی ہے۔دنیا عارضی ہے، وقتی ہے، ایک خاص وقت تک کے لئے ہے اس کے بعد یہ ختم ہوجائے گی۔تو آخرت کا عکس یا پرتو دنیا پر پڑ رہا ہے۔جس کے حصے میں دوزخ آ گئی اور وہ کفر وشرک میں مبتلا ہوگیا وہ دنیا میں کبھی آسودہ حال نہیں رہ سکتا کوئی نہ کوئی تکلیف کوئی نہ کوئی پریشانی کوئی نہ کوئی دکھ اسے چمٹا رہتا ہے خواہ وہ حکمران بن جائے بادشاہ بن جائے۔امیر ترین آدمی ہو غریب ہو فقیر ہو دوزخ کے جو اثرات ہیں وہ اس کی زندگی پر پڑتے رہتے ہیں اس کی زندگی میں سکون نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ہمیشہ پریشان حال رہتا ہے دکھی رہتا ہے۔زندگی دنیا میں بھی دکھوں میں کاٹتا ہے اور موت کے بعد دوزخ کے عذاب میں چلا جاتا ہے۔

مخالفت رسول اللہ ﷺ کیا ہے؟

اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت اللہ کی مخالفت ہے کہ حضور ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کا ارشاد ہوتا ہے خواہ وہ قرآن حکیم ہو یا حدیث رسول۔حدیث پاک بھی وحی الٰہی ہے جس کے الفاظ رسول کریم ﷺ کے ہیں اور قرآن حکیم بھی وحی الٰہی ہے۔قرآن حکیم کے الفاظ اور مفاہیم دونوں اللہ کریم کے ہیں اس لئے قرآن حکیم کو وحی متلو اور حدیث کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

اس آیت میں مخالفت کے اس انداز کی بات ہو رہی ہے کہ جس میں لوگ دعویٰ ایمان بھی کرتے ہیں اور مخالفتِ رسولؐ بھی کرتے ہیں۔عملی زندگی میں جھوٹ بولتے ہیں، دھوکہ کرتے ہیں، سود کھاتے ہیں، دوسرے کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں، رشوت لیتے ہیں اور زندگی کا ہر کام شریعت کے خلاف کرتے ہیں۔

یہی مخالفت پیغمبر ﷺ ہے اور نبی کریم ﷺ کی مخالفت اللہ کی مخالفت ہے۔اس پر سزا کا مرتب ہونا یقینی ہے۔

گندم از گندم بروید جو از جو
از مکافات عمل غافل نہ مشو

شاعر کہتا ہے گندم بوؤ گے تو گندم ہی پیدا ہوگی۔جَو بیجو گے تو جَو کی فصل ہوگی۔جو عمل کرتے ہو اس کے نتیجے سے غافل نہ ہوجاؤ۔برائی کر کے اچھا نتیجہ حاصل کرنے کی امید نہ رکھو اور برائی کیا ہے؟ ہر وہ قول ہر

وہ فعل برائی ہے جو حضور اکرم ﷺ کی مخالفت میں ہے۔ آپ کے ارشادات کے خلاف ہے۔ اسی پر سزائیں مرتب ہوتی ہیں۔ برائی پر کبھی اچھا نتیجہ مرتب نہیں ہوتا لہٰذا اگر اس دنیا کا سکون چاہیے، آخرت کے ہمیشہ رہنے والے گھر کا آرام چاہیے تو ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا راستہ، اطاعت کا مطلب ہے کہ جب حضور ﷺ کے حکم کا پتہ چلے تو پورے خلوص اور خوشدلی سے اس کی تعمیل میں لگ جائیں۔

اس کو اطاعت نہیں کہتے کہ حکم سن کر بہانے بنانے لگ جائیں اور جرح شروع کر دیں۔ ایسا کیا تو فرمان الٰہی پورا ہو کر رہے گا۔ فرمان ہے ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ یہ سزا ہے اس بات کی کہ تم نے میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت چھوڑ دی۔ یہ اس کے نتائج ہیں لہٰذا اب انہیں چکھو اور بھگتو ہر نافرمانی، ہر گناہ کا نتیجہ اگر عذاب الٰہی ہے تو اس سے بچنے کا طریقہ صرف توبہ ہے۔ جب توبہ کی بات آتی ہے تو ہر فرد دوسرے کی غلطیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ خاندانی جھگڑے ہوں یا ملکی حالات کی خرابی دوسروں کو ہی اس کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ ساری زندگی دوسروں کا تجزیہ کرتے گزار دیتے ہیں کہ فلاں نے یہ کیا اور فلاں کی وجہ سے یہ ہوا۔ یہ نہیں سوچتے کہ میں کیا کر رہا ہوں؟ اس رویئے کا نتیجہ ہے کہ ہم من الحیث القوم مخالفت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستے پر چلے جا رہے ہیں۔ افراد سے لے کر اداروں تک بددیانتی شعار بن چکا ہے اس کے نتائج بدامنی، دہشت گردی، گرانی اور فرقہ واریت کی صورت میں معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں اور اب بھی اپنی اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے دوسروں کو بدلنے کے خواہاں ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں قوم و ملک کو بدلنے کی کوشش سے پہلے اپنے آپ کو تبدیل کرنا ہوگا۔ جس کلمہ حق کو ہم مانتے ہیں ہمیں اپنا کردار اس کلمہ حق کے مطابق کرنا ہوگا۔ صرف اللہ ہی کی عبادت کرنی ہوگی۔ صرف اسی سے نفع کی امید رکھنا ہوگی صرف اسی کی ناراضگی سے ڈرنا ہوگا۔ بندوں کے ڈر سے اللہ کی اطاعت چھوڑ دینا کلمہ حق سے انحراف ہے۔ اللہ کے حکم کے مقابلے میں اپنی خواہشات کی اطاعت کرنا شرک ہے۔ فرمان الٰہی ہے اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ الجاثیہ:23 آپ نے دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے یعنی وہ اپنی خواہشات کی عبادت کرتا ہے۔

یہاں ان لوگوں کی بات ہو رہی ہے جنہیں دعویٰ اطاعت ہے لیکن عملاً اطاعت نہیں کرتے۔ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن عملاً حکم تسلیم نہیں کرتے۔ ایسے لوگ دنیا میں مختلف پریشانیوں اور بے سکونی میں مبتلا رہیں گے۔ نبی ﷺ کی مخالفت کا انجام یہاں بھی بھگتیں گے اور اگر یہاں عذاب ہو رہا ہے تو قبر میں جا کر کیا ہوگا؟ اللہ کریم توبہ کی توفیق دیں اور معاف فرمائیں اگر ہم حالات میں مثبت تبدیلی لانا چاہتے ہیں تو اس

کے لئے ہم سب کو خلوص دل سے اللہ سے معافی طلب کرنا چاہیے۔ بخشش مانگنا چاہیے۔ بخشش کا راستہ تو یہ ہے جو غلطیاں ہم کر چکے اس سے توبہ کرلیں آئندہ کے لئے ان سے باز آ جائیں تو رب العالمین قادر ہے وہ حکمران بھی بدل دے گا عادل، نیک اور منصف حکمران بھیج دے گا۔ شرط یہ ہے کہ فرد اپنی انفرادی عملی زندگی درست کرلے۔ کردار بدل لے۔

حضور ﷺ کی نافرمانی کو معمولی بات نہ سمجھا جائے:

اس آیہ مبارکہ میں ایک قانون ارشاد فرما دیا کہ مخالفت پیغمبر ﷺ کو معمولی نہ سمجھو۔ فرمایا يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ اے ایمان والو! جب کافروں سے دو بدو مقابلہ آ جائے تو پیٹھ پھیر کر مت بھاگنا۔ بے شک جنگ میں جان جانے کا اندیشہ ہے تو جب مقابل آ جاؤ تو مقابلے کو چھوڑ کر جان بچانے کے لئے نہ بھاگنا وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ اگر اس موقعے پر کوئی پیٹھ پھیرے گا سوائے اس کے وہ پینترا بدلے جیسے جنگی چال میں آگے پیچھے ہونا یا دوسرے ساتھیوں کے ساتھ جا ملنا ہو تو وہ اور بات ہے لیکن اگر کوئی جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے تو وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوا۔ اور جو میدان سے بھاگے گا وہ دوزخ میں جائے گا اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ آیات مبارکہ کا نزول بے شک خاص ہے لیکن ان کا حکم قیامت تک کے لئے ہے۔ ان آیات کے اولین مخاطب حضور ﷺ کے جانثار صحابہؓ ہیں جو قرآن حکیم کے مثالی مسلمان ہیں، جنہوں نے بدر واحد میں جانیں نچھاور کیں۔ جنہوں نے حضور ﷺ سے قرآن سیکھا، سمجھا اور حضور اکرم ﷺ کے سامنے اس پر عمل کیا اور حضور ﷺ نے انؓ کے عمل کی تصدیق فرمائی۔ ان کامل لوگوں کو، صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو یہ حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ قانون بتایا جا رہا ہے تو دراصل یہ قانون اس طرح ارشاد ہو رہا ہے جیسے کسی ملک میں کوئی قانون بنتا ہے تو اس میں یہ شرط رکھی جاتی ہے کہ اگر ملک کا سربراہ بھی ایسا کام کرے گا تو اسے سزا دی جائے گی۔ اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ ملک کا کوئی شہری اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہاں رب کریم نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ کے براہ راست شاگرد، آپ ﷺ سے تربیت یافتہ، جن کے سینے انوارات نبوت سے منور اور جو ساری اُمتوں میں افضل ترین لوگ ہیں جس طرح آقائے نامدار ﷺ تمام انبیاءؑ کے سردار ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی امت تمام امتوں میں افضل ہے اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی دیگر تمام انبیاءؑ کے صحابہ کرام پر فضیلت ہے۔ فرمایا اگر یہ عظیم لوگ بھی جان بچانے کے لئے میدان سے بھاگیں تو اللہ کے غضب میں گرفتار ہو جائیں

اور جہنم چلے جائیں گے تو پھر کسی اور کی کیا حقیقت ہے؟ ما وشما کی حیثیت کیا ہے کہ ہم وقتی لذت یا دنیا کی اغراض کے لئے حضور ﷺ کی اطاعت چھوڑ دیں دوسرا راستہ اختیار کر لیں تو اس پر کیا کیا عذاب مرتب نہیں ہوں گے؟ آج خود کو مسلمان بھی کہتے ہیں اور وہ کام بھی کئے چلے جا رہے ہیں جس پر غضب الٰہی بھڑکتا ہے۔ آج سود خوری کو برائی ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اگر کوئی جرم کرتا ہے لیکن اسے جرم سمجھتا ہے تو وہ فاسق ہے۔ گناہ گار ہے لیکن حرام کو حلال سمجھ لینا کفر ہے۔ اللہ نے سود لینے والے سے اعلان جنگ کیا ہے فرمایا ہے فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ البقرہ: 279 اگر سود نہیں چھوڑنا تو پھر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ جب ہم اللہ سے جنگ کریں گے تو ہمارا کیا حال ہوگا؟ یہی جو آج ہو رہا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے یہ قانون ارشاد فرما دیا کہ اگر ہمارے بہت ہی مقرب بندے، میرے حبیب ﷺ کے خادم صحابی بھی جان بچانے کے لئے میدان سے بھاگے تو غضب الٰہی کا شکار ہو کر جہنم کا ایندھن بن جائیں گے یعنی جو کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے گا اس کی کوئی نیکی باقی نہ رہے گی۔ مکہ کی سختیاں اور صبر، ہجرت کی مشقتیں، گھر بار چھوڑ دینے کا ایثار مسجد نبوی کی نمازیں اور خدمت عالی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حاضری یہ سب کچھ تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کے پاس تھا اور انہیں مخاطب ہو کر یہ قانون ارشاد فرمایا گیا تو ہمارے پاس کیا ہے کہ ہم مخالفت رسول اللہ ﷺ کر کے بچ جائیں گے؟

عظمت صحابہ ؓ:

صحابہ کی عظمت بتائی جا رہی ہے۔ فرمایا یہ فنائے تام کے حامل تھے۔ ان کی اپنی کوئی مرضی نہ بچی تھی ان کا ہر کام حصول رضائے باری تعالیٰ کے لئے تھا اور حضور ﷺ کے کامل اتباع کے لئے تھا۔ یہ عام لوگ نہیں تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے بارے حدیث قدسی میں ہے کہ "میرا بندہ میرا قرب حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کرتا ہے میرے نزدیک سب سے محبوب وہ عبادت ہے جو میں نے اس پر فرض قرار دی ہے۔ اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ گرفت کرتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور جب وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور جب میرے پاس پناہ ڈھونڈتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔" (بخاری)

فنائے تام میں بندے کے اعضاء و جوارح احکام الٰہی کے اس قدر تابع ہو جاتے ہیں کہ اس کا ہر

عضو فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح فنا فی اللہ ہونا صحابہؓ کرام کو حاصل تھا۔ قرآن اسی فنائے تام کی گواہی دیتے ہوئے بتاتا ہے فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ کہ یہ وہ لوگ تھے انہوں نے کافروں کو قتل نہیں کیا جب انہوں نے قتل کیا بلکہ ان کو تو اللہ نے قتل کیا۔ ہاتھ صحابہؓ کے تھے، تلوار ان کے ہاتھ میں تھی لیکن یہ فعل اللہ کا تھا جو ان کے ہاتھ پر صادر ہوا۔ یعنی ان کی ذات مٹ چکی تھی۔ انہیں بارگاہ الٰہی میں فنائے تام حاصل ہو چکا تھا۔ ان کے اس فنا فی اللہ ہونے کی گواہی خود ذات باری دے رہی ہے۔ اللہ کریم فرما رہے ہیں انہوں نے جو کچھ کیا یوں سمجھو میں نے کیا۔ کفار ان کے ہاتھوں قتل ہوئے لیکن ہاتھ ان کا تھا، فعل اللہ کا تھا۔ وہی فنا فی اللہ ہو سکتا ہے جو فنا فی الرسول ہو چکا ہو۔ فنا فی الرسول کا مفہوم یہ ہے کہ بندے کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا، کاروبار، دوستی دشمنی لین دین سارے معاملات حضور اکرم ﷺ کے تابع فرمان ہو جائیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ مقام بطفیل محمد رسول اللہ نصیب ہوا۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ یہ شان نبی کریم ﷺ کی ہے۔ یہ کمال بدرجہ اتم آپ ﷺ کو حاصل ہے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں میرے حبیب ﷺ آپ نے ریت نہیں پھینکی جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ یہ فعل اللہ کا تھا آپ کے دست مبارک سے صادر ہوا۔ یہ ہے فنائے تام کا کامل و اکمل درجہ جو حضور ﷺ کی شان ہے۔

بدر میں جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے تین مٹھی ریت کفار کی طرف پھینکی ایک لشکر کے درمیان اور ایک ایک لشکر کے دائیں بائیں میمنہ اور میسرہ پر تو کوئی لشکری ایسا نہ تھا جس کے منہ پر کنکریاں نہ لگی ہوں اور آنکھوں میں ریت نہ پہنچی ہو۔

مومنین کی آزمائش:

فرمایا، وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ہم نے یہ انعام اس لئے کئے کہ اپنے مومن اور ایماندار بندوں آپ ﷺ کے خدام اور صحابہؓ پر احسان کر کے انہیں آزمالیں۔ اللہ کے آزمانے کے بھی بڑے طریقے ہیں فرمایا جب ہم کسی پر احسان کرتے ہیں تو یہ بھی اس کی آزمائش ہوتی ہے کہ وہ اپنی بزرگی اور پارسائی کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے یا میرا احسان مانتا ہے۔ اگر کسی کی دعا قبول ہو جاتی ہے کسی سے کرامت کا ظہور ہو جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگ جاتا ہے یا کہتا ہے کہ یہ سب اللہ کا کرم ہے میں تو ایک عاجز بندہ ہوں۔

فرمایا ہم نے بدر میں مومنین پر احسانات کئے۔ کفار کو مارنے کے لئے فرشتے نازل کئے، مومنین کے لئے آسمان سے بارش برسادی جو ان کے لئے باعث رحمت تھی اور کفار کے لئے باعث زحمت۔

مومنین کے قلوب سے رابطہ فرما کر تجلیات باری سے سکینہ نازل کیا۔ ان کے دلوں پہ سکون آ گیا۔ انہیں حضور اکرم ﷺ کی دعا کے نتیجے میں بہت بڑی فتح عطا فرمائی لیکن یہ احسان بھی ایک آزمائش تھا کہ ان نعمتوں کو وہ عظمت الٰہی سے منسلک کرتے ہیں یا اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ یقین رکھو کہ اللہ کریم سن بھی رہے ہیں اور دیکھ بھی رہے ہیں۔ یہاں صحابہ کرام کی تعریف کی حد کر دی اور اُمت کے لئے سبق دے دیا کہ یہ وہ بندے ہیں جنہیں بطفیل نبی کریم ﷺ فنائے تام حاصل ہے۔ انہوں نے سب کچھ قربان کر کے اف تک نہیں کی۔ میں ان کی مثال دے کر کہہ رہا ہوں کہ اگر یہ بھی جان بچانے کے لئے بھاگتے ہیں یا میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی چھوڑ دیتے ہیں یا میرے نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے تو ان کے بھی سارے مقامات سلب ہو جاتے۔ یہ غضب الٰہی کا شکار ہو کر جہنم چلے جاتے تو پھر ان کے مقابلے میں تم اپنی حیثیت دیکھو۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تو ہر حال میں سنتے ہیں اور بغیر آزمائے کے جانتے بھی ہیں ان انعامات کا مقصد کفار کا غرور توڑنا تھا۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ فرمایا یہ بات پکی ہو چکی ہے کہ کافروں کی تدبیروں کو اللہ ہمیشہ ناکام کر دیتے ہیں۔ سبحان اللہ! کس انداز سے ارشاد فرمایا کہ نبی ﷺ کی مخالفت تو کافروں کا کام ہے۔ کلمہ پڑھنے اور ایمان کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے بعد مخالفت کیا کیا جواز رہ جاتا ہے؟ یہ تو کافروں کا کام ہے اور کافروں نے بعثت کے دن سے لے کر آج تک پورا زور لگا لیا۔ اسلام کو مٹانے کا، حضور ﷺ کی دعوت ختم کرنے کا، آپ ﷺ کی دعوت مسخ کرنے کا، جھوٹے نبی پیدا کر کے دیکھ لئے، جھوٹی کتابیں چھاپ کر دیکھ لیں۔ کون سا حیلہ ہے جو انہوں نے اختیار نہیں کیا لیکن اللہ قادر ہے ان کی ہر تجویز اور تدبیر کو ضائع کر دیتا ہے۔ وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اگر ساری دنیا کا کفر مل کر اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تو بندے کو اپنی حیثیت دیکھنی چاہیے۔ وہ مخالفت نبی ﷺ کر کے کیا تیر مار لے گا۔ نہ اسلام کا کچھ بگڑے گا نہ میرے نبی ﷺ کی شان میں کوئی فرق آئے گا نہ میرے اطاعت گزار بندوں کا کچھ بگڑے گا۔ بگڑے کا تو یقیناً مخالفت کرنے والوں کا بگڑے گا۔

مسلمانوں کو یہ واقعات سنانے کا معنی یہی ہے کہ ہم اپنا احساس کریں۔ خود میں تبدیلی لائیں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں جو غلطیاں کر چکے ان کی معافی طلب کریں اور جس گناہ سے توبہ کی ہے اسے آئندہ نہ کریں اللہ کریم معاف کرنے والے ہیں۔ حالات آج بھی بدل سکتے ہیں۔ امن آج بھی نصیب ہو سکتا ہے لیکن صرف دامان رسالت پناہی میں۔ حضور ﷺ کی مخالفت کرنے سے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے۔ اللہ

کریم ہمیں حضور ﷺ کی اطاعت کی توفیق ارزاں فرمائیں۔

مشرکین مکہ نے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوتے وقت بیت اللہ کے پردے پکڑ کر دعا کی تھی کہ اللہ ہمیں فتح دے اور جو کچھ آپ ﷺ فرماتے ہیں اگر یہ سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا اور کوئی دردناک عذاب بھیج دے یعنی وہ ماننا نہیں چاہتے تھے اللہ کریم نے ارشاد فرمایا اِنۡ تَسۡتَفۡتِحُوۡا فَقَدۡ جَآءَكُمُ الۡفَتۡحُ ۚ کہ اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تمہارے سامنے ہے میدان بدر میں تم نے دیکھ لیا کہ چوٹی کے ستر لوگ مارے گئے اور بڑے بڑے اہم ستر لوگ جنگی قیدی بن گئے اور پورے مکے میں کہرام مچ گیا فرمایا اگر تم فیصلہ ہی چاہتے ہو جیسے تم نے دعا کی تھی تو فیصلہ تو تمہارے سامنے آ گیا اور حق ظاہر ہو گیا اور حضور ﷺ کی دعوت کی تائید ہوگئی۔ وَاِنۡ تَنۡتَهُوۡا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ۚ اگر اب بھی تم باز آ جاؤ اب توبہ کر لو اور ایمان قبول کر لو تو تمہارے لئے بہت بہتر ہے وَاِنۡ تَعُوۡدُوۡا نَعُدۡ ۚ اگر پھر وہی کام کرو گے تو اللہ کریم بھی تمہارے ساتھ پھر وہی سلوک کریں گے جو بدر میں ہوا۔ وَلَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡكُمۡ فِئَتُكُمۡ شَيۡـئًا وَّلَوۡ كَثُرَتۡ ۙ اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ اس دفعہ ہم بہت سے لوگ جمع کر لیں گے اور ہماری اکثریت ہوگی تو فرمایا وہ اکثریت بھی تمہیں فائدہ نہیں دے گی کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے تابعداروں ؓ کے ساتھ اللہ کی معیت ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ اللہ ہے تو لوگوں کی کثرت بھی تمہیں فائدہ نہیں دے گی۔ اس لئے کہ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ⑲ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے انہیں معیت باری حاصل ہے۔ چنانچہ مشرکین مکہ نے یہ بھی کر کے دیکھ لیا غزوہ خندق میں بے شمار قبائل کو جمع کر کے بے شمار فوج کو جمع کر کے لے آئے اور مہینہ بھر ڈیرے ڈالے رکھے اور آخر رسوا ہو کر میدان سے بھاگنا پڑا تو حقیقت ارشاد فرما دی کہ صداقت نبوت پر یہ دلیل ہے کہ دنیاوی اسباب تمہارے حق میں تھے لیکن معیت باری مومنین کو حاصل تھی۔ لہٰذا ہر بار فتح انہیں نصیب ہوئی اور تمہیں ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اور اللہ کے مقابلے میں بندوں کی کثرت کیا کرے گی۔ آخر مخلوق ہیں بے بس محتاج لوگ ہیں اللہ کے مقابلے میں کیا کر سکیں گے؟

وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فرمایا ایمان والوں کو اللہ کی معیت حاصل ہے۔ مومن کی اصل دولت معیتِ باری ہوتی ہے وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اس آیہ مبارکہ نے ثابت کر دیا کہ ایمان کے ساتھ معیت مشروط ہے۔ جہاں ایمان ہے وہاں معیت باری ہے ایمان والوں کو اللہ کریم کی تائید وحمایت حاصل ہے۔ ایمان کیا ہے؟ ایمان کا تعین ہم کیسے کریں گے؟ کہ کس شخص میں ایمان ہے۔ جس شخص میں ایمان ہے اسے معیت باری حاصل ہوگی۔ پھر خدانخواستہ اگر وہ کبھی ایمان کو چھوڑ بیٹھے یا اس میں کمزوری آ جائے تو وہ معیت باری سے بھی محروم ہو جائے گا۔

سورۃ الانفال رکوع 3 آیات 20 تا 28

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرماں برداری کرو اور اس سے منہ نہ پھیرو اور تم سنتے ہو۔ ﴿۲۰﴾ اور ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور وہ سنتے (کچھ) نہیں۔ ﴿۲۱﴾ بے شک بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو نہیں سمجھتے۔ ﴿۲۲﴾ اور اگر اللہ ان میں بھلائی پاتے

تو ان کو ضرور سننے کی توفیق بخشتے اور اگر ان کو سنا بھی دیتے تو وہ ضرور روگردانی کرتے ہوئے بھاگ جاتے ۔ ﴿۲۳﴾ اے ایمان والو! اللہ اور (اس کے) پیغمبر کے ارشاد کو بجالایا کرو جب وہ تم کو زندگی عطا کرنے والے کام کی طرف بلاتے ہیں اور جان رکھو یہ کہ اللہ انسان اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جایا کرتے ہیں (حائل ہوجاتے ہیں) اور یہ کہ تم کو اسی کے روبرو جمع کیا جائے گا ۔ ﴿۲۴﴾ اور ایسے وبال سے ڈرو جو خاص انہیں لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے گناہوں کے مرتکب ہوئے اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں ۔ ﴿۲۵﴾ اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اور زمین (وطن) میں کمزور تھے تم ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ اچک نہ لے جائیں تو اس نے تم کو ٹھکانہ (مدینہ منورہ) دیا اور اپنی مدد سے تم کو قوت بخشی اور تم کو پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں تاکہ تم شکر کرو ۔ ﴿۲۶﴾ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے پیغمبر سے خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو اور تم یہ جانتے ہو ۔ ﴿۲۷﴾ اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش کی چیز ہیں اور یہ کہ اللہ ہی کے پاس بڑا بھاری اجر ہے ۔ ﴿۲۸﴾

تفسیر و معارف

یہ آیہ کریمہ اس بات کی وضاحت فرماتی ہے کہ ایمان کیا ہے فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ اور ان کے احکام سن کر پیٹھ پھیر کر چلے نہ جاؤ۔ یعنی یہ نہ ہو کہ لاپرواہی کرو اور ان کی پرواہ نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو ایمان نہیں رہے گا۔ تو گویا ایمان صرف دعویٰ کا نام نہیں ہے کہ بندہ دعویٰ کرے کہ میں مسلمان ہوں میں نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ ایمان دعوی کے ساتھ یقین اور یقین کے ساتھ عمل کا نام ہے۔ زبان سے جو کہتا ہے دل سے اس پر یقین ہو اور اس پر عمل کرے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو اطاعت کا نام ایمان ہے۔ اسی لئے اکثر آئمہ نے فرمایا کہ ایمان اعمال کا نام ہے۔ اگر اعمال نہیں کرتا تو اس کے پاس ایمان ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے احکام کے مقابلے میں ایسے نہ ہو جاؤ، ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور وہ سنتے نہیں۔ یہاں سننے سے مراد ہے سن کر اس پر عمل کرنا اور اسے دل سے قبول کرنا۔ ورنہ تو حضور علیہ ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے تھے مومنین بھی سنتے تھے مشرکین بھی سنتے تھے کفار بھی سنتے تھے۔ لیکن مومنین سن کر اس پر یقین بھی رکھتے تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے اور مشرکین ومنافقین سنتے تو تھے مانتے نہیں تھے۔ سن کر ماننا ایسا ہی ہے جیسے سنا ہی نہ ہو۔ جیسے اردو میں بھی محاورہ ہے کہ سنی اَن سنی کردی۔ بات سنی تو سہی لیکن اس پر کوئی اثر نہیں لیا۔

صاحب روح البیان نے یہاں سننے کے چار درجے لکھے ہیں۔ ایک درجہ ہے کہ سنا لیکن سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی یعنی اس کی پرواہ نہیں کی یہ قطعی کفار کا شیوہ ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ سنا اور سمجھا بھی کہ اس کا مفہوم کیا ہے لیکن اس پر یقین نہیں کیا۔ وہ فرماتے ہیں یہ منافقین کا درجہ ہے کہ سنتے بھی ہیں سمجھتے بھی ہیں لیکن ان کے دل یقین سے محروم ہوتے ہیں۔ تیسرا درجہ ہے کہ سنا بھی سمجھا بھی اور اس پر یقین بھی کرلیا لیکن عمل کی توفیق نہ ہوئی۔ فرمایا یہ فاسق فاجر بدکار مسلمان ہے۔ جو سنتا بھی ہے اس بات کو سمجھتا بھی ہے اس پر اسے یقین بھی ہے لیکن عمل نہیں کرتا۔ اور چوتھا درجہ ہے کہ سنا بھی اسے سمجھا بھی اس پر یقین بھی کیا اور اس پر عمل بھی کیا یہ درجہ ہے کامل مومنین کا جن کو معیت باری حاصل ہوتی ہے۔ معیت باری سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی تائید و حمایت حاصل ہوتی ہے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہوتے جاتے ہیں اور دنیاوی اُمور میں نبی کریم علیہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن کے پاؤں میں اگر کانٹا بھی چبھ جائے تو اس کے طفیل اس کے کئی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ چھوٹا سا عمل کرے۔ راستہ چلتے ہوئے راستے سے کوئی پتھر ہٹا دے تو اس کی کئی نیکیاں شمار ہوتی ہیں۔ یعنی جنہیں معیت باری حاصل ہوتی ہے ان کے ہر عمل میں برکت بھی ہوتی ہے اور اللہ کی طرف سے قبولیت بھی ہوتی ہے۔ ان کی دنیا کی زندگی بھی سنور جاتی ہے اور آخرت بھی سنور جاتی ہے۔ زندگی بھی مبارک ہوتی ہے موت بھی مبارک ہوتی ہے اور آخرت بھی۔ لیکن اگر بندۂ معیت باری سے محروم ہو جائے تو میرے خیال میں آج ہمیں مثالیں دینے کی ضرورت نہیں ہے ہم اپنے ملک میں بھی اور دوسرے مسلمان ممالک میں بھی اور اپنے ماحول میں بھی دیکھ سکتے ہیں کہ معیتِ باری سے محرومی کے کیا نتائج ہوتے ہیں؟ آج ہم ایک ہنستے بستے ملک میں جہاں حکومت بھی ہے حکمران بھی ہیں عدالتیں بھی ہیں فوج بھی ہے پولیس بھی ہے سرکاری ادارے بھی ہیں لیکن کہیں کوئی شخص اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ بات بات پر لوگ قتل ہو جاتے ہیں کوئی پوچھتا نہیں۔ مزدوری کر کے گھر لاتا ہے اگلے لوٹ کر لے جاتے ہیں کوئی نہیں پوچھتا۔

منڈیوں میں جو لوگ قربانی کے جانور ٹرک بھر لے کر گئے وہ ڈاکو لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ یعنی حد یہ ہے کہ قربانی کے جانور بھی ڈاکو چھین کر لے جاتے ہیں۔ ہر جگہ پولیس بھی ہے فوج بھی ہے ادارے بھی ہیں سب کچھ ہے لیکن کہیں امن نہیں ہے۔ کسی بندے کے پاس سلامتی کی ضمانت نہیں ہے۔ کسی بندے کو کوئی ایسی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ اس کا گھر محفوظ رہے گا اس کی عزت یا مال۔ یہ سب کیا ہے؟ معیت باری سے محرومی کا نتیجہ ہے۔ تو جب ہم نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت چھوڑ دی تو یہ ساری مصیبتیں ہم پر ٹوٹ پڑیں۔ آج بھی اس کا علاج بنیادی طور پر جلسے اور ریلیاں نہیں ہیں۔ ہجوم اکٹھے کر کے کسی سے حکومت چھین لینے سے اس کا علاج نہیں ہوگا۔ آج بھی اس کا علاج اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ اور یہ جو حالات ملک میں بن رہے ہیں اگرچہ پورا ملک جو ہے وہ بدامنی کی لپیٹ میں ہے لیکن اس میں اللہ کے بندے جنہیں معیت باری حاصل ہے انہیں سکون نصیب ہے اور وہ اطمینان سے اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ سو اگر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی زندگی سدھر جائے تو اسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دامن میں پناہ لینی ہوگی اس کے باہر کہیں کوئی امن نہیں ہے۔ ہماری ترجیحات بدل گئیں ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ زیادہ دولت ہونا راحت وسکون کا سبب ہے لہٰذا ہر بندہ جائز و ناجائز حلال وحرام، چوری زبردستی جس طرح ہو سکے دولت جمع کرنے میں لگا ہوا ہے۔ دولت تو قارون کے پاس بھی تھی لیکن وہ دولت سمیت غرق ہوگیا۔ دولت تو فرعون، ہامان اور شداد کے پاس بھی تھی۔ حکومت بھی تھی، طاقت بھی تھی، جاہ وجلال بھی تھا۔ وہ سب کچھ ہوتے ہوئے تباہ و برباد ہو گئے۔ کیا بڑے بڑے دولتمندوں کا انجام ہمارے سامنے نہیں ہے؟ بڑے بڑے طاقتور حکمرانوں کا انجام ہمارے سامنے نہیں ہے؟ ہم دولت جمع کرلیں گے یا دنیاوی طاقت جمع کرلیں گے کیا وہ اللہ کی گرفت کو روک سکے گی؟ ہرگز نہیں۔

ہمیں بحیثیت مسلمان سوچنا ہے۔ جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا وہ ایک الگ بحث ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ان کی پرواہ نہ کیجئے میں انہیں مال بھی دیتا ہوں اولاد بھی دیتا ہوں۔ دیتا اس لئے ہوں کہ اس کے ذریعے دنیا میں بھی انہیں عذاب ہو۔ ان کا مال ان کی اولاد بھی ان کے لئے عذاب بن جاتی ہے۔ اگر کسی نے کافر ممالک کو دیکھا ہے یا وہاں جا کر دیکھا ہے یا مغرب یا مشرق بعید کو دیکھا ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ ان کے لئے تو ان کا مال اور اولاد ہی سب سے بڑی مصیبت بن گئی ہے۔ ہمیں سوچنا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہم پر اللہ کا احسان ہے کہ ہمیں کلمہ طیبہ نصیب ہوا اور ہم حضور اکرم ﷺ کی امت ہونے کے دعویدار ہیں۔ اب امتی کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ نافرمانی کرے یا تو امت سے خارج ہو جائے، مانے ہی نہیں کہے میں نہیں مانتا پھر

نہ عمل کرے لیکن یہ کونسا طریقہ ہے کہ اللہ کو بھی مانے اللہ کے رسول ﷺ کو بھی مانے اللہ کی کتاب کو بھی مانے اور عمل کافروں جیسے کرے تو یہ تو کوئی سلیقہ نہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ معیت باری سے محرومی ہو جاتی ہے اور وہ محرومی دو عالم کی مصیبتوں میں گرفتار کر دیتی ہے۔ یہی نہیں کہ دنیا کی زندگی برباد ہوتی۔ ہے بلکہ آخرت بھی تباہ ہو جاتی ہے اور اللہ کریم فرماتے ہیں اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴿۲۲﴾ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ انسان اللہ کی بہترین مخلوق ہے لیکن عام انسان کا درجہ فرشتے سے کم تر ہے۔ لیکن جب وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے۔ نیکی کرتا ہے اور محنت کرتا ہے تو وہ فرشتوں سے بڑھ کر درجہ پا جاتا ہے۔ باقی ساری مخلوق انسان سے کم تر ہے لیکن جب وہ اطاعت الٰہی کو چھوڑتا ہے تو پھر وہ درندوں اور جانوروں سے بھی نیچے چلا جاتا ہے۔ یعنی اس کا سفر جاری رہتا ہے یا اوپر کی طرف یا نیچے کی طرف تو اللہ کریم فرماتے ہیں جو لوگ دین کے معاملے میں گونگے بہرے بن جاتے ہیں سنتے نہیں مانتے نہیں یقین بھی نہیں کرتے عمل بھی نہیں کرتے ایسے لوگ اللہ کے نزدیک سب سے بدترین مخلوق ہیں وہ چوپائیوں درندوں سے بھی بدتر مخلوق ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام نہ سنتے ہیں نہ مانتے ہیں۔ فرمایا الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ اللہ نے انہیں حق سمجھنے کے لئے عقل وخرد دی تھی لیکن وہ عقل وخرد کا استعمال برائی کے لئے کرتے ہیں حق کو سمجھنے کے لئے نہیں کرتے گویا ان کے پاس حق کے لئے عقل ہے ہی نہیں تو فرمایا ایسے لوگ جو حق کو سمجھتے بھی نہیں سوچتے بھی نہیں مانتے بھی نہیں اس پر عمل بھی نہیں کرتے وہ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ فرمایا اگر اللہ ان میں بھلائی پاتے تو ان کو سننے کی توفیق دے دیتے۔ یہاں انسان کی اس استعداد کی بات ہو رہی ہے جو فطرتاً اللہ نے اسے عطا کی ہے اور فیصلے کا اختیار بھی دیا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم سے کسی نے یہ سوال کیا تھا کہ انسان کے پاس کتنا اختیار ہے؟ تو انہوں نے فرمایا اپنی ایک ٹانگ اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ اس نے ایک ٹانگ اوپر اٹھائی۔ فرمایا اب دوسری اٹھالو۔ کہنے لگا دوسری تو نہیں اٹھا سکتا۔ کہنے لگے بس اتنا ہی اختیار ہے تمہارے پاس۔ انسان کے پاس اپنے پیدا ہونے کا اختیار نہیں اپنی شکل بنانے کا اختیار نہیں اپنا قد خود بنانے کا اختیار نہیں۔ اپنی عقل وفہم بنانے کا اختیار نہیں۔ اپنا وقت یا اپنی قسمت یا مقدر بنانے کا اختیار نہیں۔ اپنی صحت بیماری پر اس کو اختیار نہیں۔ حتیٰ کہ موت پر بھی اختیار نہیں۔ جب موت آتی ہے مر جاتا ہے بے بس ہو جاتا ہے تو پھر اس کے پاس اختیار کیا ہے؟ انسان کے پاس اختیار ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے اسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنی ہے یا نہیں۔ اسے اللہ کی رضا اللہ کے نبی ﷺ کی رضا درکار ہے، آخرت درکار ہے یا اس نے اپنی مرضی سے اپنی پسند سے

جینا ہے۔ یہ فیصلہ انسان کا ہے یہ فیصلہ انسان پر مسلط نہیں کیا جاتا۔ تو اگر انسان زندگی کی کسی بھی سطح پر فیصلہ کر لے خواہ غلطی کر چکا ہو، گناہ کر چکا ہو یا کفر و شرک کر چکا ہو کسی وقت اسے احساس ہو جائے اور وہ یہ فیصلہ کر لے کہ جو ہو چکا اس سے میں توبہ کرتا ہوں آئندہ میں اللہ کی اطاعت اور اللہ کے نبی ﷺ کی فرمانبرداری کروں گا تو اس میں ایک استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ اس توبہ سے اور قبول ایمان سے قبول حق کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں اس استعداد کی بات ہو رہی ہے فرمایا وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا اگر اللہ ان میں کوئی خیر دیکھتے یعنی اگر وہ توبہ کرتے یا خلوص سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو ماننے کی بات کرتے۔ دل میں طے کر لیتے کہ مجھے دین پر چلنا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع کرنا ہے آپ ﷺ کی اطاعت کرنی ہے تو لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ تو اللہ انہیں سننے اور سمجھنے کی توفیق بھی ارزاں کر دیتا۔ پھر حق کی باتیں ان کی سمجھ میں بھی آنے لگتیں پھر حق ان کے دل میں بھی جاگزیں ہونے لگتا۔ بات ان کے دماغ میں بھی بیٹھ جاتی۔ لیکن جب انہوں نے یہ فیصلہ ہی نہیں کیا وہ استعداد ہی حاصل نہیں کی۔

وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝۲۳ تو اس حال میں اگر اللہ انہیں سننے کی استعداد بھی دے دیں یعنی وہ سنیں بھی اور سمجھ بھی لیں تو پھر بھی منہ پھیر کر چلے جائیں گے کیونکہ ان کا فیصلہ حق پر چلنے کا نہیں ہے وہ تو اپنے فیصلے کے مطابق زندگی گزاریں گے۔ آپ انہیں اللہ کے احکام سناتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے احکام سناتے رہیں دین بیان کرتے ہیں۔ وہ سنی ان سنی کر دیں گے۔ چونکہ انہوں نے خود اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا فیصلہ اپنے اندر نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا ہے اور یہ بڑا عجیب فیصلہ ہے کہ جس نے وجود دیا جس نے حیات دی جس نے ساری نعمتیں دیں اس کی بات نہیں سنی اور چند روزہ زندگی جو ہے یہ اپنی من پسند سے گزارتی ہے۔ اپنی من پسند سے انسان جی نہیں سکتا۔ نافرمانی کرنے والوں کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔ صرف نافرمانی کا وبال ان کے گلے پڑ جاتا ہے اور یوں زندگی بھی اکارت جاتی ہے اور آخرت بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ فرمایا وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ اگر ان میں اللہ کریم خیر دیکھتے یعنی ان کا یہ فیصلہ ہوتا کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کریں گے تو اللہ انہیں سننے سمجھنے، یقین کرنے کی توفیق بھی عطا کر دیتے۔ عمل کرنے کی توفیق بھی عطا کر دیتے۔ لیکن اس فیصلے کے بغیر اول تو اللہ سننے کی توفیق ہی نہیں دیتے سنی ان سنی ہو جاتی ہے۔ سنا یا نہ سنا برابر رہتا ہے۔ لیکن اگر سننے کی توفیق بھی دے دیتے تو سن کر بھی تو انہوں نے کان جھاڑ کر چلے جانا تھا وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝۲۳ اگر سن بھی لیتے تو منہ پھیر کے چل دیتے اس بات پر قائم نہ رہتے۔

ارشاد ہوا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ۚ جو بندہ زندہ ہے، زندوں کو ہی خطاب ہے جو زندگی ختم کر چکے یا موت کی وادی میں اتر گئے یا قبر کے پہلو میں اتر گئے انہیں تو کوئی وعظ نہیں کیا جاتا۔ بات تو زندوں سے کی جاتی ہے۔ لیکن قرآن کا انداز یہ ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو۔ جو اپنے آپ کو مومن سمجھتے ہو۔ جو کہتے ہو کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اللہ اور اس کے پیغمبر کی بات دل سے قبول کرو جو ارشاد عالی ہوتا ہے اسے سنو سمجھو اور پورے خلوص سے اس پر عمل کرو۔ کہ جب وہ تمہیں بلاتے ہیں اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ۚ اللہ کا نبی تمہیں اس لئے یاد فرماتا ہے اس طرف دعوت دیتا ہے کہ تمہیں زندگی عطا کرے۔ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ۚ کہ تمہیں زندگی عطا کرے۔ ہمارے ہاں تو زندگی کا یہ تصور ہے کہ جو کھاتا پیتا ہے، سانس لیتا ہے، چلتا پھرتا ہے وہ زندہ ہے۔ اور جس کی سانسیں ختم ہو گئیں، دل کی دھڑکن ختم ہو گئی وہ مر گیا۔ قرآن کریم کا تصور دوسرا ہے۔ قرآن کریم ایمان کے ضائع ہو جانے کو موت قرار دیتا ہے۔ جس میں ایمان نہیں ہے اس نے حیات کا مزہ ہی نہیں چکھا۔ اسے زندگی نصیب نہیں ہوئی اور اللہ کے رسول ﷺ اللہ کی دعوت اس لئے دے رہے ہیں۔ تمہیں اس لئے بلا رہے ہیں لِمَا یُحْیِیْکُمْ ۚ کہ تمہیں زندگی عطا کریں۔ کسی شاعر نے بہت خوب ترجمانی کی

زندگی آپ کی عنایت ہے
ورنہ ہم لوگ مر گئے ہوتے

ایک عرب شاعر نے ایمان نہ لانے والے کے بارے میں کہا تھا اس کا مصرعہ ہے۔

واجسامھم قبل القبور قبورھم

کہ ان کے جسم جو ہیں قبر میں جانے سے پہلے ان کی روحوں کی قبریں بن چکی ہیں۔ جنہیں ایمان نصیب نہیں ہے یہ زندہ انسان نہیں ہیں یہ ارواح کی چلتی پھرتی قبریں ہیں۔

تو فرمایا اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ جب دعوت دیتے ہیں اِذَا دَعَاکُمْ جب تمہیں اپنی طرف بلاتے ہیں لِمَا یُحْیِیْکُمْ ۚ وہ تمہیں زندگی عطا کرنے کے لئے بلاتے ہیں۔ تم سے کچھ لیتے نہیں۔ تمہیں حیات عطا کرتے ہیں اور جسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ سے حیات نصیب ہوتی ہے اسی کو شہید کہتے ہیں۔ پھر اسے موت نہیں آتی خواہ وہ قتل ہو جائے اس کا جسم ٹکڑوں میں کٹ جائے۔ اسے آپ گٹھری میں باندھ کر قبر میں

دفن کر دیں۔لیکن وہ موت کی رسائی سے بالاتر ہوتا ہے۔ وہ لوگ دنیا میں بھی زندہ ہوتے ہیں قبروں میں بھی زندہ ہوتے ہیں۔آخرت میں بھی حیات انہی کونصیب ہوگی۔وہ جوسلطان باہوؒ نے فرمایا تھا۔

نام فقیر جنہاں دا باہو قبر انہاں دی جیوے ہو

یعنی اللہ کی اطاعت یا اللہ کی غلامی یا نبی ﷺ سے تعلق اس بندے کا ہے جس کی قبر بھی زندہ ہو۔ چونکہ جوحیات اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی طرف سے ملتی ہے وہ دائمی اور ابدی ہوتی ہے اسے زوال نہیں آتا۔

توفرمایا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ استجابت کیا ہوتی ہے؟ بات کوسنا سمجھنا، دل سے ماننا اور اس پر عمل کرنا۔ یہ چار چیزیں ہوں تو استجابت ہوتی ہے اس کا ترجمہ یہ لکھا ہوا ہے کہ ایمان دالو اللہ اور اس کے پیغمبرؐ کے ارشادکو بجالیا کرو۔ پوری تندہی سے اطاعت کیا کرو۔اب ہمیں اپنا اپنا حال دیکھنا ہے۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم ہمیشہ دوسروں کو دیکھتے ہیں حالانکہ جواب ہمیں اپنا دینا ہے۔ میں نے اپنا دینا ہے آپ نے اپنا دینا ہے لیکن عجیب مصیبت ہے کہ ہم دوسروں کو دیکھتے ہیں کہ فلاں یہ غلطی کر رہا ہے فلاں یہ غلطی کر رہا ہے۔ کبھی یہ معیار ہم اپنے اوپر بھی (Apply) کریں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔کتنا کام میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کر رہا ہوں اور کتنی باتیں، کتنا کام، کتنے اشغال شریعت مطہرہ کے خلاف کر رہا ہوں۔

توفرمایا شریعت کی مخالفت چھوڑ دو اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی بات پورے خلوص سے بجالاؤ۔سنو، سمجھو، یقین کرو اور اس پر عمل کرو۔اس لئے کہ جب وہ تمہیں بلاتے ہیں تو زندگی عطا کرنے کے لئے بلاتے ہیں اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ تاکہ وہ تمہیں حیات عطا کریں۔

اُمت مرحومہ میں آپ ﷺ آخری نبیؐ ہیں۔آپؐ کے بعد کوئی نیا نبی مبعوث نہیں ہوگا۔نبوت تمام ہوئی۔قرآن آخری کتاب ہے کوئی نئی کتاب نازل نہیں ہوگی۔تو امت کو اللہ نے نبی کریم ﷺ کی برکات سے محروم نہیں رکھا۔اُمت میں اولیاء اللہ، علمائے حق اور مشائخ پیدا فرمائے جو نائب رسول ہوتے ہیں، جو اس بارگاہ کے قاصد ہوتے ہیں اور شیخ کا مطلب بھی یہی ہے، شیخ بھی وہی ہے جس کے پاس جائیں تو حیات نصیب ہو۔یہ جو ہم نے پیری مریدی کا رواج بنالیا ہے کہ ہم گئے پیر کو پیسے دے دیئے فارغ ہوگئے اور یہ سمجھا کہ اب میں جوگناہ بھی کرتا رہوں پیر صاحب بچالیں گے میری جگہ وہ گناہ بھگتیں گے یہ درست نہیں ہے بلکہ شیخ کی اطاعت بھی اس آیت کے تحت واجب ہوجاتی ہے لیکن تب جب شیخ نبی کی بات پہنچائے۔شیخ کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔شیخ اس بارگاہ کا خادم ہے۔اس لئے شیخ کی اطاعت ضروری ہے لیکن اگر کوئی خلاف شریعت حکم دے تو اسے نہ ماننا بلکہ اس سے بچنا ضروری ہے اور کوئی شیخ خلاف شریعت حکم نہیں دیتا۔جو لوگ خلاف

شریعت احکام دیتے ہیں وہ شیخ ہوتے ہی نہیں وہ نقلی بنے ہوتے ہیں اور شیخ کی پہچان بھی یہی ہے کہ وہ برکات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے دلوں میں ایک حیات نو پیدا کر دے، دل زندہ کر دے۔ روح کو ایک حیات نونصیب ہواور وہ بجائے دنیاوی لذتوں، دنیاوی اقتدار اور دنیاوی مفادات کے پیچھے بھاگنے کے اللہ کے جمال کا طلبگار بن جائے۔ ایسا شخص جوتمہارے دل میں وہ سوز پیدا کر دے کہ تم جمال الٰہی کے طالب بن جاؤ اللہ کی رضا کے طالب بن جاؤ۔ وہ بندہ شیخ ہے۔ اور اگر یہ کیفیات نصیب نہ ہوں تو ایسے نقلی لوگ بہت ملتے ہیں جو کہتے ہیں کہ محض رسماً اتنی تسبیحات پڑھا کرو تم خلیفہ ہو تم بھی بیعت لیا کرو۔ کمال ہے وہ خلیفہ بن جاتے ہیں جبکہ عملی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کوئی کیفیت دل میں نہیں آتی، کوئی مراقبہ انہیں حاصل نہیں ہوتا، انہوں نے کسی سے توجہ حاصل نہیں کی ہوتی، کوئی انوارات ان کے پاس نہیں ہوتے تو شیخ اگر نبی کریم ﷺ کا نائب ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کے دلوں کو برکات نبوت کے انوارات سے روشن کرے۔

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوۡلُ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ فرمایا اس پر ایک بات اور یادرکھیں۔ اس آیہ کریمہ کے علماء نے تفسیر میں دو معنی لئے ہیں۔ ایک معنی یہ ہے یہ جان رکھو کہ اللہ اس کے اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جایا کرتے ہیں، حائل ہو جاتے ہیں اَنَّ اللّٰهَ يَحُوۡلُ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ یعنی اگر گستاخی کی جائے اللہ کے حبیب ﷺ سے اللہ کے رسولؐ سے اور اللہ کے رسولؐ کے احکام کی پرواہ نہ کی جائے تو غیرت الٰہی کا تقاضہ یہ ہے کہ پھر نیکی اور ایسے شخص کے دل کے درمیان اللہ آڑ بن جاتے ہیں۔ پھر اُسے نیکی کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ یعنی یہ کوئی معمولی جرم نہیں ہے کہ ہم نے احکام شریعت کی پرواہ نہیں کی۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات عالیہ کی پرواہ نہیں کی تو خیر ہے۔ فرمایا خیر نہیں ہے یہ بہت بڑا جرم ہے پھر اس کی سزا یہ ہوتی ہے کہ اللہ کبھی نیکی سمجھنے کی توفیق ہی نہیں دیتے۔ بندے کے دل اور نیکی کے درمیان آڑ بن جاتے ہیں۔ وَاَنَّهٗۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ۝۲۴ اور یہ یادرکھو کہ تمہیں واپس اللہ کی بارگاہ میں جمع ہونا ہے۔

دوسرا معنی علمائے تفسیر نے یہ کیا ہے کہ وَاعۡلَمُوۡۤا جان رکھو کہ جب تم نبی کریم ﷺ کی اطاعت کرو گے۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی دعوت پر لبیک کہو گے اور خلوص دل سے عمل کرو گے اَنَّ اللّٰهَ يَحُوۡلُ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ اللہ گناہوں اور جرائم سے خود تمہیں بچالے گا۔ تمہارے دل اور گناہوں کے درمیان خود رکاوٹ بن جائے گا۔ تمہارا دل گناہوں کو قبول نہیں کرے گا۔ دونوں معنی درست ہیں۔ عربی قواعد کے لحاظ سے بھی، الفاظ کے لحاظ سے بھی دونوں معنی درست ہیں۔ معنی کے حساب سے بھی دونوں معنی مبارک ہیں۔ ہوتا ہی ایسا ہے

بارگاہ رسالت سے کسی کو نسبت نصیب ہو جائے دل زندہ ہو جائے تو دل میں گناہ سے نفرت پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ ایک آڑ بنا دیتے ہیں کہ وہ دل گناہ کی طرف نہیں جاتا اور اگر گستاخی ہو بارگاہ رسالت کی تو توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور بندہ مرتے دم تک گناہوں میں لتھڑا رہتا ہے اور اسی میں موت کی نذر ہو جاتا ہے۔

فرمایا یاد رکھو تم لوگوں نے ہمیشہ اس دنیا میں نہیں رہنا۔ مر کر فنا بھی نہیں ہونا۔ تمہیں لوٹ کر اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے جہاں محاسبہ یہی ہوگا کہ زندگی میں نے دی تھی کس کی پسند پر خرچ کی؟ میری پسند پر میرے نبیؐ کی پسند پر یا اپنے نفس کی پسند پر۔ اپنی خواہشات پر زندگی اجاڑ کر آ گئے ہو۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴿۲۵﴾ اور اس مصیبت اور فتنے سے ڈرتے رہو جو صرف خاص طور پر بدکاروں نہیں آئے گا۔ یعنی جو قومیں برائی کرنے والوں کو برائی سے منع نہیں کرتیں اور برائی کو قبول کر لیتی ہیں۔ چوروں ڈاکوؤں کو عزت دیتی ہیں بدکاروں اور لٹیروں کو چوہدری اور ملک اور خان سمجھنے لگتی ہیں جب معاشرہ بدکاروں کو قبول کر لیتا ہے تو فرمایا پھر جو مصیبتیں آتی ہیں وہ صرف بدکاروں پر نہیں آتیں، ان پر بھی آتی ہیں، اس معاشرے پر بھی آتی ہیں جس نے ان بدکاروں کو قبول کر رکھا ہے۔

اس مصیبت سے، اس فتنے سے ڈرتے رہو جو خاص کر صرف بدکاروں پر نہیں آئے گا بلکہ پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ ہمیں اب کون سمجھائے اللہ ہمیں توبہ کی توفیق دے اور معاف کر دے۔ ہم تو اسے فتنے کی لپیٹ میں ہیں۔ نہ مساجد محفوظ ہیں نہ عبادت خانے۔ ہم نہ گھر میں محفوظ ہیں نہ باہر، نہ بازار محفوظ ہیں نہ عدالتیں۔ ہر جگہ لوگ مارے جا رہے ہیں، لوٹے جا رہے ہیں، مال چوری ہو رہا ہے، عزتیں لٹ رہی ہیں، یہ کیا ہے؟ عذاب الٰہی ہے اور کیا ہے۔ عجیب وغریب بیماریاں آ جاتی ہیں۔ جن کا کبھی کسی نے نام نہیں سنا ہوتا۔ قحط سالی پڑ جاتی ہے۔ بارش کے قطرے کو ترس جاتے ہیں۔ بارش ہوتی ہے تو سیلاب آ جاتے ہیں۔ یا خشک سالی سے لوگ مرتے رہتے ہیں یا پانی میں غرق ہو کر مرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یعنی کسی طرح کی خیر کی خبر نہیں آتی۔ کوئی نہ کوئی بربادی آ جاتی ہے تو یہ کیا ہے؟ یہ ایک عمومی عذاب ہے جو بدکاروں کی طفیل آیا اور اس نے اس پوری قوم کو لپیٹ میں لے لیا جس نے بدکاروں کی بدکاری قبول کر رکھی تھی۔ ہمیں اس پر زیادہ بحث کرنے سمجھنے سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ ہم تو اس کو بھگت رہے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں معاف فرمائے۔ فرمایا، ڈرو ان فتنوں سے، ایسے وبال سے ڈرو جو خاص کر بدکاروں پر ہی واقع نہیں ہوگا۔ بلکہ برائی کو قبول کرنے والی پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۝۲۵ اور یہ بات بھی یاد رکھو اللہ بہت سخت عذاب دینے والا ہے۔ جب اللہ کے عذاب آتے ہیں تو تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ آدمی سوچ بھی نہیں سکتا کہ عذاب الٰہی میں کتنی شدت ہوتی ہے۔ یہ ہماری سمجھ سے بالاتر بات ہے۔ لہٰذا جب دامان رسالت موجود ہے۔ اللہ کا قرآن موجود ہے تو ہم کتنے ہی بدنصیب ہیں کہ اتنی بڑی پناہ کے ہوتے ہوئے عذاب الٰہی کی دھوپ میں جل رہے ہیں اور اس کے سائے میں نہیں آتے۔ کیا ہوگا کوئی کتنا کھالے گا؟ کتنی دولت جمع کرے گا۔ کتنے عہدے حاصل کرے گا۔ پھر اگر اس کی قسمت میں ہوا تو اسے دو گز زمین مل جائے گی ورنہ شاید وہ بھی نہ ملے تو فرمایا ان عذابوں سے ڈرتے رہو جو خاص کر صرف ظالموں پر ہی نہیں آئیں گے۔ بلکہ جو قومیں ظلم کو قبول کر لیتی ہیں وہ ساری قومیں لپیٹ میں آجاتی ہیں اور یہ بھی جان لو کہ اللہ کے عذاب بڑے شدید ہوتے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری توبہ قبول فرمائے اور اپنی اور اپنے نبی ﷺ کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ مسلمانوں سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اس وقت کو یاد کریں جب آپ لوگ بڑی قلیل تعداد میں تھے۔ یہ مکی زندگی کی بات ہو رہی ہے جب مسلمان تعداد میں کم، مالی اور جسمانی طور پر کمزور تھے اور اس قدر کمزور تھے کہ یہ خطرہ تھا کہ مشرکین سب کو اچک کر غائب نہ کر دیں یعنی اس وقت مسلمان گنتی کے لوگ تھے اور وہ بھی ہر دنیاوی معاملے میں مشرکین کے مقابلے میں اتنے کمزور تھے کہ خطرہ تھا کہ مشرکین سب کو تہ تیغ کر دیں گے یا مار دیں گے، قتل کر دیں گے فَاٰوٰىكُمْ نبی پاک ﷺ کے طفیل اللہ کریم نے تمہیں اس حال، سے نکال کر مدینہ منورہ میں ایک ریاست اسلامی کی بنیاد رکھنے کی توفیق دی۔ یعنی حالات اسقدر دگرگوں تھے کہ مسلمانوں کے باقی رہنے کی امید نہیں تھی۔ بظاہر جو صورتحال نظر آرہی تھی جو ظاہری حالات تھے وہ ایسے تھے کہ یہ چند لوگ جو کلمہ گو ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی دعوت حق پر لبیک کہا ہے وہ کفار کے ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ فرمایا مشرکین و کفار گلیوں میں پیٹتے سزائیں دیتے۔ گرم ریت پر لٹاتے، آگ پر لٹاتے، طرح طرح کی تکلیفیں دیتے اور کوئی بھی ایسا کہنے والا نہیں تھا کہ یہ غیر انسانی سلوک انسانوں سے کیوں کیا جا رہا ہے؟ کوئی انہیں ملامت کرنے والا، کوئی روکنے والا بھی نہیں تھا۔ ڈر تھا کہ وہ مسلمانوں کو چن چن کر ہلاک کر دیں، شہید کر دیں، قتل کر دیں یا غائب کر دیں۔ قرآن نے لفظ استعمال کیا ہے یَّتَخَطَّفَكُمُ تمہیں بالکل صفحہ ہستی سے نابود کر دیں جیسے کوئی چیز اچک کر غائب کر دی جاتی ہے۔ جس کا کوئی نشان نہیں ملتا کہ وہ کہاں گئی کہاں غائب ہوئی۔ مشرک اسقدر طاقت میں تھے اور تم دنیاوی اعتبار سے اسقدر کمزور تھے۔ لیکن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے مخالف ہو کر

مشرکین برکات نبوت سے محروم تھے اور تم دنیاوی اعتبار سے کمزور تھے لیکن تمہارے دل برکات نبوت سے منور تھے۔ تمہارے دل توحید باری سے روشن تھے۔ تمہارے سینے توحید باری سے روشن تھے۔ برکات رسالت سے روشن تھے۔ تو اللہ کریم نے آپ لوگوں کو ٹھکانہ بخشا۔ ہجرت کی اجازت فرمائی اور آپ نے ہجرت کی اور مدینہ منورہ آئے اور مدینہ منورہ میں اللہ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی وَاَيَّدَكُمۡ بِنَصۡرِهٖ اور اپنی مدد سے تمہیں قوت بخشی۔ کیونکہ مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تو کفار مکہ نے اپنا سارا زور صرف کر دیا کہ اس سے پہلے کہ یہ ایک طاقت بن جائیں انہیں مدینہ منورہ میں ہی ختم کر دیا جائے۔ ملیا میٹ کر دیا جائے۔ لیکن اللہ نے آپ لوگوں کی مدد کی۔ آپ گنتی کے لوگ تھے نہ افرادی قوت تھی نہ اسلحہ تھا اور ایک ہزار کا لشکر جرار جو چنے ہوئے جنگجو اور بڑے بڑے جرنیل اور سرداروں پر مشتمل تھا وہ تہس نہس ہو گیا اللہ کریم نے اپنی مدد سے تمہیں قوت بخشی وَرَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اور تمہیں دنیاوی اعتبار سے بھی حلال اور پاکیزہ رزق دے کر مضبوط کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں مالدار ہونا بری بات نہیں۔ جائز ذرائع سے مال جمع کرنا بری بات نہیں ہے۔ جائز ذریعے سے حلال کمانا، محنت سے، جائز طریقے سے جو مال جمع ہوتا ہے اس پر تو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے۔ منع ہوتا تو زکوٰۃ کیوں فرض ہوتی۔ مال ہوگا تو زکوٰۃ دے گا۔ لیکن اس کا حلال اور طیب اور جائز ذرائع سے ہونا ضروری ہے۔ تو اللہ کریم طیب رزق اپنے انعام کے طور پر ارشاد فرما رہے ہیں۔ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ۝۲۶ تا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ تو جتنے انعامات الٰہی ہیں ان کا بندہ کوئی بدلہ نہیں دے سکتا۔ بندہ مخلوق ہے عاجز ہے محتاج ہے۔ بندے کی بنیادی صفت بندے کی کمزوری اور احتیاج ہے جو اس سے کبھی دور نہیں ہوتیں۔ حکمران بن جائے پھر بھی محتاج ہوتا ہے بادشاہ بن جائے پھر بھی اس کی احتیاج رفع نہیں ہوتی۔ بلکہ بڑی عجیب بات یہ ہے، قانون فطرت یہ ہے کہ بندہ جتنا امیر ہوتا جاتا ہے اتنا زیادہ محتاج ہوتا جاتا ہے۔ ایک غریب آدمی اپنے کپڑے بھی دھو لے گا، اپنا جوتا بھی گانٹھ لے گا،۔ اپنے لئے روٹی بھی بنا لے گا۔ وہی بندہ اگر امیر ہوتا جائے تو اب اسے روٹی کے لئے بھی خانساماں چاہیے، کوئی کپڑے دھونے والا چاہیے، کوئی جوتے پالش کرنے والا چاہیے۔ وہ جوں جوں امیر ہوتا جائے گا زیادہ محتاج ہوتا چلا جائے گا۔ پہلے کرایہ دے کر بس میں سفر کر لیتا تھا، ٹرین میں سوار ہو جاتا تھا۔ جب اللہ نے کار دے دی تو اس کیلئے ڈرائیور کی احتیاج بڑھ گئی۔ اب ایک ڈرائیور چاہیے، ایک مکینک چاہیے جو گاڑی کی دیکھ بھال کرے درست کرے۔ یعنی جوں جوں دولت آتی جائے گی۔ جوں جوں امارت آتی جائے گی تو بجائے اس کے کہ احتیاج رفع ہو احتیاج بڑھتی جائے گی۔ یہ قدرت کا قانون، اللہ کریم کا بنایا ہوا ضابطہ ہے کہ جوں جوں

بندے کو دنیاوی اقبال ملتا ہے وہ زیادہ محتاج ہوتا جاتا ہے۔ تو فرمایا تمہاری احتیاج رفع فرمائی تم کمزور تھے تمہیں طاقت دی، دشمن سے جان کا خطرہ تھا اپنی مدد اور نصرت سے دشمن پر فتح دی۔ دشمن نے گھروں سے نکلنے پر، ہجرت پر مجبور کر دیا تھا۔ اللہ نے بہترین ٹھکانہ مدینہ منورہ میں عطا فرمایا اور حلال اور طیب رزق دے کر تمہارا افلاس بھی دور کر دیا، انسان انعامات الٰہی کا کیا بدلہ دے سکتا ہے؟ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۲۶ تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرو۔

ادائے شکر کا اعلیٰ درجہ:

اس موضوع پر بڑی طویل بحثیں ملتی ہیں۔ اس بارے میں مفسرین کرام نے بہت لکھا ہے لیکن سب باتوں کا حاصل اور سب کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ جب بندہ کو اللہ کے انعامات اور اپنی حیثیت پر غور کرنے کے بعد یہ ادراک ہو جائے کہ اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ میں ان کا شکر بھی ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں تو یہ ادائے شکر ہے یعنی میں اگر ساری زندگی ایک سجدہ شکر میں گزار دوں پھر بھی اس کا شکر ادا نہیں ہوتا اس کی نعمتیں پھر بھی زیادہ ہیں۔ یہ ایک احساس ہے ایک ادراک ہے جو تمام صورتحال پر غور کرنے کے بعد بندے کو نصیب ہو جائے تو یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اور یہ تو شکر کرنے کا اعلیٰ درجہ ہے۔

عام مسلمان کے لئے ادائے شکر کی صورت:

ادائے شکر کی کم از کم صورت یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی نہ کی جائے اور احکام الٰہی کی پابندی کی جائے۔ اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ نافرمانی کو ناشکری کہا گیا ہے جیسا دوسری جگہ ارشاد ہے فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۝ البقرہ :152 میرا ذکر کرو مجھے یاد رکھو۔ میں تمہارا ذکر کروں گا تمہیں یاد رکھوں گا۔ وَاشْكُرُوْا لِيْ میرا شکر ادا کرو وَلَا تَكْفُرُوْنِ اور میری ناشکری نہ کرو۔ یہاں ناشکری کو کفر کہا گیا ہے۔ کفر بھی تو ناشکری ہی کی ایک انتہائی قسم ہے کہ بندہ اللہ کی وحدانیت کا انکار کر دیتا ہے یا اس کے ساتھ شرک کرتا ہے۔ تو ناشکری کی ایک انتہائی صورت کفر ہے۔ عظمت الٰہی کا انکار رسالت کا انکار، ضروریات دین کا انکار، ناشکری کی ایک انتہائی صورت ہے۔ تو قرآن میں یہاں شکر کے مقابلے میں کفر کا لفظ استعمال فرمایا ہے وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ شکر کی ایک عام فہم تشریح ہے، جو میں اور آپ سمجھ سکتے ہیں۔ جو بات میں نے پہلے کی وہ خواص کی ہے۔ اہل اللہ اس کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں یا اسے محسوس کر سکتے ہیں۔ زندہ دل لوگ اسے محسوس کر سکتے ہیں عام

مسلمان کے لئے شکر کی صورت یہ ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔ احکام الٰہی کی پابندی کرے۔

جب ہم احکام الٰہی کی بات کرتے ہیں تو عمومی طور پر ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ نماز روزہ کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا یہ احکام الٰہی ہیں۔ احکام الٰہی صرف یہ نہیں ہیں یہ احکام الٰہی کا ایک حصہ ہے جسے عبادات کہا جاتا ہے۔ شعبہ عبادات جو ہے یہ معاملہ رب کریم اور بندے کے درمیان ہے کہ وہ کس عقیدے سے سجدے کر رہا ہے۔ کتنے خلوص سے سجدہ کر رہا ہے۔ کتنے خلوص سے عبادت کر رہا ہے۔ یہ معاملہ بندے اور اس کے مالک کے درمیان ہے۔ احکام کا دوسرا حصہ حقوق العباد ہیں یہ اس سے زیادہ اہم ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا میرے معاملے میں اگر کوئی کوتاہی کرتا ہے تو میرا معاملہ ہے میں جسے چاہوں معاف کر دوں میری مرضی۔ معاف کر دوں تو وہ میرا حق ہے۔ میرے حق میں اس نے کوتاہی کی۔ حقوق اللہ میں اس نے کوتاہی کی تو میں معاف کر دوں گا لیکن جو کوتاہی اس نے اپنے جیسے لوگوں کے حقوق میں کی ہوگی وہ میں معاف نہیں کروں گا یوم حساب اس کا معاملہ اسے ان سے کرنا ہوگا۔ اگر کسی کے ساتھ زیادتی کی ہے تو اس کے بدلے اس کی نیکیاں ہیں تو وہ اسے دی جائیں گی۔ اگر اس کے دامن میں کوئی نیکی نہیں ہے تو پھر اس کی خطائیں اس پر لادی جائیں گی۔ تو حقوق العباد کا معاملہ عبادات سے زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ایک حد تک ایسے بہت سے لوگ مل جاتے ہیں جو حقوق اللہ کا خیال رکھتے ہیں۔ شرک نہیں کرتے نماز ادا کرتے ہیں روزہ رکھتے ہیں۔ استطاعت ہو تو حج کرتے ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں کہ استطاعت نہ بھی ہو تو مانگ تانگ کر حج کرتے ہیں۔ یہ ایک جنون ہے اور جب بات آتی ہے حقوق العباد کی تو وہی بندہ مسجد سے نماز ادا کر کے جاتا ہے۔ دکان پر بیٹھتا ہے تو ڈنڈی مار جاتا ہے۔ وزن پورا نہیں دیتا۔ کوالٹی ٹھیک نہیں دیتا۔ قیمت ٹھیک نہیں لیتا۔ یا خوامخواہ کی قیمت بڑھا کر لے لیتا ہے۔ یا ہم ملازمت کرتے ہیں تنخواہ لے لیتے ہیں کام پورا نہیں کرتے دیانتداری سے نہیں کرتے۔ مزدوری کرتے ہیں اور بڑی عجیب بات ہے کہ ہم بڑی سخت جان مزدوری کرتے ہیں پتھر توڑنے کی مزدوری کرتے ہیں لیکن اس میں ہم دیانتداری کا خیال نہیں رکھتے۔ کوشش کرتے ہیں جتنا ہو سکے دھوکہ دیا جائے۔ کام تھوڑا ہوا جرت بڑھائی جا سکے تو یہ سارے معاملات ناشکری کے ذیل میں آتے ہیں۔ غلطی ہو جانا ایک اور بات ہے لیکن عمداً جان بوجھ کر کرنا یہ تو بڑی زیادتی کی بات ہے اور اسے ہم سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ اگر اللہ نے توفیق عطا فرمائی ہے نماز روزہ کرتے ہیں تو بھی ان معاملات پر ہماری توجہ ہی نہیں ہوتی ہمیں فکر ہی نہیں ہوتی کہ اصل بات تو یہاں اٹکی ہوئی ہے۔ محاسبہ تو یہاں مشکل ہو جائے گا۔

اللہ کریم کی عبادت لازمی اور ضروری ہے۔ لیکن عبادت کا اللہ کریم نے ایک معیار بھی دیا ہے اسے

جانچتے رہنا چاہیے۔ اللہ کو عبادت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ساری دنیا میں کوئی بھی سجدہ نہ کرے تو اس کی عظمت میں کوئی بھی فرق نہیں آتا اور کائنات کا ذرہ ذرہ سجدہ کرتا رہے تو اس کی شان بڑھتی نہیں ہے۔ عابد کو اپنی عبادت کا فائدہ ہوتا ہے کہ اس کا اپنے معبود حقیقی سے ایک تعلق بن جاتا ہے۔ ہر سجدہ، ہر قیام، ہر رکوع اس تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔ اس تعلق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عملی زندگی میں، معاملات میں، حقوق العباد میں راستی آجاتی ہے اور اگر کوئی نماز روزہ بھی کرتا ہے اس کے حقوق العباد میں کمی ہے تو اس کا مطلب ہے اس کے نماز روزے میں کہیں کوئی کمی ہے وہ بات بن نہیں رہی جو بننی چاہیے۔ نماز بھی پڑھتا ہے چوری بھی کرتا ہے۔ نماز بھی پڑھتا ہے دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ مارتا ہے۔ نماز بھی پڑھتا ہے اور بددیانتی بھی کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ جو نماز روزہ کر رہا ہے وہاں کوئی کمی ہے کیونکہ اللہ کریم نے فرمایا کہ عبادات کا جو انعام آخرت میں ہوگا وہ تو آخرت میں ہوگا۔ دنیا میں نقد مزدوری بھی ملتی ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ سورۃ العنکبوت: 45 صلوٰۃ یا عبادت الٰہی، بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے۔ ایک ایسی قوت دل میں پیدا ہو جاتی ہے ایک ایسا نور دل میں پیدا ہو جاتا ہے کہ بندہ بے حیائی سے دور رہتا ہے۔ بے حیائی وہ کام ہے جو آپ دوسروں کے سامنے نہیں کر سکتے تو عبادت سے وہ قوت ملتی ہے کہ وہ کام آپ تنہائی میں بھی نہیں کرتے۔ برائی ہر وہ کام ہے جس میں کسی دوسرے کا حق مجروح ہوتا ہو تو فرمایا یہ عبادات الٰہیہ جو ہیں یہ برائی اور بے حیائی سے روک دیتی ہیں۔ یعنی ایک دوا ہے جس کا حتمی اثر ہے کہ اس سے بیماری ٹھیک ہو جاتی ہے اور یہ کوئی طبیب نہیں کہہ رہا یہ اللہ کریم فرما رہے ہیں جس نے وہ دوا بھی بنائی ہے اور جس نے بیماری بھی خود پیدا کی ہے خود اس کا علاج بھی پیدا کیا ہے۔ تو طبیب کی بات پر شبہ کیا جاسکتا ہے۔ اللہ کی بات پر شبہ کی گنجائش نہیں لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۚ البقرہ: 1 شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ جو بندہ اللہ کی عبادت کرتا ہے اس کے معاملات درست ہونے چاہئیں۔ اگر درست نہیں ہوتے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی عبادت بھی صحیح نہیں ہے۔ کہیں عقیدے میں خلل ہے یا کہیں اتباع سنت میں کمی ہے کیونکہ عبادت کے دو بنیادی اصول ہیں عقیدہ درست ہو اور طریقہ وہ ہو جو محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے۔ عقیدہ بھی وہ ہو جو نبی کریم ﷺ نے بتایا ہے اور کام کرنے کا طریقہ اور سلیقہ بھی وہی ہو جو حضور ﷺ نے بتایا ہے تو دونوں میں سے کہیں کوئی کمی آجائے تو نتائج وہ نہیں رہتے اور عبادت عبادت ہی نہیں رہتی۔ محض اٹھک بیٹھک ہو جاتی ہے۔ تو یہ باتیں جو قرآن کریم اتنی باریکی سے ارشاد فرماتا ہے ہمیں ان پر اس طرح غور کرنا چاہیے کہ میں ان میں کہاں فٹ ہوتا ہوں۔ یہ بھی ہماری ایک مصیبت ہے کہ ہم سارے جہان کا محاسبہ کرتے ہیں حکمرانوں کا

محاسبہ کرتے ہیں۔ سرداروں کا، دوستوں کا، بڑوں کا، بھائیوں کا، بیٹوں کا، ملنے جلنے والوں کا۔ ہم نے ایک میزان رکھی ہے یہ بندہ ایسا ہے یہ یہاں غلط ہے یہاں صحیح ہے، یہاں ٹھیک کرتا ہے، یہاں زیادتی کرتا ہے۔ اس میں یہ خوبی ہے یہ خامی ہے۔ ایک ترازو ہم نے ہر بندے کے لئے رکھا ہوا ہے سوائے اپنے۔ کبھی ہم نے یہ تکلف نہیں کیا کہ میں خود کو جانچوں حالانکہ جانچنا خود کو ہی چاہیے۔

میرے پاس کئی سوال ایسے آتے ہیں جن کا جواب میں یہ دیتا ہوں کہ ان غیر ضروری بحثوں میں آپ کیوں الجھتے ہیں آپ اس جواب کی تیاری کریں جو قبر میں آپ سے سوال پوچھے جائیں گے۔ یہ سوال تو کسی سے قبر میں نہیں پوچھا جائے گا یہ تاریخ سے متعلق ہے یا تاریخی واقعات سے متعلق ہے اس میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ ایک مورخ کی رائے کچھ اور دوسرے کی کچھ اور ہے اب آپ اس کے مکلف نہیں، قبر میں کوئی نہیں پوچھے گا کہ کس مورخ نے کیا لکھا۔ وہ اس مورخ کو پوچھا جائے گا کہ تم نے ٹھیک لکھا تھا یا غلط لکھا تھا۔ جو آپ سے پوچھا جائے گا آپ نے اس کی تیاری کر لی؟ حج پر جانے کا ہر مسلمانوں کو شوق ہے اور ہونا بھی چاہیے لیکن جن پر حج فرض ہی نہیں وہ مانگ تانگ کر قرض لے کر چلے جائیں گے کیا وہ حقوق جو فرض ہیں وہ انہوں نے پورے کر لئے؟ یعنی ہم اس بات کو نہیں دیکھتے کہ جو فرض نہیں ہے اس کا تو شوق ہے اور جو فرائض میرے ذمے ہیں وہ کیا میں پورے کر رہا ہوں؟ تو اللہ کریم فرماتے ہیں میں نعمتیں عطا کرتا ہوں بخشتا ہوں اسلئے کہ تمہیں کم از کم احساس تشکر تو ہو لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تا کہ تم شکر ادا کر سکو اور شکر کا کم تر درجہ یہ ہے کہ اللہ کریم کی نافرمانی سے بچا جائے۔ اپنی پوری کوشش خلوص دل سے کرلے کہ میں اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی اطاعت کروں۔ پھر خامیاں کمزوریاں جو فطری ہیں وہ رہ جاتی ہیں وہ اللہ کریم معاف کرنے والا ہے اس سے بخشش طلب کرتا رہے۔ لیکن اپنے ارادے اپنے تہ دل سے اپنی پوری قوت سے کوشش تو کرے۔

اور اس بات کو قرآن کریم نے دوسرے انداز میں ارشاد فرمایا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اندازِ تخاطب تو بڑا پیارا ہے۔ اے میرے وہ بندو جنہیں نور ایمان نصیب ہوا ہے۔ قرآن کریم کے مختلف انداز تخاطب ہیں۔ جن میں تین اندازِ تخاطب بہت معروف ہیں۔ ایک تو قرآن حکیم عام انداز میں بات کرتا ہے اللہ کریم عمومی ارشاد فرماتے ہیں يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو! اے اولاد آدم، ایک عمومی انداز جس میں سب آ جاتے ہیں۔ مومن بھی، کافر بھی، چھوٹے بھی، بڑے بھی، بادشاہ بھی، گدا بھی جہاں بھی آئے گا آگے عمومی احکام آئیں گے عمومی ارشاد آئیں گے جو سب کی بہتری کے لئے ہیں۔ دوسرا انداز تخاطب ہے يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔ جہاں یہ انداز آئے گا اس کے آگے آپ دیکھ لیجئے عذاب کی وعیدیں آئیں گی جہنم کی باتیں

آئیں گی کڑکتی ہوئی بجلیاں ہوں گی اور غضب الٰہی کا ظہور ہوگا۔ تیسرا انداز تخاطب ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اسے وہ سمجھ سکتا ہے جس کا کوئی محبوب ہو جس سے بات کرنے کو وہ ترستا ہو جسے دیکھنے کو وہ ترستا ہو۔ کسی دن وہ محبوب اسے پیار سے پکارے تو وہ کیفیت اس کی سمجھ میں آتی ہے۔ جسے اللہ سے عشق ہو اللہ سے پیار ہو۔ جو زیارت باری کو ترستے ہوں، بارگاہ نبوت کو ترستے ہوں اور پھر انہیں عرش عظیم سے صدا آئے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جلالت بارگاہ ایزدی سے انہیں پکارا جائے اور پھر پیار سے پکارا جائے اور جہاں اٰمَنُوْا کی بات آتی ہے آگے نصیحت شروع ہو جاتی ہے یا پھر جنت کی باتیں، آخرت کی باتیں، دنیا کی کامیابی کی باتیں یا بہترین نصیحت اس کے ساتھ ہوتی ہیں تو یہاں ارشاد فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ

بددیانتی خیانت کیسے ہے؟

اے ایمان والو اپنے اللہ کے ساتھ بددیانتی نہ کرو۔ اپنے رسول ﷺ کے ساتھ بددیانتی نہ کرو وہ جو بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ حکم ماننا بھی شکر ہے اور اطاعت نہ کرنا ناشکری ہے اور انتہائی درجے کی ناشکری ہے۔ یہاں قرآن میں کہا کہ یہ اطاعت نہ کرنا تو بددیانتی ہے خیانت ہے۔ یا اللہ یہ خیانت کیسے بن گئی؟ فرمایا تم نے کلمہ پڑھا؟ تم نے کہا لا ءالہ الا اللہ؟ اور کہنے کے بعد سجدہ دوسرے کے در پر کر دیا تو کیا یہ بددیانتی نہیں ہے؟ کہتے کچھ ہو کرتے کچھ ہو۔ تم نے کہا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ کا حکم چھوڑ کر دنیاوی دولت اور اقتدار کے لالچ میں آ کر دوسروں کی بات مان لیتے ہو۔ یہ کتنی بڑی بددیانتی ہے۔ وَالرَّسُوْلَ رسول تو مانا محمد رسول اللہ ﷺ کو اور تمہاری کوئی ادا ادائے رسالت سے نہیں ملتی تو یہ بددیانتی نہیں ہے؟ کہتے کچھ ہو کرتے کچھ ہو۔ جن چیزوں کو ہم معمولی سمجھتے ہیں وہ معمولی نہیں ہوتیں۔ علماء نے بحث کی ہے کہ گناہ کبیرہ کیا ہے اور گناہ صغیرہ میں کیا امتیاز ہے۔ چھوٹا گناہ کون سا ہے بڑا گناہ کسے کہیں؟ بڑے گناہوں کو گناہ کبیرہ کہتے ہیں اور چھوٹے گناہوں کو گناہ صغیرہ تو یہ چھوٹے بڑے کی حد کہاں ہے۔ کہاں تک گناہ ہے جو چھوٹا ہے اور کہاں سے آگے جو ہے وہ بڑا ہے۔ ساری بحث سمیٹتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ گناہ کبھی چھوٹا نہیں ہوتا اس لئے کہ گناہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہوتی ہے وہ چھوٹے سے کام میں بھی ہو تو وہ نافرمانی بہت بڑی ہستی کی ہے۔ فرماتے ہیں یہ محض ہمارے اندازے ہیں ورنہ گناہ کبھی چھوٹا نہیں ہوتا اس لئے کہ اس نظر سے دیکھا جائے کہ نافرمانی کس کی ہے تو پھر وہ بڑا ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا احکام الٰہی نہ مان کر اللہ کے ساتھ بددیانتی نہ کرو۔ تم نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ کر کہا ہم تجھے لاشریک اور معبود برحق مانتے ہیں۔ پھر نام لے کر کہتے ہو محمد رسول اللہ ﷺ اے اللہ ہم تیرے حبیب ﷺ کو رسول مانتے ہیں اور پھر آپ ﷺ کی اطاعت

نہیں کرتے ہوتو یہ بددیانتی نہیں ہے؟

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اس کی تفسیر میں اگر میں یہ کہہ دوں کہ ''اے میرے اچھے بندو''،
اگر میں یہ کہہ دوں تو کوئی حرج ہے ایمان والے تو اچھے ہی لوگ ہیں۔ اللہ کریم ان کی بہتری چاہتے ہیں ان پر
کرم فرمانا چاہتے ہیں۔ ان پر اپنی برکات نازل فرمانا چاہتے ہیں۔ انہیں اپنے رحمت کے حصار میں رکھنا
چاہتے ہیں اس لئے محبت سے پکارتے ہیں کہ میرے ایمان والے بندو! آپس کی امانت میں خیانت نہ کرو
انسانوں کے آپس کے معاملات میں ایک دوسرے پر جو حقوق ہیں وہ ایک دوسرے کی امانتیں ہیں۔ کسی کا جو
حق مجھ پر ہے وہ میرے پاس اس کی امانت ہے۔ جو میرا آپ پر ہے وہ آپ کے پاس میری امانت ہے یہ
ضروری نہیں کہ کسی کے پاس رقم رکھوائی جائے تو وہ امانت ہے یا کسی کے پاس کوئی چیز رکھوائی جائے وہ امانت
ہے۔ معاشرے کے ہر فرد کے فرائض بھی ہیں حقوق بھی ہیں۔ والدین کا اولاد پر حق ہے اولاد کا والدین پر حق
ہے کہ اس کی اچھی تربیت کرے انہیں پالے پوسے۔ والدین کا حق ہے کہ اولاد ان کی خدمت کرے۔ ان
سے تعاون کرے ان کی اطاعت کرے۔ پورے معاشرے میں حکمرانوں کا حق ہے کہ لوگ ان کی عزت
کریں۔ لوگوں کا حق ہے کہ حکمران ان سے انصاف کریں۔ عدل کریں۔ ان کے حقوق کا لحاظ رکھیں۔
ہمارے یہاں اپنے اپنے حقوق کے مطالبے کے لئے روز جلوس نکلتے ہیں ہڑتالیں ہوتی ہیں۔ ٹیلی ویژن پر شور
ہوتا ہے۔ ذرائع ابلاغ شور مچاتے ہیں کبھی آپ نے ایسا جلسہ بھی کوئی دیکھا جس میں فرائض کی بات ہو رہی ہو
کہ اپنے اپنے فرائض پورے کرو۔ وکیلوں نے ہڑتال کر دی لیکن کتنے لوگوں سے انہوں نے فیسیں لی ہوئی
ہیں اور وہ کتنے فاصلے سے عدالت میں آئیں گے۔ آئیں گے تو انہیں پتہ چلے گا وکیل ہڑتال پر ہیں۔ اُن
بے چاروں نے فیس بھی دی ہوئی ہے۔ کرایہ بھر کر آئیں گے دھکے کھاتے شام کو چلے جائیں گے اپنے حقوق
کی بات کرتے ہو دوسروں کے حقوق ادا کیوں نہیں کرتے۔ جو حقوق تمہارے ذمے ہیں کیوں ادا نہیں کرتے؟
ڈاکٹر ہڑتال پر چلے جاتے ہیں ہمارے حقوق نہیں ملتے تو وہ بے چارے جو موت کے دروازے پر پڑے علاج
کے منتظر ہیں ان کا اُن پر کوئی حق نہیں؟ ان کا حق ادا کر رہے ہو؟ استادوں نے ہڑتال کر دی تو جو بچوں کا وقت
ضائع ہو رہا ہے کیا یہ ان بچوں کا حق نہیں تو اگر ہم اپنے حقوق طلب کرنے کی بجائے پہلے اپنے فرائض ادا کریں
تو یہ مطالبہ کرنا ہی نہ پڑے۔ یہ مطالبہ ہی تب بنتا ہے جب کچھ لوگ اپنے فرائض ادا نہیں کرتے اور دوسروں
تک ان کے حقوق نہیں پہنچتے کیا اس کا یہ علاج ہے کہ حکومت ہمارے حقوق نہیں دے رہی تو جن کے حقوق
ہمارے ذمے ہیں ہم ان کو نہیں دیتے یہ تو کوئی علاج نہیں ہے۔ وہ سحر انصاری نے ایک دفعہ کہا تھا کہ

نئے دستور ہیں نئے زمانے کے لئے
آگ ہی لائی گئی آگ بجھانے کے لئے

بھئی آگ پہلے ہی لگی ہوئی ہے آپ اس پر اور آگ ڈالیں گے تو وہ بجھ جائے گی؟ حقوق تو پہلے لوگوں کے اٹکے ہوئے ہیں، انہیں اس سے دکھ ہو رہا ہے جو آپ کے ذمے ہیں وہ بھی آپ نے روک لئے تو اس سے فساد بڑھے گا یا رکے گا؟ جلسہ ہی کرنا ہے تو اپنا کام کرنے کے بعد چھٹی کے بعد جلسہ کر لینا اپنے حقوق کا مطالبہ کر لینا۔ جو تمہارے ذمے ہے وہ تو اپنے دفتری اوقات پورے کر کے اپنی ڈیوٹی پوری کر کے اپنا فرض ادا کر کے آجاؤ۔

اللہ کریم نے دوسرے انداز میں ارشاد فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے میرے ایماندار بندو لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ اللہ کے ساتھ خیانت نہ کرو وَالرَّسُوْلَ اور اللہ کے رسول ﷺ سے بھی خیانت نہ کرو۔ یہ جو عدم تعمیل ارشاد ہے یہی تو خیانت ہے۔ تو فرمایا اے میرے ایمان والے لوگو لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ اپنی طرف سے خلوص دل سے اطاعت کی پوری کوشش کرو۔ کتنی ہو سکتی، کتنی نہیں ہو سکی یہ اللہ کریم جانتا ہے غلطیاں، کوتاہیاں معاف فرمانے والا ہے۔ لیکن تمہاری نیت بھی وہ جانتا ہے تم کس نیت سے کر رہے ہو اور کتنا کام کر رہے ہو۔ تم میں کرنے کی استعداد کتنی ہے اور کر کتنا رہے ہو وہ جانتا ہے۔ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ اور آپس کی امانات میں یعنی ایک دوسرے کے حقوق و فرائض میں بھی خیانت نہ کرو۔ ہم کسی کے پاس کوئی چیز رکھوا دیں تو اسے تو ہم امانت سمجھتے ہیں لیکن ہم پر جو اس کے حق ہیں اسے ہم امانت ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ اصل امانت وہ ہے کو ہر فرد کے کچھ حقوق ہیں کچھ اس کے فرائض ہیں۔ جو اس کے فرائض ہیں وہ دوسروں کے حقوق ہیں تو اپنے حقوق کا مطالبہ کرے کہ اپنے حقوق پر اسے اختیار ہے معاف بھی کر سکتا ہے۔ کوئی اپنا حق معاف کر دے تو مستحسن ہے اللہ کریم راضی ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے ذمے جو دوسرے کا حق ہے وہ یہ تو معاف نہیں کر سکتا۔ اپنا فرض تو اسے ہر حال ادا کرنا ہے۔ سو فرمایا آپس میں بھی خیانت نہ کرو وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ اور تم یہ باتیں جانتے ہو قرآن نے یہ کوئی نئی بات نہیں کہی۔ تم یہ سمجھتے بھی ہو اللہ نے تمہیں انسانی شعور دیا ہے اور یہ تمہاری سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ ان باتوں کو تم جانتے ہو کہ یہ نہیں کرنا چاہیے پھر کیوں کرتے ہو؟ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾

کیا چیزیں باعث فتنہ ہیں:

یاد رکھو دنیا کا مال و دولت اولاد، مال و منال، عہدہ ورتبہ اہل وعیال آزمائش ہے۔ امتحان ہے۔ اگر اس میں کامیاب ہو گئے تو یہی تمہارے لئے باعث ترقی درجات بن جائے گا اور اگر نا کام ہو گئے تو تمہیں لے ڈوبے گا۔ صرف مال جمع کرتے رہے اور حلال وحرام کی تمیز نہ کرے تو یہ تو کوئی بات نہیں۔ صرف اولاد پالتے رہے اور یہ نہ دیکھا کہ ان کا عقیدہ بھی درست ہے انہیں کوئی تربیت بھی دی گئی ہے۔ حلال کھلا رہے ہیں یا حرام کھلا رہے ہیں۔ اب اگر کوئی حرام سے اولاد کو پالے گا تو کیا عقیدہ سکھائے گا؟ تو فرمایا اس پر نہ خوش ہو جاؤ کہ میرے پاس دولت زیادہ ہے میرے بچے بڑے افسر بن گئے ہیں نہیں فرمایا یہ امتحان ہے آزمائش ہے۔ ہر بندے کو مال کی ضرورت بھی ہے ہر بندے کے دل میں اولاد کی محبت بھی ہے۔ یہ ساری محبتیں درست ہیں لیکن ان حدود کے اندر جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے مقرر فرمائیں ہیں۔ مال اور اولاد کے لئے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی نافرمانی کی گنجائش نہیں ہے۔ یہی آزمائش ہے۔ تمہارے ساتھ بے پناہ ضرورتیں لگا دیں۔ مال کی ضرورت سب سے بڑی مصیبت ہے۔ اولاد کی محبت اس سے بڑی مصیبت ہے۔ فرمایا یہ تو آزمائش ہے اگر تم اس میں کامیاب ہوئے تو اللہ تمہیں حلال مال بھی دے گا۔ تمہاری اولاد کا بھی اس میں فائدہ ہوگا تمہیں بھی فائدہ ہوگا۔ لیکن اگر تم نے مال کی محبت میں حلال وحرام کو چھوڑ دیا اور اولاد کی محبت میں جائز ونا جائز کو چھوڑ دیا تو تم اس امتحان میں فیل ہو گئے مارے گئے اور اگر اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہو وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ تو یقیناً اللہ کے پاس جو انعامات ہیں تم ان کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ تم یہ سمجھ لو کہ وہ عظیم ہیں۔ اب ان کی عظمت کتنی ہے یہ تم نہیں سمجھ سکتے یہ تو جب تم وہاں آؤ گے تو پتہ چلے گا۔ دنیا میں تمہاری گنتی ختم ہو جاتی ہے تمہارے اعداد تمہارے کمپیوٹر ایک حد تک گنتے ہیں۔ تمہارا حساب ایک حد تک ہے اللہ کی عطا اس سے بے پناہ ہے۔ تو اگر اس امتحان میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو کامیابی کا ایک ہی راستہ ہے اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی اطاعت۔ اولاد سے محبت منع نہیں ہے لیکن اس کی ایک حد ہے کہ وہ محبت اللہ کی نافرمانی تک نہ لے جائے۔ مال کی محبت نبی علیہ السلام کی نافرمانی تک نہ لے جائے۔ پھر وہ محبت نہ رہی وہ لالچ ہو گیا اور پھر فرمایا زندگی میں جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں اس کا انعام جو آخرت میں ملے گا اس کا تم اندازہ نہیں کر سکتے۔ صرف یہ جان لو کہ بہت عظیم ہوگا جسے اللہ عظیم فرما رہے ہیں اس کی عظمت ان کی شان کے مطابق ہوگی یہ ہماری عقل میں نہیں سما سکتی۔

سورۃ الانفال رکوع 4 آیات 29 تا 37

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہارے لئے امتیاز پیدا فرما دیں گے اور تم سے تمہارے گناہ دور فرما دیں گے اور تمہیں بخش دیں گے اور اللہ بڑے فضل کے مالک ہیں۔ ﴿۲۹﴾ اور (یاد کریں) جب کافر آپ کے لئے تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کرلیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو (ملک سے) نکال دیں اور وہ اپنی تدبیر کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر فرما رہے تھے اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والے ہیں۔ ﴿۳۰﴾ اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یقیناً ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو اسی طرح کا (کلام) ہم بھی کہہ دیں گے یہ کیا ہے؟ صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ ﴿۳۱﴾ اور جب ان لوگوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے حق (سچا) ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی (اور) دردناک عذاب بھیج۔ ﴿۳۲﴾ اور اللہ ایسے نہ تھے کہ جب آپ ان میں تھے ان کو عذاب کرتے اور نہ اللہ ایسے تھے کہ وہ بخشش مانگیں (اور) ان کو عذاب کریں۔ ﴿۳۳﴾ نیز ان کا کیا حق ہے کہ اللہ ان کو سزا نہ دیں اور وہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس کے متولی (بننے کے لائق) بھی نہیں اس کے متولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں ولیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۳۴﴾ اور ان لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی۔ سو تم جو کفر کرتے تھے اس کے بدلے (اب) عذاب چکھو۔ ﴿۳۵﴾ بے شک کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ اپنے مال خرچ کرتے ہی رہیں گے پھر وہ ان کے لئے باعث حسرت ہو جائیں گے پھر یہ مغلوب ہو جائیں گے اور جو لوگ کافر ہیں وہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے۔ ﴿۳۶﴾ تاکہ اللہ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے الگ کر دیں اور ناپاک کو ایک دوسرے سے ملا دیں (اپنے اپنے جرم کے مطابق) پس اس سب کا ایک ڈھیر بنا دیں پھر ان کو دوزخ میں ڈال دیں۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ﴿۳۷﴾

تفسیر و معارف

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا ایمان والوں کو بہت بڑی خوشخبری دی جا رہی ہے کہ دنیا میں تمہیں ایک حیثیت دی جائے گی تمہاری الگ شناخت ہوگی۔ کفار کے مقابلے میں تم اپنی الگ حیثیت پاؤ گے وَّیُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَیِّاٰتِكُمۡ دوسری خوشخبری یہ ہے کہ بتقاضائے بشریت جو خطائیں ہو جاتی ہیں، سستی ہو جاتی ہے، کوتاہیاں ہو جاتی ہیں اللہ کریم وہ سب معاف فرما دیں گے۔ وَیَغۡفِرۡ لَكُمۡ ؕ تیسری خوشخبری یہ ہے کہ تمہیں بخشش دیا جائے گا تمہاری مغفرت ہو جائے گی وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۲۹﴾ کتنی بخشش ہوگی نجات ہوگی یا اس پر انعامات ملیں گے یا بہت سے درجات ملیں گے فرمایا یہ بحث تمہارے سمجھنے کی نہیں ہے اس لئے کہ اللہ بہت بڑے کرم و فضل کا مالک ہے اور اس کی عطا اور اس کے انعامات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا دنیاوی حساب کتاب سے اسکا اندازہ نہیں ہوسکتا ان سارے انعامات سے پہلے ایک شرط بیان کی گئی ہے یعنی ایمان کی شرط جہاں تک مسلمان ہونے، مومن ہونے یا ایماندار ہونے کا تعلق ہے وہ بات تو قرآن نے پہلے فرما دی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا میں خطاب ہی ان لوگوں کو ہے جن میں نور ایمان ہے جنہیں ایمان نصیب ہے یا جو اپنے آپ کو مسلمان اور مومن کہتے ہیں۔ اللہ کی توحید پر یقین رکھتے ہیں، انبیاء کی رسالت پر یقین رکھتے ہیں حضور اکرم ﷺ کو امام الانبیاء اور خاتم الانبیاء مانتے ہیں، آخرت کو، فرشتوں کو، حساب کتاب کو ضروریات دین کو مانتے ہیں۔ انہی سے خطاب کیا جا رہا ہے کہ ماننا یا کسی بات پر یقین کر لینا ایک کام ہے لیکن زندگی میں اس پر عمل پیرا رہنا یہ دوسری بات ہے اور یہ سب سے بڑی بات ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کر لینا ایمان کا اقرار کر لینا اس سے بات بن جاتی ہے بندہ مومن ہو جاتا ہے۔ ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ لیکن اصل کام ایمان قبول کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے کہ جو دعوی کیا ہے جس بات کو قبول کیا ہے اس بات پر عمل پیرا بھی ہے؟ جس ہستی کو معبود برحق اور واحد و لاشریک مانا ہے اس کی اطاعت بھی کرتا ہے؟ جس نبی ﷺ کو پیغمبر آخر الزماں مانا ہے خاتم الانبیاء مانا ہے امام الانبیاء مانا ہے اس کے ارشادات پر عمل بھی کرتا ہے؟

اردو کا دامن عربی کے مقابلے میں بہت تنگ ہے۔ دنیا کی تمام زبانوں میں سب سے اعلیٰ ترین زبان عربی ہے کہ اللہ نے اسے اپنے کلام کے لئے پسند فرمایا ہے اللہ کے رسول ﷺ کی زبان ہے اور اہل جنت کی زبان ہے۔ اردو میں تقویٰ کا ترجمہ ڈر کیا جاتا ہے لیکن ڈر کی تو مختلف قسمیں ہوتی ہیں ہم دشمن سے

ڈرتے ہیں، موذی جانور سے ڈرتے ہیں۔ چور ڈاکو سے ڈرتے ہیں۔ دہشتگردوں سے ڈرتے ہیں۔ یہ ڈر اور ہیں۔ تقویٰ ایک اور طرح کا ڈر ہے۔

تقویٰ ایک ایسا ڈر ہے جس کا تعلق محبت سے ہے جیسے بھائی سے، والدین سے، اولاد سے ایک رشتہ ہوتا ہے تو کوئی بات منہ سے نکالتے وقت یا کوئی کام کرتے وقت یہ سوچا جاتا ہے کہ اس کام کے کرنے سے اس رشتے میں دراڑ تو نہیں آجائے گی، میرے والد ناراض تو نہیں ہو جائیں گے، میری اولاد خفا تو نہیں ہو جائے گی، میری بیوی تو نہیں روٹھ جائے گی؟ اگر یہ ڈر ہو تو پھر وہ کام نہیں کیا جاتا۔ ایسا کام نہیں کرتے جس سے اپنوں کی ناراضگی کا اندیشہ ہو یا دور چلے جانے کا ڈر ہو یہ جو رشتوں میں دراڑ آنے کا ڈر ہے یہ محبت کا مظہر ہے اور جب اس کی نسبت اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے ہو جائے۔ یعنی بات کرتے وقت بھی یہ سوچنا کہ اس جملے سے اللہ کریم خفا تو نہیں ہوں گے، حضور نبی کریم کی ناراضگی کا سبب تو نہیں بنے گا؟ اور کام کرتے وقت بھی یہ سوچنا کہ جو کام میں کرنے چلا ہوں میں یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی تو نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی تو نہیں ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں یہ کام نہیں کروں گا۔ میں وہ کروں گا جس کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اس طرح کروں گا جس طرح کرنے کا طریقہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سکھایا ہے تو اس ڈر کو تقویٰ کہتے ہیں۔ فرمایا اللہ نے تم پر انعام کیا تم ایمان تو لے آئے لیکن ایمان لانا تو ایک لمحے کی بات تھی وہ تو طے ہو گئی۔ اس کے بعد تمہاری زندگی پڑی ہے اس ساری زندگی میں آزمائش یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ زندگی کو اپنی مرضی سے جیتے ہو یا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی کے مطابق جیتے ہو۔ یہ ہے تقویٰ! تو فرمایا اے ایمان والو اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ زندگی کے کاموں میں اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو، نافرمانی نہ کرو۔ نبی کریم ﷺ کا اتباع اور غلامی کا حق ادا کرو۔ غلطی ہو جائے تو توبہ کرو معافی مانگو اس پر شرمندہ ہو جاؤ دل ہی دل میں احساس ندامت پیدا ہو جائے جو توبہ پر مجبور کر دے تو اللہ کریم تمہیں انعامات سے نوازیں گے۔ اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو پہلی بات تو یہ ہے یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا اللہ کریم دنیا میں تمہیں تمہارے لئے امتیاز پیدا فرما دیں گے۔ یعنی تمہاری ایک الگ حیثیت ایک پہچان بن جائے گی۔ اہل عالم کو خبر ہو گی یہ بھی کچھ لوگ ہیں یہ بھی کوئی قوم ہے۔ اور اس کا اظہار غزوۃ البدر میں ہو گیا۔ اور پوری دنیا نے دیکھا کہ مسلمان بھی ایک طاقت ہیں ایک قوت ہیں ایک قوم ہیں اقوام عالم میں ممتاز نامور اور ایک قابل قدر اور معزز قوم کی حیثیت سے مسلمانوں کی شناخت ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ متقی تھے۔ تقویٰ ان کا شعار تھا۔ دنیاوی انعام جو تھا وہ انہیں حضور ﷺ کی معیت میں عطا فرمایا گیا۔ پھر اگلے انعامات آخرت کے ہیں۔

فرمایا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ اس سب محنت کے باوجود آدمی سے کبھی سستی ہوجاتی ہے کبھی کوتاہی ہوجاتی ہے۔ کبھی غلطی سے ناسمجھی سے کوئی ایسا کام کربیٹھتا ہے جونہیں کرنا چاہیے تھا تو اگر تم سے کوئی خطائیں ہوئی ہوں گی اللہ تمہاری وہ خطائیں معاف فرمادیں گے۔ تم سے وہ تمہارے گناہ دور فرمادیں گے يُكَفِّرْ کا معنی ہے دور کر دینا، الگ کر دینا جیسے کپڑے سے میل دور کر دیا جاتا ہے۔ دھو کر نئے جیسا ہوجاتا ہے وَيَغْفِرْ لَكُمْ یہ ضمانت بھی دی کہ اللہ یوم حساب تمہاری بخشش فرمادیں گے۔ تینوں بہت بڑے انعامات ہیں کہ دنیاوی زندگی میں بھی تمہاری ایک حیثیت ایک پہچان ہوگی۔ امتیازی پہچان ہوگی اور اقوام عالم تمہاری طرف عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور تمہاری حیثیت کو تسلیم کریں گے۔ اگر تم خلوص سے اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت پر لگے رہے اور غلطی سے کوئی گناہ ہوگیا، نافرمانی ہوگئی، سستی ہوگئی یا کوتاہی ہوگئی تو اللہ کریم تمہاری اس نیت کی بنیاد پر جس میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ خلوص ہے وہ غلطی بھی معاف فرمادیں گے وَيَغْفِرْ لَكُمْ اور روز حشر تمہیں نجات عطا فرمائیں گے۔ بخش دیں گے یاد رہے اللہ کریم کی بخشش کا دنیا کے اعداد وشمار سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اس لئے کہ اللہ کی شان بہت بلند ہے اللہ کا کرم بہت بڑا ہے بندے کی استعداد کم ہے اور جب وہ عطا فرمائے گا تو وہ اپنی شان کے مطابق عطا فرمائے گا تمہارے اعمال کی حیثیت تمہاری حیثیت کے مطابق ہے اور اس کی عطا اس کی شان کے لائق ہے کہ وہ بڑے فضل کا، بہت بڑی عطا کا، بہت بڑے کرم کا مالک ہے۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فرمایا میرے حبیب ﷺ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ جب کفار آپؐ کے خلاف تدبیریں کررہے تھے۔ تیرہ برس مکی زندگی میں دنیا کی کون سی مصیبت ہے جو مسلمانوں پر نہیں ٹوٹی اور بڑی عجیب بات ہے جب بات ہوتی ہے اقوام عالم کی تو لوگ اپنی اپنی قوم کے نامور لوگوں کو پیش کرتے ہیں اور ہیروز کو پیش کرتے ہیں ہماری قوم میں فلاں شخص تھا اس نے دنیا ہلا کر رکھ دی چین والے بھی ماؤزے تنگ کی مثال دیتے ہیں۔ جرمن ہٹلر کی مثال دیتے ہیں۔ ہر قوم کے پاس ہیروز ہیں لیکن اگر تجزیہ کیا جائے تو بنیادی بات یہ ہے ہر قوم کے لیڈر نے انسانی جذبات کو ابھارا اور انہیں کچھ لوگوں کے خلاف کھڑا کر دیا آج تک یہی طریقہ چلا آرہا ہے۔ یہ طریقہ اسی طرح سے چلا آیا ہے لیکن یہ طریقہ دنیاداروں کا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جو قوم بنائی مسلمان بنائے تو مسلمانوں کو اللہ کریم کی اطاعت پر جمع فرمایا کسی کی مخالفت یا جذبات پر نہیں بلکہ پورے فہم وشعور کے ساتھ سوچ بچار کے ساتھ دل کے فیصلے کے ساتھ اللہ کی اطاعت پر جمع کیا اور فرمایا اگر اس معاملے میں کفار زیادتی بھی کریں، تمہیں دکھ بھی دیں، تکلیف بھی دیں تو تمہیں اللہ کے لئے اسے سہنا ہے اس کا جواب نہیں دینا۔ لوگوں کو بھڑکا کر ایک جگہ کسی کے مخالف کھڑا کر دینا یہ اور بات ہے

اور یہ غیر مسلم لیڈروں نے بھی کیا اور یہ آج کے سیاستدان بھی کر رہے ہیں۔ لیکن لوگوں کو حقائق بتا کر حقیقت تسلیم کرا کر بغیر کسی کا مقابلہ کئے دکھ برداشت کرنا لیکن سچ کا دامن نہ چھوڑنا یہ طریقہ انبیاءؑ کا ہے۔ اب نبی کریم ﷺ نے جو قوم پیدا فرمائی مکی زندگی میں تیرہ برس دنیا کا ہر دکھ انہوں نے سہا لیکن دامن توحید اور دامانِ رسالت کو نہیں چھوڑا بالاخر ایک وقت آیا اللہ کریم نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دی مقابلے کی نہیں فرمایا اگر بہت زیادہ تنگی آ گئی ہے ناقابل برداشت ہو گئی ہے تو کچھ لوگ ہجرت کر جاؤ۔ شہر چھوڑ دو۔ چنانچہ پہلی ہجرت حبشہ کو کی گئی۔ پھر مدینہ منورہ کے لوگ حاضر ہوئے اسلام لائے حضور کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت دی لیکن اللہ کریم کی طرف سے آپ ﷺ کو ہجرت کی اجازت نہیں تھی حالانکہ مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ کی ذات والا صفات کو سخت خطرہ تھا سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی کئی دفعہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہجرت کی اجازت چاہی آپؐ نے فرمایا ابھی آپ کے لئے اجازت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت آ گیا جب اہل مکہ نے کہا کہ ہم ان پر مظالم توڑ رہے تھے کہ یہ بات ختم ہو جائے گی اس بات نے تو ایک انقلاب کی صورت اختیار کر لی ہے اگر اب ان کا سد باب نہیں کریں گے تو یہ ہمارے بس سے باہر ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اجلاس بلایا جس میں تمام مشرک قبائل کے سردار، شہر کے چنے ہوئے لوگ شریک ہوئے وہ اتنا اہم اجلاس تھا کہ شیطان بھی ایک بوڑھے کی صورت میں اس اجلاس میں آیا اور اس میں شامل رہا۔ پوچھا گیا کہ یہ کون ہے تو شیخ نجدی کے طور پر اس کی شناخت کرائی گئی۔ مشورہ یہ کیا گیا کہ اس تحریک کو کس طرح سے روکا جائے؟ اس واقعہ کا ذکر ہو رہا ہے فرمایا وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا آپؐ وہ وقت یاد فرمائیں جب کفار آپؐ کے خلاف تدبیریں کر رہے تھے جب وہ دارلندوہ میں اجلاس کے لئے جمع ہوئے تو انہوں نے مختلف تجویزیں دیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے ان کی تین تجویزیں یہ تھیں لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ؕ کسی نے تجویز دی کہ حضور اکرم ﷺ کو گرفتار کر کے ایک مکان میں بند کر دیا جائے کہ وہ اپنی زندگی وہیں ختم کر کے دنیا سے چلے جائیں۔ کسی کو ان سے ملنے نہ دیا جائے نہ ان کو باہر آنے دیا جائے۔ نہ ان کی کوئی بات سنے نہ ان کو کوئی دیکھ سکے۔ جب یہ بات مجلس میں پیش کی گئی تو مختلف لوگوں نے رائے دی شیخ نجدی نے جو اصل میں ابلیس تھا اس نے کہا یہ تجویز اس لئے درست نہیں کہ اس کے جانثار برسوں سے تکلیفیں اور دکھ سہہ رہے ہیں۔ اگر تم انہیں کسی جگہ قید کر دو گے تو ان کے جانثار ٹوٹ پڑیں گے تم کتنوں کو قتل کرو گے؟ وہ چھڑا لے جائیں گے۔ تو یہ تجویز درست نہیں۔ دوسری تجویز یہ دی گئی اَوْ یُخْرِجُوْکَ کہ انہیں شہر سے نکال دیا جائے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بے سروسامان کر کے شہر سے باہر کر دیا جائے اس طرح یہ صحرائی وسعتوں میں اور پردیس میں گم ہو

جائیں گے کھو جائیں گے۔ بات ختم ہو جائے گی۔ جب اس پر رائے لی گئی تو وہی شیخ نجدی جو ابلیس تھا کہنے لگا تم انہیں شہر سے تو نکال دو گے باہر کے لوگوں نے ان کی بات سننا اور قبول کرنا شروع کر دی تو پھر ان کے ساتھ ایک جمعیت بن جائے گی۔ وہ کل تم سے شہر بھی چھین لیں گے۔ یہ درست نہیں، ہے سب نے کہا پھر کیا کیا جائے؟ کوئی تو علاج ہونا چاہئے۔ ابو جہل نے تجویز دی اَوْ یَقْتُلُوْكَ کہ یہاں اس اجلاس میں مکہ مکرمہ کے تقریباً سارے قبائل کے وہ لوگ جمع ہیں جو ان کے مخالف ہیں تو میری تجویز یہ ہے کہ ہر قبیلہ کا ایک اچھا جنگجو لڑاکا اور زور آور جوان چنا جائے ہر قبیلہ اپنا ایک جوان مسلح دے اور سب مل کر رات کو انہیں شہید کر دیں۔ جب وہ قتل ہو جائیں گے تو ان کا قبیلہ قصاص۔ نہیں لے سکے گا کہ وہاں تو ہر قبیلے کا ایک ایک فرد ہو گا۔ ایک کے بدلے میں کتنوں کو قتل کر سکیں گے؟ لا محالہ دیت کی بات آئے گی تو جتنی بھی وہ دیت مانگیں گے ہم سب قبائل جمع ہو کر دیت کی رقم ادا کر دیں گے۔ اس پر شیخ نجدی نے بھی کہا کہ یہ تجویز درست ہے۔ اس کا فائدہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ طے کر لیا گیا کہ ہر قبیلے کا ایک بہادر جوان جو فنون حرب میں ماہر ہو مسلح ہو کر آئے گا۔ اب یہ بات دن کو تو ہو نہیں سکتی تھی ظاہر ہے رات کو چھپ کر آئیں گے حضور ﷺ کے مکان کو گھیر لیں گے اور عربوں میں رواج تھا کہ سوئے بندے کو قتل کرنا بزدلی سمجھتے تھے صبح جب وہ اٹھیں گے تو ہم باہر کھڑے ہوں گے۔ وہ تو سحری اٹھ جاتے ہیں منہ اندھیرے تہجد کے لئے اور نماز کے لئے۔ تو جب وہ اٹھیں گے ہم شہید کر دیں گے۔ اور اندھیرا ہو گا کسی کو سمجھ نہیں آئے گی۔

اللہ بڑا بے نیاز ہے اور اس کے اپنے کام ہیں فرمایا وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وہ اپنی تجویزیں لڑا رہے تھے تدبیریں کر رہے تھے۔ اللہ کریم اپنی تدبیر فرما رہا تھا وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۳۰﴾ اللہ سب سے اعلیٰ تدبیریں فرمانے والا ہے۔ اللہ کریم نے کیا تدبیر فرمائی؟ اللہ کریم نے فرمایا جب وہ آ گئے انہوں نے مکان مبارک کو گھیرے میں لے لیا۔ مسلح جوان ننگی تلواریں سونت کر کھڑے ہو گئے تو حضور ﷺ کو ارشاد ہوا کہ اب آپؐ ہجرت کر جائیں۔ حضرت علیؓ آپ ﷺ کے ساتھ اسی مکان میں تھے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس سب کے باوجود اہل مکہ صادق و امین آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہی سمجھتے تھے اور اپنی امانتیں حضور ﷺ کے پاس رکھواتے تھے۔ حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ دیکھئے کہ باوجود اس کے کہ وہی قبائل آپؐ کے قتل پر آمادہ تھے۔ ایک ایک امانت گن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم کے سپرد فرمائی۔ اور حکم دیا آپؓ یہاں میرے بستر پر سو جائیں۔ انشاء اللہ آپ کے لئے کوئی خطرہ نہیں۔ یہ ضمانت بھی دی۔ اور یہ پیشگوئی بھی کی کہ بعد میں آپ ہجرت کر کے میرے پاس مدینہ منورہ چلے آنا۔ لیکن صبح اٹھ کر ان کی امانتیں انہیں سپرد کر دینا تا کہ یہ میرے

ذمے نہ رہیں۔ یہ ہے تقویٰ یہ تقویٰ کا بہترین نمونہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کا کردار ہے۔ ہم ذرا کسی سے خفا ہوتے ہیں تو اس کو اس کی اولاد کو، اس کے مال ومنال کو بددعائیں دیتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔ حق یہ ہے کہ جس کا جو حق ہے اسے دیا جائے خواہ وہ دوست ہے یا دشمن۔

چنانچہ کفار بڑی ہوشیاری سے کھڑے رہے۔ حضور ﷺ کو ارشاد ہوا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کریں۔ حضور ﷺ اٹھے اور سیدھے سیدنا ابوبکر صدیق کے دولت کدے، پر جلوہ افروز ہوئے۔ حضور ﷺ نے انہیں پہلے سے بتا رکھا تھا۔ انہوں نے سفر کی تیاری کر رکھی تھی۔ جتنا سرمایہ گھر میں تھا وہ بھی لے لیا۔ کچھ خوراک لے لی اور وہ تیار بیٹھے تھے۔ حضور ﷺ بیت اللہ تشریف لے گئے پھر وہاں سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے گھر گئے اور وہاں سے ہجرت فرما گئے۔ ادھر کفار تلواریں سونت کر کھڑے تھے کہ ابھی حضور ﷺ اٹھیں گے تو ہم شہید کر دیں گے۔ سحری کو جب حضرت علی کرم اللہ وجہ کریم اٹھے تو کفار نے دیکھا کہ بستر سے اٹھنے والے تو علیؓ تھے حیران ہوئے کہ کیا عجیب بات ہے؟ انہوں نے حضرت علی کریم اللہ وجہہ الکریم سے سوال کیا کہ محمد ﷺ کہاں ہیں؟ انہوں نے فرمایا تلواریں سونت کر پہرہ دینے پر تو تم کھڑے تھے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے میں تو اندر سو رہا تھا انہوں نے پوچھا کیا وہ اندر ہیں؟ آپؓ نے فرمایا اندر میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ دیکھ لو۔ اندر تو کوئی بھی نہیں ہے میں ہوں۔ نادم ہو گئے شرمندہ ہوئے۔ پھر بھاگ دوڑ شروع ہوئی۔

علامہ باذل اہل تشیع کے ایک عالم ہوئے ہیں ایران سے تعلق رکھتے تھے۔ شیعوں کے قدیم علماء میں سے تھے جس طرح حفیظ جالندھریؒ نے شاہنامہ اسلام منظوم کیا ہے۔ علامہ باذل نے اسی طرح تاریخ اسلام کو حملہ حیدری کے نام سے منظوم کیا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ جب سیدنا صدیق اکبرؓ اور حضور نبی کریم ﷺ شہر سے نکلے اور پہاڑ پر چلے اور حضور ﷺ نے پہاڑ پر سے راستہ اختیار فرمایا تو ابھی آپ ﷺ نے تھوڑا ہی سفر طے کیا تھا کہ قدوم مبارک زخمی ہو گئے، چھالے پڑ گئے۔

چوں رفتند چندیں بداماں دشت
قدوم فلک سایہ مجروح گشت
ابوبکرؓ آنگہ بہ دوشش گرفت
ولے ایں حدیث است جائے شگفت

اس وقت ابوبکر صدیقؓ نے حضور اکرم کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا لیکن یہ بات بڑی حیران کن ہے

کہ در کس چناں قوت آمد پدید
کہ بار نبوت تواند کشید

کسی ایک شخص کو اللہ نے اتنی طاقت سے نواز دیا کہ وہ نبوت کا بوجھ اٹھا کر لے جا رہا ہے۔ یہ دشمن کی گواہی ہے۔ اور اللہ ایسا قادر ہے کہ جس کو جو انعام دینا ہوتا ہے اسے اس کی قوت بھی عطا فرما دیتا ہے۔

ہم نے ثور کی زیارت کی ہے الحمد للہ اللہ کریم وہاں لے گئے۔ ثور پر کھڑے ہو کر نیچے پہاڑ پر نگاہ کریں تو بہت سخت چڑھائی ہے۔ بڑے پتھریلے پہاڑ اور بڑا لمبا سفر ہے یہ اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ثور پر کھڑے ہو کر نیچے نگاہ دوڑائی جائے اور سخت پتھریلے راستے کو دیکھا جائے کہ حضور ﷺ کو دوش مبارک پر اٹھا کر ابوبکر صدیق ؓ کس طرح اس ساری پہاڑی کو عبور کر کے غار تک پہنچ گئے۔ یہ فضیلت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی ہے کہ وہ وقت ایسا تھا کہ حضور ﷺ کے وجود عالی کا تعلق نہ زمین سے تھا نہ آسمان سے تھا بلکہ ابوبکر صدیق ؓ کے وجود سے تھا۔ اور ساری کائنات ابوبکر صدیق ؓ کے قدموں سے برکات نبوت لے رہی تھی!

جب ثور پر پہنچے تو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے اندر سے غار صاف کیا کیونکہ اس میں جگہ جگہ سوراخ تھے۔ انہوں نے اپنا کرتہ مبارک پھاڑ کر سوراخ بند کرنا شروع کر دیئے۔ ایک سوراخ رہ گیا اس پر انہوں نے اپنا پاؤں مبارک، ایڑھی مبارک رکھ دی۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائیے۔ حضور ﷺ اندر تشریف لے گئے آپ ﷺ نے آرام فرمایا لیٹ گئے اور سر مبارک ابوبکر صدیق کی گود میں رکھ دیا۔ جس سوراخ پر حضرت صدیق ؓ نے قدم مبارک رکھا تھا اس میں سانپ تھا۔ قدرت کے اپنے نظام ہیں۔ شاید اسے بھی شوق ہوا ہوگا کہ باہر کون جلوہ افروز ہیں میں بھی دیکھوں۔ میں بھی زیارت کروں۔ اس نے نکلنا چاہا آگے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی ایڑھی مبارک تھی۔ اس نے ایڑھی پر کاٹ لیا۔ سخت زہریلا سانپ تھا۔ جب اس نے کاٹا تو درد کی لہر اٹھی۔ بدن میں دوڑتی چلی گئی۔ اب حضرت صدیق ؓ پاؤں کو بھی حرکت نہ دے رہے تھے کہ حضور ﷺ آرام فرما رہے ہیں۔ درد بھی بے پناہ تھی تو آپ ؓ کے آنسو نکل آئے اور آنسو کا قطرہ رخسار انور پر ٹپکا۔ تو حضور ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کیا ہوا؟ عرض کی یا رسول اللہ پاؤں پر کسی سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک لے کر جہاں سانپ نے کاٹا تھا وہاں لگا دیا زخم درست ہو گیا۔ اہل مکہ نے صبح کھوجی پکڑے عرب میں بڑے پائے کے کھوجی ہوا کرتے تھے۔ ان کھوجیوں کے واقعات پڑھے جائیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ وہ تلاش کرتے کرتے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ڈھونڈتے پہاڑوں سے ہوتے ہوئے غار کے سامنے پہنچ گئے۔ اللہ مالک ہے وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ط انہوں نے اپنی تدبیریں کی

اللہ نے اپنی تدبیر کی۔ کائنات کے سردار امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے یار غار ابوبکر صدیقؓ جلوہ غار میں افروز ہیں دشمن غار کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق کو مشرکین کی ٹانگیں نظر آ رہی تھیں۔ بہرحال کھوجی انہیں غار تک لے آئے کہ یہاں تک نشان ملے ہیں۔ انہوں نے کہا اسی غار میں ہوں گے۔ اگرچہ غار زیادہ بڑی نہیں لیکن اللہ نے بڑا مضبوط قلعہ بنا دیا۔ مکڑی کو حکم دیا کہ دروازے پر جالا تن دو۔ ساری کفر وشرک کی فوجی طاقت باہر کھڑی ہے۔ ابوجہل خود ہمراہ ہے۔ کھوجی کہتا ہے نشان یہاں تک ہیں اب یہی غار دیکھنی چاہیے۔ غار دیکھتے ہیں تو اس پر جالا لگا ہوا ہے کسی نے کہا جالا کیسے لگ گیا؟ دوسرے دیکھنے والے نے بتایا کہ یہ جالا تو برسوں پرانا لگتا ہے یہ آج کا نہیں لگا ہوا جالے کی تو حالت بتا رہی ہے کہ یہ برسوں پرانا ہے۔ کچھ آگے بڑھے تو ایک کبوتری اڑ کر نکلی اس اس کا گھونسلہ تھا اس میں اس نے انڈے دے رکھے تھے سوچنے لگے کہ غار میں کوئی بندہ گھستا تو یہ کبوتری کب یہاں بیٹھی ہوتی یہ جالا کیسے ہوتا؟ یہاں کوئی نہیں حسرت و یاس کی تصویر بنے کوستے ہوئے واپس چلے گئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ ﷺ کے لئے سواری کا اہتمام پہلے سے کر رکھا تھا۔ آپؓ کا غلام سانڈنیاں لے آیا جو اسی مقصد کے لئے تیار کر رکھی تھیں اور ایک آدمی کو بھی رہنمائی کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ حضور ﷺ اس پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور کفار ناکام و نامراد دیکھتے رہ گئے۔ یہ تدبیر الٰہی ہے۔ فرمایا انہوں نے تدبیریں کیں۔ اللہ تو قادر تھے حکم دیتے حضور ﷺ اسی لمحے مکہ کی بجائے مدینہ میں جلوہ افروز ہو جاتے لیکن دنیا عالمِ اسباب ہے۔ اللہ کریم جو کرنا چاہتے ہیں اس کے سبب پیدا فرما دیتے ہیں اس کے نتیجے میں وہ کام ہو جاتا ہے۔ تو کافروں نے بڑی تجویزیں کیں شیطان نے بھی مشورہ دیا فرمایا اللہ نے اپنی تدبیر کی وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۝ اللہ کریم سب سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں۔

اللہ کریم نے یہ واقعہ یہاں اس لئے سنایا کہ اگر تم تقویٰ اختیار کرو اور اپنا رشتہ اللہ سے بنا لو اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کا دامن تھام لو تو سب کچھ مل جائے گا۔ کہیں سے کچھ نہیں ملے گا۔ باتیں ہوں گی تجویزیں ہوں گی تدبیریں ہوں گی لیکن ہوگا وہ جو اللہ کرنا چاہیں گے۔ لہٰذا اللہ کے حبیب ﷺ کا دامن تھام لو ورنہ ساری عمر ادھر ادھر بھٹکتے رہو گے اور کہیں سے کچھ نہیں ملے گا۔ بندے کے پیچھے بھاگنے کی بجائے ایک در کی غلامی کر لو۔ حبیب ﷺ کا دامن مضبوطی سے تھام لو سب کچھ مل جائے گا ورنہ اس طرح محروم رہ جاؤ گے کہ جس طرح مشرکین مکہ ساری تجویزیں کرنے کے بعد ایک مکڑی کے جالے سے مار کھا گئے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ جب اس نے چاہا تو وہ مکڑی کا ایک جالا بھی نہ توڑ سکے۔ دنیا میں کمزور ترین گھر مکڑی کا جالا ہے۔ اس قادر مطلق نے

اس کمزورترین چیز سے کائنات کی اعلیٰ ترین ہستی کی حفاظت کا کام لے لیا۔

یہی فرمایا جارہا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا دامانِ رحمت تھام لو۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتیں ہیں تو کہتے ہیں یقیناً ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو اسی طرح کا کلام ہم بھی کہہ دیں یہ کیا ہے صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

دین اللہ اور اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہنے کا نام ہے:

دور حاضر میں عقل وشعور کی بات کی جاتی ہے جسے انگریزی میں Logic کہتے ہیں کہ ہر چیز کا Logic ہونا چاہیے یعنی عقلی طور پر شعوری طور پر اس کی سمجھ آنی چاہیے لیکن حق یہ ہے کہ دین کے معاملے میں اگر عظمتِ نبوت نصیب نہ ہو تو سارے Logic ناکام ہو جاتے ہیں۔ اور انسان ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جن کی کوئی عقلی دلیل نہیں ہوتی۔ مثلاً اسی بات میں قرآن کریم کی آیات کے بارے کفار کا عقیدہ بیان ہو رہا ہے یاد رہے قرآن کریم میں انبیاء علیہ السلام کے یا گزشتہ اقوام کے جتنے واقعات آئے ہیں اگر ان کو دیکھیں تو سمجھ آجاتی ہے کہ قرآن کا مقصد تاریخ بیان کرنا نہیں۔ اگر مقصد تاریخ بیان کرنا ہوتا تو ہر واقعہ کی پوری تفصیل ایک جگہ ہوتی۔ لیکن واقعات کے مختلف حصوں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو سمجھایا جائے کہ تم سے پہلے لوگوں نے یہ کردار اپنایا تو یہ نتیجہ نکلا لہٰذا اگر تم بھی یہی کردار اپناؤ گے تو اس کا نتیجہ ایسا ہی ہوگا۔ یونس علیہ السلام کی قوم نے توبہ کی ان سے عذاب ٹل گیا تم بھی عذاب واقع ہونے سے پہلے توبہ کرلو تم سے بھی عذاب الٰہی ٹل جائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ متعدد جگہوں پر آیا لیکن ہر جگہ پر اس کا وہ حصہ آیا جس سے وہ نتیجہ اخذ کرنا مطلوب تھا۔ قرآن کا موضوع تاریخ نہیں ہے قرآن کا موضوع انسانیت کی اصلاح ہے۔ ایمان وعقائد اور کردار کی اصلاح ہے لیکن جب نبوت سے رشتہ کٹ جائے تو Logic بھی الٹ جاتا ہے۔ عقلی دلائل بھی الٹ جاتے ہیں۔ اب کفار کا اعتراض کیا تھا ﷺ فرمایا جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتیں تو کہتے یہ باتیں ہم نے پہلے سنی ہوئی ہیں اور آپ سے بھی سن رہے ہیں اس پہلے یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں بھی اس طرح کے قصے آئے ہیں اور یہ باتیں چلتی رہتی ہیں۔ ہمارے باپ دادا بھی سنتے رہے، اور ہم بھی سن رہے ہیں۔ ان کا کوئی عینی شاہد یا گواہ تو ہے نہیں۔ کتاب میں ایک واقعہ بیان کر دیا گیا ہے پہلی کتابوں میں بھی ہیں۔ قرآن میں بھی آگئے ان پر کوئی گواہ تو ہے نہیں۔ نہ وہ لوگ رہے، نہ وہ زمانہ رہا، نہ وہ قومیں رہیں، چلی

گئیں تو یہ قصے کیا ہیں؟ ہم بھی ایسا قصہ بنالیں کہانی جوڑ لیں اس میں کیا رکھا ہے؟ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۳۱﴾ و یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں دیکھئے بات کہاں سے کہاں پہنچی کہ ان واقعات سے مراد یہ تھا کہ پتہ چل جائے کہ عقیدے اور عمل پر کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ یعنی قرآن کا جو اصل مقصد تھا وہ یہ تھا کہ یہ واضح کر دیا جائے کہ کس قوم کا عقیدہ کیا تھا، کردار کیا تھا اور اس پر کیا نتیجہ مرتب ہوا؟ اگر تمہارا عقیدہ اور کردار ویسا ہوگا تو ویسا ہی نتیجہ تمہیں بھی بھگتنا پڑے گا۔ لیکن اس Logic کی طرف ان کی توجہ نہیں گئی۔ جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ رشتہ نہیں تو Logic بھی الٹ گئے، دماغ بھی الٹ گیا دلیلیں بھی الٹ گئیں۔ وہ کہنے لگے یہ پرانے قصے کہانیاں ہیں۔ ہم سنتے چلے آئے ہیں ہمارے باپ دادا نے بھی سنیں۔ پہلی کتابوں میں بھی تھیں۔ یہود و نصاریٰ کے علماء بھی سناتے رہے۔ اب آپ بھی سنا رہے ہیں۔ ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی کہانی جوڑ سکتے ہیں۔ حالانکہ قرآن نے دعوت دی کہ اگر چاہو تو قرآن جیسی عبارت کا ایک ٹکڑا بنا لاؤ لیکن یہ تو تمہارے لئے ممکن نہیں خواہ سارے جن اور انسان جمع ہو جاؤ۔ قرآن کی دعوت آج بھی موجود ہے۔ پندرہویں صدی ہجری جارہی ہے۔ آج تک کوئی اس دعویٰ کا جواب نہیں دے سکا۔

Logic کے الٹ جانے کی جو بات ہے اس کے بارے اللہ کریم فرماتے ہیں ان کا شعور دیکھو کہنے لگے وَاِذۡ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَـقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ اے اللہ جو دعوت محمد رسول اللہ ﷺ دے رہے ہیں اگر یہ آپ کے سچے نبی ہیں اور ان کی دعوت حق ہے اور اگر یہ تیری طرف سے ہے اور واقعی حق ہے تو فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۳۲﴾ تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا اور کوئی ہلاک کرنے والا عذاب بھیج دے۔ یہ دعائیں مشرکین مکہ نے بیت اللہ کے پردوں سے لپٹ لپٹ کر بیت اللہ کو تھام تھام کر کیں۔ بیت اللہ کے گرد کھڑے ہو کر کیں۔ اب عقل اور Logic کا تقاضہ یہ تھا کہ جب دعا کرنے لگے تھے تو یہ کہتے کہ اے اللہ اگر یہ حق ہے تو ہمیں اسے ماننے کی توفیق عطا فرما قبول کرنے کی توفیق عطا فرما۔ یہ بات Logical ہے۔ جب یہ شرط لگا رہے تھے کہ اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے ہے اور حق ہے اور یہ نبی بھی برحق ہے یہ کتاب بھی برحق ہے دین بھی برحق ہے تو ہم پر پتھر برسا۔ یہ کون سا Logic ہے کہ اگر یہ حق ہے تو بھی ہم نہیں مانیں گے خواہ ہم پر پتھر برسا یا کوئی عذاب نازل کر دے۔ یہ تو دانش مندی نہیں تھی کوئی بھی دانشمند آدمی اس سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ Logic کیوں الٹ گیا۔ عقل کیوں الٹ گئی؟ ان کا بھی عقیدہ تھا کہ بیت اللہ کو تھام کر دعا کی جائے تو دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ بیت اللہ کا طواف بھی کرتے تھے لیکن اپنی

رسومات کے مطابق بیت اللہ کی عظمت ان کے دل میں تھی لیکن بت بھی رکھے ہوئے تھے ۔اللہ کو بھی مانتے تھے لیکن اپنے انداز سے اور بیت اللہ کا طواف بھی کرتے تھے بیت اللہ کی حرمت کے بھی قائل بھی تھے پھر جب یہ شرط لگا رہے تھے کہ اے اللہ اگر یہ سچ ہے برحق ہے، نبوت سچ ہے کتاب سچی ہے، دین سچا ہے تو عقل کا تقاضہ تو یہ تھا کہ کہتے پھر ہمیں بھی قبول کرنے کی توفیق عطا فرما اور اگر حق نہیں ہے تو ہمیں اس سے بچالے۔لیکن انہوں نے کہا کیا؟ اے اللہ اگر یہ سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور عذاب نازل کر دے۔تو جب رشتہ نور نبوت سے قطع ہو جاتا ہے تو Logic وغیرہ اور عقل کی دلیلیں کام نہیں آتیں۔عقل بھی پھر جاتی ہے، دل پھر جاتے ہیں، آدمی کی شعوری کوششیں بھی احمقانہ ہو جاتی ہیں اور یہ کتنی احمقانہ بات ہے۔کتنی دیدہ دلیری ہے کس قدر گستاخی ہے اللہ کریم معاف فرمائے دراصل ایمان اور عقل کی سلامتی کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے رشتہ قائم ہونا ضروری ہے۔

اب انہوں نے تو دعا کرلی کہ یا اللہ اگر یہ سچ ہے، نبی بھی سچا ہے، دین بھی سچا ہے، تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ اور کوئی دردناک عذاب بھیج۔ارشاد باری ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ اللہ کریم نے دو باتیں ارشاد فرمائیں۔ان دو وجوہات کے سبب یہ عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ کریم یہ پسند نہیں فرماتے، اللہ ایسے نہیں ہیں کہ وہاں عذاب نازل کر دیں جہاں آپ ﷺ بھی جلوہ افروز ہوں۔ جہاں آپ ﷺ موجود ہیں وہاں اللہ عذاب نہیں فرمائیں گے۔اور حضور اکرم ﷺ نے جب اللہ کے احسانات گنوائے اور اپنے فضائل ارشاد فرمائے تو فرمایا مجھ پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ میری بعثت کے بعد تمام انسانیت سے اجتماعی عذاب اٹھ گیا۔ پہلے اجتماعی عذاب آئے تھے اور قوموں کی قومیں صورتیں مسخ ہو کر بندر اور خنزیر بن گئے تھے۔قوموں کی قوموں پر آگ کی بارش ہوتی تھی۔ پتھروں کی بارش ہوتی تھی۔ زمین میں دھنسا دیئے جاتے تھے۔ پانی میں غرق ہو جاتے تھے۔طوفانوں سے ہلاک کر دیئے جاتے تھے۔ فرمایا وہ اجتماعی عذاب میرے وجود مبارک ﷺ کے ہونے کی وجہ سے ہٹ گیا۔

برکات نبوت جاری وساری ہیں:

علماء مفسرین نے فرمایا کہ بعثت عالی سے لیکر آج تک اور قیامت تک آپ ﷺ کی نبوت ہے۔ آپ ﷺ کا نور نبوت موجود ہے اور برکات کا وہی عالم ہے کہ گویا آپ ﷺ جلوہ افروز ہیں۔لہٰذا پوری

انسانیت سے اجتماعی عذاب ہٹا لئے گئے۔ یہ برکات ہیں حضور اکرم ﷺ کی کہ جو نہیں مانتے جو دشمنی کرتے ہیں ان میں سے کچھ لوگوں پر عذاب کا آنا اور بات ہے۔ لیکن قوموں کی قومیں ہلاک ہونے سے بچ گئیں۔ تو اگر حضور ﷺ کے وجود باجود کی برکت سے منکرین کو بھی اتنا فائدہ ہے کہ دنیاوی اجتماعی عذاب سے بچ گئے تو ایمان لانے والے کے لئے برکات کا اندازہ کیا ہوگا۔

محمد رسول ﷺ کو دل کا مکین بنالو اور عذاب الٰہی سے بچ جاؤ:

ایمان ایک تعلق کا نام ہے، ایک رشتے کا نام ہے۔ وہ رشتہ جو امتی کا نبیؑ کے ساتھ ہوتا ہے، وہ رشتہ یقین کے ساتھ اطاعت کا ہوتا ہے۔ فرمانبرداری کا ہوتا ہے، اتباع کا ہوتا ہے۔ اگر اتباع چھوٹ جائے اللہ نہ کرے تو پھر رشتہ ایمان میں کمزوری واقع ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ نافرمانی اس تعلق کو کمزور کرتی ہے اور علماء فرماتے ہیں گناہ اور نافرمانی مفضی الی الکفر ہوتا ہے یعنی کفر کی طرف کھینچ رہا ہوتا ہے۔ بعض اوقات گناہ کرتے کرتے بندہ اس حد پر پہنچ جاتا ہے کہ رشتہ ایمان ٹوٹ جاتا ہے اور وہ غیر اسلامی عقائد و نظریات اختیار کر لیتا ہے۔ ہم روز دیکھتے ہیں ہمارے سامنے کی باتیں ہیں۔ والدین اچھے تھے نیک تھے کھرے مسلمان تھے۔ اولاد نے عقیدہ اسلامی چھوڑ دیا اور بدعقیدہ ہو گئے۔ مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ اس کی وجہ کیا ہے کوئی بندہ نیکی کر کے اور اطاعت کر کے گمراہ نہیں ہوتا۔ جتنے لوگ گمراہ ہوتے ہیں آپ ان کی زندگی پر نظر ڈالیں تو ان کی زندگی نافرمانیوں سے عبارت ہوتی ہے جس کے نتیجے میں گمراہ ہو جاتے ہیں تو فرمایا اللہ کریم ایسے نہیں ہیں کہ جہاں آپ ﷺ جلوہ افروز ہوں وہاں عذاب بھی بھیج دیں۔

آپ ﷺ کے جلوہ افروز ہونے کے معنی:

آپ ﷺ کے جلوہ افروز ہونے سے مراد آپ ﷺ کے ساتھ رشتہ ایمان، آپ ﷺ کے نور نبوت کا دل میں مکین ہونا ہے آپ ﷺ کے نور نبوت سے سینے کا منور ہونا اور آپ ﷺ کی اطاعت کرنا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی ایمان لاتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اقرار کرتا ہے تو ایک نور کی تار قلب اطہر علیہ اسلام سے اس کے قلب سے جڑ جاتی ہے۔ ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ اب جوں جوں وہ اطاعت کرتا ہے وہ رشتہ مضبوط ہوتا جاتا ہے طاقتور ہوتا جاتا ہے۔ اگر اطاعت میں کمی آتی ہے تو اس رشتے میں کمی آنی شروع ہو جاتی ہے اور اگر اتنی کمی آئے کہ خدانخواستہ وہ ٹوٹ جائے تو پھر بندہ

مسلمان نہیں رہتا۔ بدعقیدہ ہوجاتا ہے کسی کافرانہ عقیدہ کا شکار ہوجاتا ہے۔

حیات النبی ﷺ:

حضور اکرم ﷺ کی نبوت قیامت تک ہے۔ روضیہ اطہر کا وہی احترام و ادب واجب ہے جو حضور ﷺ اکرم کی دنیاوی حیات میں حضور اکرم ﷺ کا احترام وادب واجب تھا۔اس پر بھی کوئی اختلاف کی بات نہیں ہے کہ روضیہ اطہر میں حضور اکرم ﷺ زندہ اور حیات ہیں علماء حق حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں۔

علماء کی بحث یہ ہے کہ حیات دنیاوی ہے یا برزخی ہے۔تو میری ذاتی رائے میں اس پر بھی بحث نہیں ہونی چاہیے چونکہ حضور ﷺ برزخ میں جلوہ افروز ہیں تو ظاہر ہے حیات برزخ کی ہوگی۔ موسم وہاں کے، کھانا پینا، سونا جاگنا برزخ کے ہوں گے کہ حضور ﷺ برزخ میں جلوہ افروز ہیں۔لیکن حیات برزخی جو ہے جب وہ نصیب ہوتی ہے تو دنیاوی حیات سے قوی تر ہوتی ہے مضبوط تر ہوتی ہے اور انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام پر عام آدمی کی طرح موت نہیں آتی بلکہ نبی علیہ الصلوہ وسلام کی روح مبارک کا رشتہ جو دنیاوی امور سے ہوتا ہے وہ رشتہ بند کر دیا جاتا ہے اور بھوک پیاس، صحت، بیماری، گرمی، سردی جن کا تعلق دنیا سے ہوتا ہے اس دنیا سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جیسے آپ کسی روشنی پر فانوس رکھ دیں تو روشنی مزید بڑھتی ہے ورنہ حیات جسمانی ہوتی ہے۔روح اطہر جسم اطہر میں موجود ہے۔

اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ روضہ اطہر پر جا کر کوئی صلوۃ وسلام پڑھتا ہے تو حضور اکرم ﷺ خود سماعت فرماتے ہیں اور روضہ اطہر پر کھڑے ہونے کے وہی آداب ہیں جو حیات مبارکہ میں تھے۔ پھر جہاں جہاں آپ ﷺ کا نور نبوت موجود ہے۔ جہاں جہاں اذان ہو رہی ہے جہاں تکبیر ہو رہی ہے جہاں رکوع و سجود ہو رہا ہے۔ جہاں ذکر الٰہی ہو رہا ہے جہاں قلوب میں نور نبوت کی روشنی ہے تو گویا وہاں وہاں آپ کی موجودگی ثابت ہے۔ آپ ﷺ کی برکات کے حوالے سے آپ ﷺ کی برکات تو موجود ہیں۔ تو جہاں حضور ﷺ کی برکات ہوں گی وہاں اللہ عذاب نازل نہیں فرمائیں گے۔ اللہ ان کو عذاب سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری بات کہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو غریب ہیں مجبور ہیں ہجرت بھی نہیں کر سکتے لیکن اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔استغفار کرتے ہیں، اللہ سے معافی چاہتے ہیں۔

اب ان لوگوں کی بھی اتنی اہمیت ہے کہ وہ بھی عذاب الٰہی کو روکنے کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کو اتنی اہمیت کیوں مل گئی، وہ کیوں استغفار کرتے ہیں، یہ استغفار انہیں کس نے سکھایا، ان کے دل میں

یہ کیفیت کس نے پیدا کی، انہیں اللہ سے مخاطب کس نے کر دیا؟ یہ برکات نبوت علی صاحبھا الصلوۃ والسلام ہیں۔آپ ﷺ وہیں جلوہ افروز ہیں جہاں آپ ﷺ کے پیروکار، آپ ﷺ کے ماننے والے، آپ ﷺ کے غلام، آپ ﷺ کا اتباع کرنے والے موجود ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں، اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ بھی ان میں موجود ہیں تو مشرک جتنی گستاخیاں کرتے رہیں اللہ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا۔لیکن جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمالی۔ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور عمومی طور پر اکثریت مسلمانوں کی بھی چلی گئی تو پھر بھی اُن پر وہ عذاب نہیں آیا جو قوموں کی قوموں کو ہلاک کر دیتا تھا۔لیکن پھر ہر میدان میں انہیں شکست ہونا اور تباہی ہونا شروع ہوگئی۔ جو بدر سے شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ ان کا سارا اقتدار وختیار مٹ گیا اور مکہ مکرمہ مسلمانوں کے پاس چلا گیا اور بیت اللہ شریف کو بتوں سے پاک کر دیا گیا اور کفر وشرک کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔تو انہوں نے مسلمانوں کو اور نبی کریم ﷺ کو ہجرت پر مجبور کر کے اپنی تباہی کو دعوت دی۔ اپنی شان وشوکت کو تباہ کرنے کی دعوت دی اور اپنی دنیا بھی بگاڑ لی آخرت بھی بگاڑلی۔ تو اس آیہ مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی سلامتی بھی اتباع رسالت میں ہے۔

ہمارے یہاں یہ بڑا اعتراض کیا جاتا ہے کہ جہاں دیکھیں مسلمانوں کا حال خراب ہے اور کافروں کو دیکھیں اہل مغرب کو دیکھیں تو وہ بڑے موج کر رہے ہیں۔ دیکھئے دنیائے کفر نے اسلامی نظام سے خوشہ چینی کی ہے۔زندگی گزارنے کے قرینے، طریقے اور سلیقے جو حضور ﷺ نے سکھائے ہیں وہ لے لئے ہیں اگر نبوت پر بھی ایمان ہو اور بندہ وہ قرینے اپنا لے تو اس کو دو عالم کی فلاح نصیب ہوتی ہے۔ دونوں عالم کا بھلا نصیب ہوتا ہے۔ دونوں زندگیوں کی کامیابی نصیب ہوتی ہے لیکن اگر حضور ﷺ کی نبوت پر ایمان نہ لائے مگر عملی زندگی میں وہ طریقے اپنا لے جو حضور اکرم ﷺ نے سکھائے ہیں تو دنیاوی فائدہ کافر کو بھی ہوتا ہے۔ دنیا کا نظام ایسا ہے کہ اگر کافر کو پیاس ہے اسے ٹھنڈا پانی پلائیں تو کیا اسے فرحت نہیں ملے گی؟ اسکی پیاس نہیں بجھے گی؟ کافر بھوکا ہے اسے اچھا کھانا کھلائیں اسے پسند نہیں آئے گا؟ اسکی بھوک نہیں مٹے گی؟ یہی حال اعمال اور ان کی جزا کا ہے۔ اب اس حوالے سے اہل مغرب کا تجزیہ کر لیں کہ انہوں نے کاروبار میں دیانت کو اپنایا انہیں یہ کس نے سکھایا؟

جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے اس وقت مغرب تاریک دنیا تھی۔ یورپ والوں کو مورخ The Caveman لکھتا ہے۔ان میں مکان بنانے کا جھونپڑی بنانے کا شعور نہیں تھا یہ غاروں میں رہتے تھے اور تاریخ انہیں The Caveman لکھتی ہے، غاروں کے رہنے والے لوگ امریکہ اور Far west کے

بارے تاریخ انہیں The wild wild کہتی ہے ان کے ہاں تہذیب نہیں تھی ان لوگوں میں کوئی قرینہ سلیقہ نہیں تھا۔ یہ سب کچھ انہوں نے کہاں سے لیا؟ جب اسلام پھیلا اور ربع صدی میں معلوم دنیا کے بہت بڑے حصے پر چین سے لے کر ہسپانیہ تک اور سائبریا سے لے کر افریقہ تک پھیل گیا تو ان لوگوں نے سوچا کہ ان کے طریقہ کار کیا ہیں۔ ان کا کاروبار کا طریقہ کیا ہے، ان کی سیاست کا انداز کیسا ہے، ان کا عدالتی نظام کیسا ہے، تو وہ نظام انہوں نے اپنائے جو ان کی دنیاوی بہتری کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ جو ان کے پاس اسلام سے پہلے نہیں تھے۔ اور جہاں جہاں انہوں نے اسلامی نظام نہیں اپنایا وہ بدترین حالات سے دوچار ہیں انہوں نے سودی معیشت کو جاری رکھا۔ اسلام نے سود سے روکا تھا انہوں نے سودی نظام نہیں چھوڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان ملکوں کے بڑے بڑے شہروں میں بھی آج آدھی سے زیادہ آبادی فٹ پاتھوں پر سوتی ہے اور آدھی آبادی امیر تر ہوگئی۔ غریب غریب تر ہوتا چلا گیا اور امیر امیر تر۔ میں نے اپنی آنکھوں سے نیویارک جیسے شہروں اور برطانیہ کے لندن جیسے شہروں میں لوگوں کو پلوں کے نیچے سردیاں گزارتے اور سڑک پر، فٹ پاتھ پر اور کوڑے دانوں سے خوراک اُٹھا کر کھاتے دیکھا ہے۔ دوسرا معاملہ تھا مرد اور عورت کے تعلقات کا۔ اس میں انہوں نے اسلام کا طریقہ نہیں اپنایا۔ آج خود مغرب اس بات سے اتنا پریشان ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم چاہیں بھی تو اپنی اصلاح نہیں کر سکتے بلکہ آخر تھک کر ایک مغرب کے مفکر نے کہا تھا کہ عورت اگر گھر سے باہر نکل جائے تو وہ ہر وہ کام کر سکتی ہے جو مرد کرتا ہے لیکن پھر وہ عورت نہیں رہتی۔ جو نسائیت اور جو فرائض خاتون کے ہیں پھر وہ ان سے بےگانہ ہو جائے گی وہ اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں لیکن اب اسے روک نہیں سکتے۔ اسی طرح شراب اور نشہ آور چیزوں کے استعمال میں انہوں نے اسلام کو نہیں اپنایا آج خود اس کے ہاتھوں تنگ ہیں۔ جہاں جہاں انہوں نے اسلامی اقدار کو چھوڑا ہے وہاں ان کی بھی بربادی ہو رہی ہے۔ اور جہاں جہاں ان کے طریقہ کار میں وہ باتیں ہیں جو نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھیں وہ انہوں نے اپنا لیں اس کے نتیجے میں انہوں نے Welfere state بنائی ہوئی ہے آج بھی برطانیہ میں Welfear state کے کاموں کو The umer's law کہتے ہیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نسبت سے انہوں نے پہلی Welfare state بنائی تھی۔ تو اپنی Welfare state کے جو ضابطے ہیں ان کو وہ لکھتے نہیں لیکن اپنی بول چال میں انہیں The umer's law کہتے ہیں۔ تو اگر کہیں کافروں کے پاس قوت ہے یا سکون ہے تو ان شعبوں میں ہے جن کا طریقہ کار انہوں نے اسلام سے لیا ہے۔ اب مغرب کے دانشور یہ سوچ رہے ہیں کہ انہیں یہ سودی نظام ختم کرنا ہوگا اور اسلام کا زکوٰۃ کا نظام رائج کرنا ہوگا۔ چونکہ سودی نظام نے ان کی سلطنتوں کو بھی تباہ کر دیا ہے۔ آپ کو

امریکہ بہت بڑا ملک لگتا ہے دوسرے ملکوں کو بہت امداد دیتا ہے لیکن آج دنیا میں سب سے زیادہ مقروض ملک امریکہ ہے اور سارے سودی ممالک کا یہی حال ہے حکومتیں مقروض ہو چکی ہیں۔ اب وہ تھک چکے ہیں اور اس پہ بھی وہ سوچ بچار کر رہے ہیں تو وہ انداز جو حضور اکرم ﷺ نے سکھائے اگر کافر اپنا لے تو اس کی دنیا بھی سنور جاتی ہے تو ہم دنیا و آخرت دونوں کیوں برباد کر رہے ہیں جبکہ اللہ نے ہمیں نور ایمان نصیب کیا ہے۔ تو نور ایمان کا تقاضہ اطاعت اور اتباع ہے۔ ہم نفاذ اسلام کی تحریکیں چلاتے رہے لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر ہم من حیث القوم اسلام کو اپنے ملک کا قانون نہیں بنانا چاہتے تو کم از کم وہ چیزیں تو اپنا لیں جو غیر مسلموں نے اپنا رکھی ہیں۔ عدالتیں اس طرح انصاف کریں کہ سفارشیں، رشوت نہ ہو، کاروبار، تجارت، لین دین میں دیانت اور امانت آ جائے۔ اور وہ اسلامی ضابطے جو غیر مسلموں نے اپنا رکھے ہیں کیا مسلمان ہونے کے باوجود ہم نہیں اپنا سکتے؟ اللہ ہمیں معاف فرمائے تو فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ یہ سب اللہ سے لپٹ لپٹ کر دعائیں کر رہے ہیں لیکن اللہ کریم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ جہاں آپ ﷺ جلوہ افروز ہوں وہاں اللہ عذاب بھی بھیج دے۔

سبحان اللہ! عذاب الٰہی سے بچنے کا کتنا سادہ سا قانون ہے سادہ سا طریقہ ہے، سادہ سا سلیقہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنے دل کا مکین بنا لو اور عذاب الٰہی سے نجات پا لو۔

ایک احساس ندامت ایک سجدہ چند اشک

اے خدا تجھ کو منانا کس قدر آسان ہے

کسی کو عظمت نبوت کا احساس ہو جائے اللہ کی یاد اور اللہ کے نبیؐ کی یاد اس کے دل میں مکین ہو جائے تو عذاب الٰہی سے بچ جاتا ہے اور عذاب الٰہی سے بچنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ اسے ایسے کاموں سے بچا لیتا ہے جو عذاب کا سبب بنتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے بدر میں شرکت کی ہے اب اس کے بعد وہ جو جی چاہے کریں جنت ان کے لئے واجب ہو گئی۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اگر وہ خدانخواستہ برائی کر بیٹھے۔ آپ نے کوئی شرط نہیں لگائی۔ آپ نے پھر یہی فرمایا جو جی چاہے کریں علماء حدیث جب اس حدیث کی شرح فرماتے ہیں تو کہتے ہیں حضور ﷺ نے کوئی شرط نہیں لگائی فرمایا جو چاہے کریں لیکن حق یہ ہے کہ اللہ ان کی چاہت کو اطاعت کی طرف موڑ دیتا ہے وہ چاہتے ہی وہ ہیں جو اللہ کو پسند ہوتا ہے۔ جن کے لئے اللہ نے جنت واجب کر دی ہے ان کو اللہ گناہوں سے بچا لیتا ہے۔ معصوم تو صرف نبیؐ ہوتا ہے۔ نبیؐ کے علاوہ انسانوں میں کوئی معصوم عن الخطا نہیں ہوتا لیکن نبیؐ کو دل میں بسانے والے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کبار،

اولیاء اللہ، اللہ کے نیک بندوں کو حفاظت الٰہیہ نصیب ہو جاتی ہے۔ نبیؑ معصوم و تا ہے اور صدق دل سے نبیؑ کا اتباع کرنے والے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اللہ ان کی گناہ سے حفاظت فرمالیتا ہے۔ جب اللہ اپنے غضب سے اپنے عذاب سے بچانا چاہتا ہے تو وہ ایسے کاموں سے بچنے کی توفیق دے دیتا ہے جو نزول عذاب کا سبب بنتے ہیں۔

برکات نبوت کا کمال:

شروع شروع میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گنتی کے ساتھی ہوتے تھے دو، تین، چار جو اللہ اللہ کرتے تھے۔ جب ہم شامل ہوئے الحمد اللہ، اللہ نے توفیق بخشی اس وقت بھی پانچ چھ سے زیادہ نہیں ہوتے تھے حضرتؒ ہر ایک کو حلقہ ذکر میں نہیں لیتے تھے۔ پھر بعد میں جب مشائخ حضرات کی طرف سے ارشاد ہوا کہ عمومی گمراہی کا دور ہے آپ عام لوگوں کو حلقہ ذکر میں لیں اور اللہ اللہ سکھائیں تو ہر ایک کے لئے دروازہ کھل گیا۔ ہر شعبہ زندگی، ہر مکتبہ فکر سے لوگ آئے دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور منکرین حدیث وغیرہ ہم چشم دید گواہ ہیں ہمارے سامنے بھی ہر مکتب فکر سے لوگ آئے حضرت نے حلقہ ذکر میں لیا اللہ اللہ کرانا شروع کر دی کسی کے ساتھ عقیدے پر بحث نہیں فرمائی کسی کو یہ تک نہیں کہا یہ نہ سوچو یہ چھوڑ دو یہ کرو۔ صرف یہی کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اللہ اللہ کرو نماز، فرائض پورے کرو اور ذکر کرو۔ اللہ کی شان ہے ذکر الٰہی کی یہ برکت ہے کہ جو بھی آیا از خود اس کے دل میں ایک احساس پیدا ہو گیا کہ یہ کرنا چاہیے یہ نہیں کرنا چاہیے اور کچھ ہی عرصہ بعد اس نے خود بخود اصلاح قبول کرنا شروع کر دی اور جو برائیاں عقیدے یا عمل کی تھیں انہیں چھوڑنا شروع کر دیا۔ اس کی وجہ برکات نبوت ہیں۔ ذکر الٰہی سے جو برکات نبوت دل میں آتی ہیں تو بندہ اصلاح پذیر ہو جاتا ہے فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ جہاں آپ ﷺ جلوہ افروز ہوں وہاں اللہ عذاب بھی بھیج دے یہ بات بنتی نہیں اللہ ایسا نہیں چاہتا تو جب عذاب سے بچانا مقصود ہوتا ہے تو ان کاموں سے بچا لیتا ہے جو عذاب کا سبب بن جاتے ہیں اور اگر کوئی ایسا بدنصیب ہو کہ اسے یہ احساس نہ ہو اور وہ عظمت نبوت کا ادراک نہ کرے تو پھر اپنے نبیؑ کو ہجرت کرا دیتا ہے اور ہجرت کے بعد وہی اہل مکہ تھے جو تباہ و برباد ہوئے۔ بدر کے دن کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں ماتم نہ ہوا ہو۔ سارا شہر۔ آہ و بکا سے اٹ گیا تھا۔ ستر نامور لوگ قتل ہو گئے تھے۔ ستر نامور لوگ قیدی بن گئے۔ ایک تباہی مچ گئی تھی ایک طوفان تھا جو مکہ مکرمہ میں برپا تھا۔ وہاں سے شروع ہوا اور آہستہ آہستہ مشرکین مکہ کا ذکر بھی مٹ گیا وجود ہی مٹ گیا بیت اللہ بھی ان کے قبضے سے گیا۔ حرم بھی ان کے قبضے سے گیا۔ بتوں سے بھی ان کو نجات ملی، بیت اللہ کو پاک کر دیا گیا۔ تو آدمی اگر

مسلسل گناہ اور نافرمانی کی طرف راغب رہے تو پھر وہ کیفیت جو نبی کریم ﷺ سے تعلق سے بنتی ہے وہ آہستہ آہستہ رخصت ہونے لگتی ہے اور اگر بالکل رخصت ہوجائے تو عذاب کی زد میں آجاتا ہے۔

دو چیزیں فرمائیں ایک حضور ﷺ کی برکات آپ ﷺ کا ہونا اور دوسرا جب بندہ اللہ سے بخشش مانگ رہا ہو تو اللہ اس پر عذاب کیوں کرے گا۔ لیکن یہ دوسری بات جو ہے یہ اسی پہلے کے سبب ہے یعنی حضور ﷺ سے تعلق ہے تو بخشش مانگے گا۔ حضور ﷺ سے تعلق ہے تو اللہ سے بات کرے گا۔ اللہ کی بارگاہ میں عرض پیش کرے گا۔ اللہ کے آگے سربسجود ہوگا۔ اللہ سے مغفرت چاہے گا یہ بھی تب ہی چاہے گا جب نور نبوت دل میں ہوگا۔ تو دراصل یہ دونوں باتیں ایک ہی بات ہے۔ فرمایا وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوٓا أَوْلِيَآءَهٗ ۚ إِنْ أَوْلِيَآؤُهٗٓ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾ اب جب انہوں نے آپ ﷺ کو ہجرت پر مجبور کردیا پھر آپ کو بیت اللہ میں داخل ہونے اور طواف سے روک دیا تو اب کونسی چیز ہے جو ان کو عذاب سے بچائے گی۔ جب وہ آپ ﷺ سے اس قدر الگ ہوگئے تو اب دیکھ لیجئے گا تباہ و برباد ہوجائیں گے۔

اہل مکہ جزیرہ نما عرب میں ایک بہت بڑی قوت تھی۔ جنگی اعتبار سے بھی سیاسی اعتبار سے بھی کاروباری اعتبار سے بھی اہل مکہ اور قبائل بڑی قوت تھے اور بے شمار قبائل عرب جو اردگرد تھے نواح میں تھے وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اگر حضور اکرم ﷺ نبی برحق ہیں تو اہل مکہ کی قوت پاش پاش ہوجائے گی اور اگر حضور اکرم ﷺ کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے تو پھر اہل مکہ کو مٹا نہیں سکیں گے بلکہ وہ ان کا نام ونشان مٹادیں گے۔ یہ معیار قبائل عرب نے بنا رکھا تھا کہ ہمیں کچھ دیر دیکھنا چاہیے جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا تو قرآن کریم بتاتا ہے إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴿۱﴾ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا ﴿۲﴾ سورہ النصر:2-1 جب فتح ہوئی اور اللہ کی نصرت آئی تو آپ نے دیکھا لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہورہے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو اس بات کے منتظر تھے کہ اگر نبوت سچی ہے تو پھر باطل کی قوت خواہ کتنی بڑی ہو اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گی اور چشم فلک نے یہ دیکھا کہ باطل کی اپنے زمانے کی بہت بڑی طاقت پاش پاش ہوئی۔

تو فرمایا اب جب انہوں نے یہ غلط فیصلہ کرلیا اور آپ سے الگ ہوگئے اور مسجد حرام کا بیت اللہ کا راستہ آپ ﷺ کے لئے روک دیا صحابہ کبارؓ کے لئے روک دیا وَمَا كَانُوٓا أَوْلِيَآءَهٗ ۚ یہ بت پرست اس

کے متولی نہیں ہو سکتے یہ تو بیت اللہ کے اور اللہ کے دوست نہیں ہیں۔ یہ تو مشرک ہیں بتوں کی پوجا کرنے والے ہیں۔غیر اللہ کو پوجنے والے ہیں۔ اللہ کے نافرمان ہیں اللہ کے نبی کے نافرمان ہیں۔ اللہ کے دوست یا کعبہ کے متولی اِنۡ اَوۡلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ وہ ہو سکتے ہیں جن میں تقویٰ ہو۔تقویٰ کہاں سے ملتا ہے اس کی دکان کہاں ہے؟ یہ کس بازار سے یہ جنس ملتی ہے؟ تقویٰ ایک کیفیت ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول سے جب ایک رشتہ ایمان قائم ہو جائے تو ایک کیفیت دل میں آجاتی ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کروں جس سے اس رشتے پر زد پڑے کوئی ایسا کام نہ کروں جس سے اللہ کریم خفا ہوں۔کوئی ایسا کام نہ کروں جس سے میرا محبوب ﷺ نبی خفا ہو جائے۔اس کیفیت کو تقویٰ کہتے ہیں تو فرمایا بیت اللہ کے متولی تو وہی ہو سکتے ہیں جن کا رشتہ الفت اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ ہے۔جنہیں تقویٰ نصیب ہے وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ۝ لیکن لوگوں کی اکثریت ان حقائق سے بے بہرہ ہے۔یہ باتیں سمجھتے نہیں ہیں۔

وہی بات ہے جو شروع میں کی تھی کہ ہر بندہ کہتا ہے کہ یہ Logic کا دور ہے یہ عقلی دلائل کا دور ہے لیکن اللہ اور اللہ کے نبیؐ سے دوری ایسی مصیبت ہے کہ Logic بھی الٹ جاتے ہیں اور عقلی دلائل بھی الٹ جاتے ہیں۔عقل بھی کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔آدمی سیدھے دلائل چھوڑ کر غلط راستے پر پڑ جاتا ہے۔اللہ کریم اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت نصیب فرمائے۔

پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا تھا وَمَا لَهُمۡ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمۡ يَصُدُّوۡنَ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ وَمَا كَانُوۡۤا اَوۡلِيَآءَهٗ ؕ اِنۡ اَوۡلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ۝ مشرکین مکہ اپنے آپ کو بیت اللہ کا متولی سمجھتے تھے اور ان کا اس حد تک تسلط اور اختیار تھا کہ انہوں نے اپنی طرف سے مختلف پابندیاں لگا دی تھیں۔مثلاً یہ کہ کوئی بھی جس لباس میں آتا ہے اس لباس میں طواف نہیں کر سکتا۔ بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے اسے ان سے لباس مستعار لینا پڑے گا اور طواف کرنے کے بعد وہ لباس انہیں واپس کرنا پڑے گا اور وہ اس کی فیس دے گا۔اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ وہ عذاب سے کیونکر بچ سکیں گے؟ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے بارے میں اس سے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ جب آپؐ وہاں موجود ہیں، تشریف رکھتے ہیں تو اللہ کو سزاوار نہیں کہ انہیں عذاب کرے۔یعنی نبی کریم ﷺ کا وہاں موجود ہونا، جلوہ افروز ہونا عذاب سے رکاوٹ کا سبب تھا۔اور قانون الٰہی یہ ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو اسے انبیاءؑ سے الگ کر دیا جاتا ہے یا جس شہر پر عذاب آتا ہے

انبیاءؑ کو وہاں سے نکال لیا جاتا ہے۔ تو جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تو اس کے بعد بھی مشرکین نے مسلمانوں کے لئے بیت اللہ کا داخلہ بند کر دیا حتیٰ کہ حضور ﷺ عمرے کے لئے تشریف لے گئے تو انہوں نے حدیبیہ کے مقام پر روک دیا تو ارشاد ہوا کہ اب یہ عذاب الہی سے نہیں بچ سکتے وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ اب ان کے پاس کوئی ایسا جواز نہیں کہ اللہ ان کو عذاب نہ کرے وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور یہ اللہ کے گھر سے مسجد حرام سے رکاوٹ کا سبب بن رہے ہیں۔ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ یہ اس کے متولی تو نہیں تھے اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ اس کے متولی تو وہ ہو سکتے ہیں جو متقی ہوں جن کا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے تعلق ہو وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں بیت اللہ شریف کے متولی ہونے کی شرط اللہ نے یہ کہ وہ متقی ہوں۔ تقویٰ ایک کیفیت ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ قلبی اور ایمانی اتباع کے تعلق سے پیدا ہوتی ہے۔

اہل اللہ کی جانشینی کی شرط:

اہل اللہ کے لئے بھی یہی شرط ہی کسی ولی اللہ کا جانشین کوئی بدکار نہیں ہوسکتا۔ جانشینی کے لئے استعداد شرط ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ولی اللہ کی اولاد ہی اس کی وارث ہو۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اولاد نہ ہو کوئی غیر ہی ہو۔ شرط استعداد ہے۔ اگر اولاد میں استعداد پائی جائے تو بے شمار اولیاء اللہ ہیں جن کے بعد ان کے بیٹے جانشین ہوئے۔ لیکن استعداد ہونے کی بنیاد پر محض بیٹا ہونے کی بنیاد پر نہیں اگر بیٹا دین دار نہیں ہے یا اس کا عقیدہ درست نہیں ہے یا عمل درست نہیں ہے یا عقیدہ بھی صحیح ہے نیک اور شریف بھی ہے لیکن صرف نیک اور شریف ہونا کافی نہیں ہے۔ اس فن میں بھی اس نے کوئی مقام حاصل کیا ہے؟ اتنی تربیت حاصل کی ہے کہ آگے لوگوں کی تربیت کرسکتا ہے۔ اگر یہ شرط پوری ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ یا ان کے متبعین میں ہے اس میں یہ شرط پائی جائے گی وہ جانشین ہوگا اور جانشینی کا مطلب یہ ہے کہ اس مشن کو جو احقاق حق کا، نیکی پھیلانے کا، لوگوں کی اصلاح، لوگوں کے قلوب منور کرنے، لوگوں کو ایک نسبت عطا کرنے کا شعبہ ہے اس کو جاری رکھ سکے۔ تو فرمایا انہوں نے تو دین بھی چھوڑ دیا اور اللہ کے نبی ﷺ سے مخالفت مول لے لی تو یہ کیسے کعبہ کے متولی بن گئے؟

فرمایا ان جاہلوں کا حال یہ ہے وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ کہ یہ بیت اللہ میں جو عبادت کرتے ہیں طواف کرتے ہیں تو

اس میں سیٹیاں بجاتے ہیں اور تالیاں بجانے کے علاوہ ان کے پاس کوئی عمل شرعی نہیں ہے۔ یعنی اپنی مرضی سے انہوں نے رسومات ایجاد کر لی ہیں۔ اور یہاں تک کہ ان کے پاس قریش سے کپڑے عاریتاً لینے کو پیسے نہ ہوتے انہیں کپڑے نہ ملتے تو وہ بے چارے برہنہ ہو کر ننگے جسموں سے طواف کرتے تھے۔ چونکہ ان کو اپنا لباس پہننے کی اجازت نہ تھی۔ پھر طواف میں سیٹیاں بجانا، تالیاں پیٹنا، شور وغوغا کرنا ہی ان کی عبادت تھی۔ یہی حال اہل اللہ کے جانشینوں کا بھی ہوتا ہے۔ اگر نا اہل جانشین ہو جائیں تو چونکہ انہیں وہ فن نہیں آتا کہ دوسروں کی اصلاح کریں یا ان کے قلوب روشن کریں یا ان کے سینے منور کریں تو وہ پھر مختلف رسومات رائج کر دیتے ہیں۔ جس طرح اہل مکہ نے طواف میں رسومات رائج کریں کہ سیٹیاں بجاؤ، تالیاں بجاؤ، اچھل کود کرو۔ تو اس طرح کی رسومات جاری ہو جاتی ہیں جو لوگوں کی گمراہی کا اور دین سے دوری کا سبب بنتی ہیں۔

تصوف دین سے الگ نہیں دین کی بنیاد ہے:

جن باتوں کو ہم سمجھ کر ذہناً عقلاً قبول کرتے ہیں یعنی توحید باری، رسالت پیغمبر ﷺ، قرآن، آخرت، جنت دوزخ، جن حقائق کو ہم نے مان لیا ہے ان کی حقیقت بھی دل میں اتر جائے اور دل انہیں اس طرح مانے کہ اعضاء و جوارح بھی شریعت کے تابع ہو جائیں۔ عمل کی اصلاح ہو جائے اور اگر کہیں کوئی کوتاہی ہو بتقاضائے بشریت غلطی ہو تو توبہ کرے۔ رجوع الی اللہ کرے۔ اور اپنی خامیاں دور کرنے کی کوشش کرے۔ اسی فن کا نام تصوف ہے یہ کسی الگ عقیدے، الگ فرقے یا کسی الگ شعبے کا نام نہیں ہے۔ دین ہی کو خلوص دل سے قبول کرنا اور دل کی صفائی پر محنت کرنا ذکر الٰہی سے دل کو روشن کرنا تصوف ہے تاکہ یہ حقائق دل میں اتریں دل مانے اور پھر اس کا اظہار ہمارے اعمال سے ہمارے اعضاء و جوارح سے ہمارے کردار سے ہمارے معاملات سے ہو۔

جب یہاں نا اہل آجاتے ہیں تو پھر کچھ تو انہیں کرنا ہوتا ہے۔ اصل کام تو انہیں خود نہیں آتا ان میں نہ استعداد ہے نہ انہوں نے کہیں سے حاصل کیا تو وہ پھر رسومات جاری ہو جاتی ہیں۔ جن بزرگوں کی عمریں اور زندگی کی راتیں ذکر الٰہی میں بسر ہوئیں ان کے مزارات پر ڈھول بجانا اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ قوالی کے نام سے گانا بجانا جاری کر دیا۔ مزارات پر بیٹھے ہیں شور بپا ہے۔ مردوں عورتوں کو دھکے لگ رہے ہیں اور اس پر انہیں نجات کی توقع بھی ہے۔ اس پر امید ہے کہ بخشے جائیں گے۔ بلکہ یہ امید بھی درمیان سے نکل جاتی ہے اور خواہشات دنیا اس کی جگہ لے لیتی ہیں۔ پھر لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی دنیاوی ضرورتیں یہاں سے پوری ہو

رہی ہیں۔ آخرت کا تو تصور ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں اس سے ہمارے دنیا کے کام ہو رہے ہیں اور دنیا کی مصیبتیں ٹل رہی ہیں، اس سے رزق مل جائے گا، اس سے فلاں کام ہو جائے گا یہ منصب نا اہلوں کے لئے نہیں ہے، اس کے لئے اہلیت شرط ہے۔ نوح علیہ السلام اللہ کے مقرب اور اولوالعزم رسولؑ تھے۔ نوح علیہ اسلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے دنیا میں جتنی انسانی آبادی ہے یہ ساری نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد سے آگے شروع ہوئی۔ اس سے پہلے جو لوگ تھے وہ تو طوفان نوح میں غرق ہو گئے۔ جو لوگ نوح علیہ السلام کے ساتھ تھے ان میں سے کسی کی نسل نہیں چلی سوائے نوح علیہ السلام کے بیٹوں کے تو ان کا وہ سگا بیٹا جو ایمان نہ لایا۔ جو کفار کے ساتھ تھا وہ کافروں کے ساتھ غرق ہو گیا اور عذاب سے نہ بچ سکا۔ بلکہ جب انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں استدعا کی کہ بار الٰہا تو نے فرمایا تھا کہ آپ کی اہل کو محفوظ رکھوں گا۔ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ ہود:45 یہ میرا بیٹا بھی تو میری اہل میں سے ہے۔ فرمایا اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ ہود:46 وہ آپ کے اہل میں سے نہیں ہے۔ وہ آپ کا کچھ نہیں لگتا۔ کیوں اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ ۖ ہود:46 نسبی اور خونی اعتبار سے آپ کا بیٹا ہے لیکن اس کا کردار غیر صالح ہے آپؑ جیسا نہیں ہے۔ وہ نعمت جو آپؑ کے پاس نور نبوت ہے وہ نور اس کے سینے میں نہیں ہے۔ تو محض نسبی اولاد ہونا اس بات کا حق نہیں دیتی کہ وہ اس کا خلیفہ بن جائے یا اس کی جگہ بیٹھ جائے۔ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہو یا غیر بیٹا ہو اس میں استعداد ہو اس کام کے کرنے کی جو اہل اللہ کیا کرتے ہیں یعنی لوگوں کی اصلاح کی۔ خود اصلاح یافتہ ہو، نیک ہو، دین سے واقف ہو، ضروریات دین کو جانتا ہو سمجھتا ہو۔ اس کا اپنا کردار صحیح ہو اور دوسروں کی اصلاح ہی نہ کر سکے بلکہ ان کے قلوب روشن کر سکے۔ ان کے سینے منور کر سکے ان کی تربیت کر سکے۔ تو اگر ایسا نہیں ہو گا تو فرمایا مشرکین مکہ کو دیکھ لیں انہوں نے حج کے نام پر رسومات جاری کر دیں برہنہ طواف کرتے ہیں۔ سیٹیاں بجاتے ہیں تالیاں پیٹتے ہیں یعنی جو کام خشوع و خضوع سے کرنے کا تھا اور جس میں برکات الٰہی اور انوارات الٰہی حاصل کرنے تھے وہاں رسومات جاری کر دیں اور باجے گاجے شروع کر دیئے اور تالیاں پیٹنا اور سیٹی بجانا شروع کر دیں۔ تو فرمایا اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ۝۳۵ فرمایا تم تو نبیؐ کی تعلیمات کا انکار کر کے رسومات جاری کر کے ایمان سے فارغ ہو چکے ہو کافر ہو چکے ہو اور کافر کو تو صرف ایک حکم ملے گا کہ جب کفر کرتے تھے تو اب اللہ کا عذاب چکھو۔ اب جاؤ دوزخ میں اور بھگتو۔ حالانکہ وہ اپنے خیال میں تو بڑے نیک بنے ہوئے تھے کعبہ کے متولی بنے ہوئے تھے۔

طبقات الکبری ابن سعد میں ہے کہ قریش کا وفد حضرت ابو طالب کے پاس گیا اور کہنے لگے کہ آپ کے بھتیجے نے یعنی حضور اکرم ﷺ نے ہمیں بہت تنگ کر دیا ہے ناک میں دم کر دیا ہے اور ہمارے بتوں کو جن کی ہم پوجا کرتے ہیں انہیں غلط اور جھوٹا کہتے ہیں اور ان کے خلاف بات کرتے ہیں۔ تو یہ بات نا قابل برداشت ہے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ پیدا کرتا ہے، اللہ موت دیتا ہے، اللہ رزق دیتا ہے یہ تو ہم بھی مانتے ہیں۔ ان کی اس بات سے تو ہمیں کوئی اختلاف نہیں ہم بھی جانتے ہیں کہ اللہ ہی کائنات کا مالک ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ ہی پیدا کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ ہی موت دیتا ہے۔ لیکن ہمارے یہ جو بت ہیں یہ ہم نے نیک لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں یہ اللہ کے مقرب بندے تھے اور جب ہم ان کی پوجا کرتے ہیں تو یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کرتے ہیں۔ اور یہ اللہ سے ہمیں، چیزیں لے کر دیتے ہیں۔ ہماری اتنی رسائی نہیں کہ ہم سیدھے اللہ سے مانگ لیں۔ یہ درمیان میں ہمارے سفارشی ہیں۔

میں حیران ہو رہا تھا کہ گمراہی کا ایسا عمومی دور آیا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت میں اب یہی عقیدہ پایا جاتا ہے کہ اہل اللہ کی قبروں کو سجدے کرو۔ قبروں پر غلاف چڑھاؤ، دیکھ بھال کرو تو وہ تمہاری سفارش کریں گے تب اللہ تمہیں کچھ دے گا۔ اہل اللہ دنیا کے سوداگر نہیں ہوتے کہ ان کے پاس جانے سے دنیا ملتی ہے۔ اسلام میں صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین قرآن کے مثالی مسلمان ہیں۔ یعنی قرآن کریم جو اسلام اور مسلمان کی منظر کشی کرتا ہے کہ مسلمان ایسا ہونا چاہیے اس کی کامل مثال صحابہ کرامؓ ہیں۔ پھر صحابہ کرام میں وہ ہستیاں بہت ہی قابل قدر ہیں جنہوں نے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں تکلیفیں برداشت کیں۔ کمال ہے کہ آقائے دو جہاں پر اللہ کے آخری اور تمام نبیوں کے امام نبی ﷺ پر تو جو لوگ ایمان لائے ان کے پاس جو کچھ تھا وہ بھی اللہ کی راہ میں ختم ہو گیا۔ ان کا آرام چھن گیا راتوں کا قرار چھن گیا۔ ان کی ملازمتیں چھن گئیں، ان کے کاروبار چھن گئے۔ ان کی زمینیں جائیدادیں چھن گئیں۔ الٹا انہیں لوگوں نے گلیوں میں گھسیٹا مارا پیٹا۔ دنیا کی تمام تکلیفیں ان پر وارد ہو گئیں۔ ان کے پاس جو دنیاوی چیزیں تھیں وہ بھی گئیں۔ جان بھی خطرے میں پڑ گئی۔ کتنوں کو شہید کر دیا گیا، کتنوں کو تکلیفیں اور ایذائیں دی گئیں اس لئے کہ ان کا مقصد حصول دنیا نہیں تھا حصول رضائے الٰہی تھا ہجرت کا حکم ہوا تو گھر جائیدادیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دامن جھاڑ کر نکل گئے۔ تہی دست ہجرت کی، مقصد قرب الٰہی تھا، مقصد دل کی دنیا کی آبادی تھی، مقصد آخرت تھا۔ حتیٰ کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو کسی مہاجر نے اپنا گھر یا اپنی زمین واپس نہیں لی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ وہی مکان ابھی موجود تھے جو وہ

چھوڑ کر گئے تھے جو ان کے باپ دادا کے تھے۔ وہ زمینیں وہ جائیدادیں وہیں موجود تھیں۔ وہ کھجوروں کے باغ وہیں موجود تھے۔ کسی مہاجر نے کوئی ذرہ واپس نہیں لیا اور انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم نے یہ سب اللہ کے لئے چھوڑ دیا تھا اب یہ ہمارا نہیں ہے۔ اور مکہ سے ہجرت کرنے والے جب مکہ مکرمہ فتح کر کے مکہ مکرمہ میں چند دن ٹھہرے تو نماز قصر ادا کی۔ خود نبی کریم ﷺ نے بھی صلوۃ قصر ادا فرمائی۔ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کا آبائی گھر مکہ میں تھا اور آج تک آپ ﷺ کا وہ گھر محفوظ ہے۔ لائبریری بنا ہوا ہے۔ لیکن آپ نے وہاں نماز قصر ادا فرمائی کہ یہ سب کچھ ہم اللہ کے لئے چھوڑ چکے ہیں۔ اب ہمارا یہاں کچھ نہیں۔ اب ہم یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں۔ ہماری یہاں ملکیت نہیں ہے۔

تو عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اہل اللہ کے پاس جا کر قرب الٰہی تلاش کرنا، وہ کیفیت جسے تقویٰ کہتے ہیں تلاش کرنا۔ اعمال کی اصلاح تلاش کرنا عقائد ونظریات کی اصلاح تلاش کرنا یہ تو مقصد ہے۔ لیکن اہل اللہ کے پاس جا کر بھی دنیا کے جھمیلوں میں پڑے رہنا اور یہ سمجھنا کہ مجھے یہاں سے دنیا ملے گی۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ جب وہاں نا اہل آجائیں گدی نشین آجائیں تو آپ دیکھ لیں کہ گدی نشینوں نے دین کے عقائد کا اور احکام اسلام کا کیا حشر کر دیا ہے؟ اور اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ گمراہی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ فرمایا ان کا انجام جہنم ہے دوزخ ہے۔ ہر گمراہی دوزخ کی طرف لے جانے والی ہے۔ پھر ان کا جو دنیاوی نظام ہے اس میں بھی ان کے دماغ الٹ جاتے ہیں جب اللہ کے رسولؐ کا اتباع چھوٹ جائے اللہ جل شانہ سے بندے کی امیدیں ٹوٹ جائیں تو پھر وہ کیا کرتا ہے فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ان کے دماغ الٹ گئے انہیں اللہ نے مال دیا وسائل دیئے اسباب دیئے عہدے دیئے یہ ان مال وسائل کو لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے میں خرچ کر رہے ہیں۔ یعنی صرف یہ نہیں کہ خود صحیح العقیدہ نہیں ہیں اور اپنے اعمال کی اصلاح نہیں کرتے بلکہ اللہ نے جو انہیں وسائل دیئے ہیں بجائے اس کے کہ وہ وسائل اللہ کی اطاعت، اللہ کے قرب اور اللہ کریم کے ساتھ قلبی و ایمانی تعلق بڑھانے میں خرچ کرتے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے میں خرچ کر گئے ان کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جو لوگ کافر ہو گئے يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اپنے مال اللہ کی راہ سے روکنے میں خرچ کر رہے ہیں۔ مال سے مراد وسائل ہیں یعنی اللہ کی عطا کردہ ہر صلاحیت مثلاً کوئی عہدہ رکھتا ہے کسی کے پاس قوت بیان ہے یا قوت تحریر ہے اور وہ اس سے نیکی پھیلاتا ہے۔ فرمایا ہی ایسے بدنصیب ہیں کہ خود تو گمراہ ہوئے پھر جو وسائل اللہ نے دیئے ہیں وہ دوسروں کو گمراہ کرنے پر خرچ کر رہے ہیں۔ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ

فرمایا انہیں خرچ کرنے دو۔ مسلمان کو جس میں اللہ نے قوت ایمان رکھی ۔ ہے اسے ڈرنا نہیں چاہیے۔ یہ اپنا مال اپنے وسائل، اپنے تحریر وتقریر، اپنے عہدے اور اپنے رسوخ کو استعمال کرتے ہیں تو انہیں کر لینے دو بہت جلد انہیں اپنے اس کردار پر بڑی حسرت ہوگی۔ انہیں بڑا افسوس ہوگا کہ کاش میں نے پیسے بھی خرچ کئے، میں نے تقریریں بھی کیں، میں نے تحریریں بھی لکھیں، میں نے اپنے عہدے کا بھی استعمال کیا، میرے لئے وبال جان بن گیا اور مجھے اسی کا عذاب بھی ہو رہا ہے۔ یعنی انہیں بڑی حسرت ہوگی جب یہ قبر میں، برزخ میں، حشر میں آئیں گے تو ان کا کردار مال اور صلاحیتوں کا استعمال اور ساری محنت ان پر حسرت کا سبب ہوگا اور یہ کہیں گے دیکھو ہم کیسے بدنصیب ہیں کہ ہم نے اپنا مال بھی خرچ کیا اور اثر ورسوخ بھی تقریر وتحریر کی قوت بھی اور آج وہی چیزیں ہمارے گلے کا عذاب بن گئیں ہمارے لئے طوق اور زنجیریں بن گئی ہیں ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۭ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ یہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی غالب نہیں ہو سکتے مغلوب ہی ہوں گے۔ باطل کبھی غالب نہیں آسکتا۔ باطل کی قسمت میں مغلوبیت اور محرومی ہے اگر یہ ایسا ہی کریں گے تو مغلوب ہی ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝ خواہ کوئی ہو جو لوگ بھی کفر اختیار کریں گے انہیں جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔ جو بندہ بھی کفر اختیار کرتا ہے وہ جہنم کے راستے پر چل پڑتا ہے پھر اس کا کردار، اس کا مال اس کو گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے جانے کا سبب بنتے رہتے ہیں۔ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ تا کہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے ناپاک کیا ہے؟ جہاں اللہ کی عظمت نہیں ہے۔ وہ ناپاک ہے اب دیکھیں حلال اور حرام میں کتنا فرق ہے۔ ایک جانور حلال ہے اس کا کھانا جائز لیکن اگر وہ تکبیر پڑھے بغیر یا ذبح کئے بغیر مر جاتا ہے اللہ کے نام کے بغیر مر جاتا ہے تو حرام ہو جاتا ہے۔ وہی گائے ہے، وہی بیل ہے، وہی حلال جانور ہے لیکن اگر ذبح کرتے وقت اس پر تکبیر نہیں پڑھی جاتی تو وہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے کردار اور ہمارے عقائد میں جتنی باتیں اللہ کے حکم کے مطابق نہیں ہیں اسی قدر ان میں حرام شامل ہے۔ جو کام ہم کرتے ہیں اس پر دو میں سے ایک اثر ضرور مرتب ہوتا ہے۔ یا تو قرب الٰہی کا سبب بنتا ہے یا غضب الٰہی کا۔ اب کام وہی ہے مثلاً روزی کمانے کے لئے محنت کی، کھانا کھایا لیکن اگر اس محنت میں احکام الٰہی کو شامل رکھا۔ دیانت داری سے کی، پاکیزہ چیزیں خریدیں، اللہ کے نام پر گوندھا پکایا بسم اللہ کر کے کھایا تو وہ کھانا نور پیدا کرے گا اگر کام کرنے میں بددیانتی کی، مزدوری پوری لے لی کام آدھا بھی نہیں کیا، حرام حلال چیزیں کوئی چوری اور دھوکہ دہی کر لی، کم رقم دے کر چیز زیادہ لے لی تو وہی رزق ظلمت اور تاریکی پیدا کرے گا۔ یہی قاعدہ ہر کام پر لاگو کر سکتے ہیں۔ جو کام بھی کرتے ہیں۔ اگر اس میں عظمت الٰہی کا خیال ہے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کرتے ہیں تو وہ نور پیدا کرتا ہے رضائے الٰہی کا سبب بنتا ہے قرب الٰہی کا سبب

بنتا ہے لیکن اگر حضور علیہ ﷺ کے حکم کے خلاف ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے خلاف ہے تو پھر وہی کام دوزخ میں لے جانے کا سبب بن جاتا ہے فرمایا، اللہ کبھی بھلے اور برے کو اکھٹا نہیں رکھیں گے ۔لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ناپاک کو خبیث سے الگ کر دیں گے وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ فرمایا، طرح طرح کے نافرمانوں کو اکھٹا کر کے ایک گروہ بنا دے گا۔ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا ایک ڈھیر بنا دے گا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ اور وہ ڈھیر اٹھا کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا یعنی جس طرح کی بھی اور جتنی بھی نافرمانی کی ہوگی وہ جہنم میں جانے کا سبب بنے گی۔

انسان کا عجیب مزاج ہے۔ ہر بندہ دوسروں کو پرکھنے میں لگا رہتا ہے۔ سارا دن ہمارا یہ مشغلہ ہوتا ہے فلاں نے یہ کہہ دیا اس نے غلط کیا فلاں نے یہ کر دیا اس نے غلطی کی، فلاں نے یہ کام برا کیا۔ سارا دن ہم کریدتے رہتے ہیں کہ کس نے کیا کیا غلطی کی۔ یہ بڑا فضول کام ہے وقت بھی ضائع ہوتا ہے محنت بھی لگتی ہے اور ساتھ گناہ بھی جرم بھی ہے۔ اگر دوسروں کو کریدنے کی بجائے ہم دن بھر اپنے آپ پر نگاہ رکھیں کہ میں نے آج کیا کیا میری زبان سے کتنے کلمات نکلے، ان میں کتنے جائز اور درست تھے کتنے ناجائز تھے، آج میں نے کتنے کام کئے اس میں کتنا حلال کمایا، کتنا حرام تھا، ناجائز تھا، کتنا سچ بولا، کتنا جھوٹ بولا؟ اگر ہر بندہ اپنی تاک میں لگ جائے اپنا محاسبہ کرتا رہے تو بہت بہتری کی توقع کی جاسکتی ہے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے کہ اپنا حساب کیا کرو اپنا محاسبہ کیا کرو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے۔ اللہ کریم حساب لیں گے تو اس وقت اصلاح کی گنجائش نہیں ہوگی۔

دارعمل ختم ہو چکا ہوگا وہ دارجزا ہوگا۔ یہاں دارعمل ہے اگر اپنا محاسبہ کرو تو جہاں غلطی ہے آج تمہارے پاس فرصت ہے تم اصلاح کر سکتے ہو۔ تو برائیاں جہنم کا ایندھن ہیں۔ اللہ ان سب کو جمع فرما کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾ وہ لوگ جو اطاعت الٰہی اور اتباع محمد رسول ﷺ سے محروم ہو جاتے ہیں وہ بہت بڑے نقصان میں ہیں بہت بڑے خسارے میں ہیں۔ انہیں تیس، چالیس، پچاس، سو سال عمر بھی ملی انہوں نے زندگی بھی بسر کی۔ اللہ نے انہیں اولادیں بھی دیں، گھر بھی دیئے، مال و دولت بھی دیا، عہدے بھی دیئے سب کو وہ اللہ کی نافرمانی پر خرچ کرتے رہے ہیں۔ اب جب ساری زندگی بندہ ایک شعبے میں محنت کرتا رہے اور انجام کار یہ ہو کہ وہ ساری محنت اسے جہنم میں لے جانے کا سبب بن جائے تو اس سے بڑا اور خسارہ کیا ہوگا؟ فرمایا أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ یہ لوگ سخت نقصان میں اور سخت خسارے میں رہیں گے۔

سورۃ الانفال رکوع 5 آیات 38 تا 40

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْ لَھُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ۚ فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَوْلٰىکُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۴۰﴾

آپ کافروں سے فرمادیجئے اگر وہ باز آجائیں تو ان کے پہلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر پھر وہی (حرکات) کریں گے تو یقیناً پہلے (کافروں) کے حق میں قانون نافذ ہو چکا۔ ﴿۳۸﴾ اور آپ ان سے اس حد تک لڑیں کہ فساد (عقیدہ وعمل کا) نہ رہے اور دین خالص سب اللہ ہی کا ہوجائے پھر اگر یہ باز آجائیں تو یقیناً اللہ ان کے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ ﴿۳۹﴾ اور اگر یہ روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ تمہارے دوست ہیں (اور) کیا ہی اچھے دوست ہیں اور کیا ہی اچھے مدد دینے والے ہیں۔ ﴿۴۰﴾

تفسیر ومعارف

رحمت الٰہی بے کراں ہے:

اتنا سخت فیصلہ فرما کر اللہ نے ارشاد فرمایا قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا میرے حبیب ﷺ یہ لوگ میری ذات کو بھی نہیں مان رہے آپ کی رسالت کو بھی نہیں مان رہے آپ کا اتباع بھی نہیں کر رہے آپ ﷺ ان سے بھی فرمادیجئے کہ اللہ اللہ ہے، خالق ہے ساری مخلوق کی احتیاج سے واقف ہے اور اس کی رحمت بہت وسیع

ہے آپ ﷺ ان سے فرما دیجئے اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ، آج اگر یہ توبہ کر کے آپ کا دامن تھام لیں اور اپنی برائیوں سے باز آ جائیں تو جو کچھ کر چکے ہیں میں معاف کر دوں گا۔ یہ سارے سخت فیصلے سنانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تو بڑا کریم ہے لوگ بڑی محنت کر کے جہنم میں جاتے ہیں۔ لوگ دامن چھڑا چھڑا کر دوزخ میں گرتے ہیں۔ جنت میں جانا آسان ہے دوزخ میں جانا اس سے مشکل ہے۔ دنیا کا کوئی کام دیکھ لیں کیا دھوکہ دینا آسان ہے؟ سیدھا لین دین کرنا آسان ہے کسی کو دھوکہ دینا مشکل ہے۔ کیا چوری ڈاکہ آسان ہے کیا بدکاری آسان ہے؟ کوئی بھی جرم دیکھ لیں برائی کرنا مشکل ہے اور نیکی کرنا آسان ہے۔ پھر نیکی میں رعایت ہے یہ ضروری نہیں کہ ہر بندہ اس درجہ کی کر پائے بلکہ جس میں جتنی ہمت ہے اتنی نیکی کرے جو زیادہ نہیں کر سکتا تو اتنی کرے جتنی اس کی ہمت ہے تو اللہ کی رحمت اس کو تھام لے گی۔ جتنی استطاعت ہے اتنی تو کرے۔ تو فرمایا اے میرے حبیب ﷺ! ان سخت فیصلوں کے بعد انہیں یہ خوشخبری بھی دے دیجئے کہ یہ سخت فیصلے تمہارے کردار کی وجہ سے ہیں یہ سختیاں یہ عذاب یہ جہنم کی آگ تم اپنے لئے خود بھڑکا رہے ہو۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا یہاں کافروں کا بطور خاص ذکر فرمایا جنہوں نے تیرہ برس آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے متبعین پر ستم توڑے۔ جنہوں نے ظلم کی انتہا کر دی جنہوں نے بیت اللہ کے طواف کو مذاق بنا دیا اور عبادات کو رسومات میں تبدیل کر دیا۔ جنہوں نے زندہ اولادیں دفن کر دیں۔ بتوں کی پوجا کرتے رہے کفر و شرک میں لتھڑے رہے۔ فرمایا میرے حبیب ﷺ ان سب سے کہہ دو آج تم اپنے اس کردار سے باز آ جاؤ جو کچھ کر چکے ہو معاف کر دوں گا۔

قرآن کا نزول خاص ہے۔ آیت کے سبب کا نزول کوئی خاص موقعہ ہوتا ہے لیکن قرآن کا حکم عام ہے قیامت تک کے لئے۔ نزول خاص ہوتا ہے حکم عام ہوتا ہے۔ اب قیامت تک کے لئے یہ اعلان ہے، کافر کے لئے بھی کہ اگر وہ کفر سے باز آ جائے اللہ کو مان لے اللہ کے نبی ﷺ پر ایمان لے آئے اطاعت اختیار کرے نافرمانی چھوڑ دے جو کچھ کر چکا ہے اس کے بارے کوئی اللہ نے شرط نہیں رکھی کہ چوری معاف نہیں کروں گا، زنا معاف نہیں کروں گا، قتل معاف نہیں کروں گا۔ بڑے سے بڑے جرم پر کوئی شرط نہیں رکھی کہ فلاں معاف کر دوں گا اور فلاں نہیں کروں گا، نہیں۔ فرمایا کوئی میری ذات کے ساتھ شرک بھی کرتا ہے وہ بھی معاف کر دوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ ادھر دنیا میں سر تسلیم خم کر دے۔ اب تو ہتھیار پھینک دے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی پناہ میں آ جائے۔ اب تو آپ ﷺ کا دامان رحمت تھام لے تو ان کو کہہ دیجئے اِنْ يَّنْتَهُوْا

يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ اگر یہ باز آ جائیں تو جو کچھ کر چکے ہیں مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ میں یہ سب کچھ معاف کر دوں گا۔ ذرا غور فرمائیے اگر کافر کے لئے یہ اعلان موجود ہے کہ آج توبہ کر لے برائی سے باز آ جائے اِنْ يَّنْتَهُوْا تو مسلمان کے لئے کتنی رحمت ہوگی؟ لیکن شرط یہ ہے کہ حقیقتاً توبہ کرے زبانی توبہ توبہ کہتے رہنا عملاً ویسے ہی برائی کرتے رہنا توبہ نہیں ہے اصل توبہ ندامت ہے الندمہ التوبۃ اوکما قال رسول اللہ ﷺ فرمایا زبان سے نہ بھی کہے دل میں ندامت آ جائے شرمندگی آ جائے تو وہ توبہ ہے۔ لیکن توبہ کی شرط یہ ہے کہ فَاِنِ انْتَهَوْا پھر برائی چھوڑ دے۔ اگر کافر چھوڑ دے تو جو کچھ کر چکا ہے وہ سب معاف ہو جاتا ہے تو اگر گناہگار مسلمان توبہ کر لے تو اس پر کتنی رحمت ہوتی ہے؟ ہم کیوں توبہ نہیں کرتے؟ ہم کیوں نہیں سوچتے کہ کوئی لمحہ بھی میری زندگی کے خاتمے کا لمحہ ہو سکتا ہے۔ کوئی دم بھی دم آخریں ہو سکتا ہے اور اب تو ایسا وقت آ گیا ہے کہ اب تو موت کے لئے بیمار ہونے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی اب تو لوگ چلتے چلتے مر جاتے ہیں۔ کام کرتے کرتے مر جاتے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے بندے کا سر لڑھک جاتا ہے سیدھا کرو تو رخصت ہو چکا ہوتا ہے۔ پہلی فرصت میں بندہ کو توبہ کرنی چاہیے اور اپنی پوری کوشش صرف کر دینی چاہیے کہ میں حضور ﷺ کی فرمانبرداری سے نہ نکلوں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ یاد رکھو وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ واگر تم نے وہی کردار پھر اپنا لیا وہی برائیاں پھر کرتے رہے تو پھر جو پہلے کافروں کے ساتھ ہوا ہے وہ تمہارے ساتھ بھی ہوگا۔ یعنی توبہ سے صرف زبانی توبہ مراد نہیں ہے۔ توبہ سے مراد ہے عقیدے سے لے کر عمل تک پوری طرح تبدیلی آ جائے مثبت تبدیلی آ جائے۔ عقیدے کی برائی کو بھی چھوڑ دے عمل کی برائی کو بھی چھوڑ دے۔ اور اگر کوئی توبہ کے بعد پھر اس طرف چلا گیا تو فرمایا اس کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو کافروں کے ساتھ ہوتا ہے۔

جہاد قیام قیامت تک فرض ہے:

نظام کائنات میں اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اللہ کی بات کو نافذ کرنے کے لئے ظلم کو روکنے کیلئے حکم ارشاد فرمایا، وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ جب تک لوگ کفر پر اڑے ہوئے ہیں، برائی پر اڑے ہوئے ہیں جب تک لوگ اللہ کی نافرمانی پر اڑے ہوئے ہیں، وَقَاتِلُوْهُمْ ان کے ساتھ جنگ کرو۔ یعنی جنگ افراد سے نہیں ہے جنگ برائی سے ہے۔ یاد رکھیں اسلام نے جہاد کا تصور دیا

ہے اور علماء حق نے مفسرین کرام نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ قیام قیامت تک جہاد اسی طرح فرض ہے جیسے عہد نبوی میں تھا اور ہمیشہ فرض رہے گا۔ لیکن جہاد یہ نہیں ہے کہ ذاتی رنجش کی بناء پر کسی کو قتل کر دیا جائے یا فتوی دے دیا جائے کہ یہ کافر تھا اس کو مارنا ضروری ہے۔ ایسا نہیں ہے کوئی کافر بھی ہے اور وہ دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا رہا کسی کے ساتھ ظلم نہیں کر رہا تو اسے مارنا جائز نہیں جہاد ظلم اور زیادتی کے خلاف ہے اگر وہ تبلیغ سے نہ رکے تو اسے بزور بازو روکا جائے۔ بزور شمشیر روکا جائے اور اگر وہ لوگ برائی سے باز آ جائیں تو جہاد کی ضرورت ان کے ساتھ لڑنے کی ضرورت نہیں۔ جہاد کس لئے ہے؟ فرمایا حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ کوئی فتنہ باقی نہ رہے۔ لوگوں کی ایذا کا سبب نہ بنے۔ لوگوں کو زبردستی کافر نہ بنائیں۔ لوگوں کو زبردستی سود نہ کھلائیں۔ لوگوں کو زبردستی بدکاری میں مبتلا نہ کریں۔ لوگوں کی گمراہی کا سبب نہ بنیں۔ اس ظلم کو روکنے کے لئے مسلمانوں پر جہاد فرض ہے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر خود مسلمان ہی کافروں کی پیروی کرتے ہوئے سود کھانا شروع کر دیں۔ خود مسلمان ہی شراب پئیں جواء کھیلیں آرٹ کے نام پر اپنی بہو بیٹیوں کو راگ رنگ تعلیم دیں۔ انہیں نیم برہنہ لباس پہنائیں روشن خیالی کے نام پر گھر کی عزت اچھالیں اور اس پر فخر کریں تو پھر کفار سے جہاد کون کرے گا؟

بین تفاوت را از کجا تا بہ کجا

کتنا فاصلہ آ گیا ہے مسلمانی میں اور آج کے ہم لوگوں میں! اسلام کیا تھا کہ خود نیکی پر عمل کرو اور برائی کو روکو اور اگر برائی تبلیغ سے نہ رکے تو پھر اسے بزور شمشیر روکو۔ کسی کو تلوار سے مسلمان نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی دو حق اللہ نے ہر فرد کو دیئے ہیں زندہ رہنے کا اور عقیدہ رکھنے کا۔ جو عقیدہ چاہے وہ رکھے لیکن دوسرے کا حق نہ چھینے۔ دوسرے کی بہو بیٹی کی عزت نہ چھینے۔ دوسرے کا مال نہ چھینے آرام سے رہے تو اس سے کوئی جہاد نہیں۔ لیکن اگر وہ دوسروں کے لئے باعث تکلیف بنتا ہے پھر اس کے خلاف جہاد ہوگا اور جہاد برائی کے خلاف ہوگا لوگ برائی چھوڑ دیں فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴿۳۹﴾ اگر وہ برائی سے باز آ جائیں تو اللہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے پھر ان کے ساتھ لڑائی نہیں ہوگی۔ پھر جو عمل وہ کر رہے ہیں اللہ خود دیکھ رہا ہے ان کو بدلہ دے گا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴿۴۰﴾ اگر کافر تمہارے

مخالف ہو جائیں کافر اس بات سے پھر جائیں تو مسلمانو! فکر نہ کرو اس لئے کہ اَنَّ اللّٰہَ مَوْلٰـکُمْ ط اللہ تمہارا مددگار ہے بے شک کافروں کے پاس افرادی قوت زیادہ ہو جائے۔ کافروں کے پاس وسائل زیادہ ہو جائیں اللہ کی حمایت حق کے ساتھ ہی ہوگی۔

مومن کو ہر میدان میں مجاہدہ کرنا ہے:

یہ درست نہیں ہے کہ دنیاوی علوم میں ترقی نہ کی جائے اور سارا زور عبادات پر رکھا جائے دنیاوی علوم میں ترقی مسلمانوں کی مرہون منت ہے۔ دنیاوی علوم کافروں کی ملکیت نہیں ہیں۔ اللہ کے عطا کئے ہوئے علوم میں سائنس، طب، میڈیکل، انجینئرنگ جتنے شعبے ہیں یہ اللہ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں اور مسلمانوں کو چاہیے کہ اس میں محنت کریں یہ بھی جہاد ہے کہ آپ تحقیق و تدقیق کے میدان میں محنت کریں وہ علوم حاصل کریں تاکہ کفار کے مقابلے میں بہتر چیزیں ایجاد کریں یہ بھی جہاد ہے۔ اپنے بچوں کو ان سے زیادہ پڑھائیں ان سے زیادہ تعلیم یافتہ بنائیں، زیادہ تحقیق و تدقیق کریں اور انسانیت کی بہتری کے لئے زیادہ کام کریں۔ ہمارا یہ حال ہے کہ یا تو ہم کافروں کے بالکل پیچھے لگ گئے ان جیسے ہو گئے یا پھر بالکل مساجد میں گوشہ نشین ہو گئے اور کہا ہم نے تو الف ب بھی نہیں پڑھانا۔ یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں۔ ہر میدان میں مومن کو کافر سے مقابلہ کرنا ہے وہ خواہ تحقیق و تدقیق کا ہے، انجینئرنگ کا ہے، سائنس کا ہے، میدان جہاد کا ہے یا میدان اسلام و کفر کا ہے۔ ہر میدان میں مومن کو کافر کے مقابل رہنا ہے۔

اگر کافر تم سے خفا ہو جائیں یا کافر اپنے کردار پر لوٹ جائیں تو جان لو بے فکر رہو اَنَّ اللّٰہَ مَوْلٰـکُمْ ط اللہ تمہارا مالک ہے نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ کیا خوبصوت مالک ہے اور کیا پیارا مددگار ہے۔ جب چاہے، جہاں چاہے، جہاں ضرورت ہو، ہر شعبے میں، ہر جگہ تمہاری مدد کرنے کے لئے موجود ہے۔